زندگی کے نشیب و فراز کی پر پیچ اور پر آشوب پگڈنڈی پر
رواں دواں دل گداز، دل گرفتہ و خونچکاں، تحیر انگیز کہانی

بھنور

پیش لفظ

کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ اپنا سپاہی بناتا ہے ان کی کڑی آزمائش ہوتی ہے پھر یہ مقام ملتا ہے برائی کو ختم کرنے والوں کا بہت اعلیٰ مقام ہوتا ہے بدی کو ختم کرنے والے ہر زمانے میں ہوتے ہیں وہ معرفت والے ہوتے ہیں خود کو پوشیدہ رکھ کر وہ کام کرتے ہیں۔ اس کائنات کو چلانے کا جو سسٹم رب کائنات نے بنایا ہے وہ بڑا جامع ہے بڑا بیلنس ہے اس میں جہاں برائی بڑھتی ہے وہیں پر کچھ آفت آتی ہے برائی خود بخود مر جاتی ہے۔ ہزاروں لوگ سمندری طوفان اور پہاڑی طوفانوں کی نذر ہو جاتے ہیں ذرا غور کریں اس میں خدا کی کیا مصلحت تھی۔ کیوں ایسا ہوا۔ انسان میں بھولنے کی بیماری بڑی قدیم ہے وہ بہت جلد بھول جاتا ہے عبرت نہیں پکڑتا۔ جب سر پر چھت گرتی ہے تو بھاگتا ہے اور پھر بھول جاتا ہے یہ ہے انسان۔

زندگی ان گنت الجھے ہوئے پے چیدہ راستوں میں گھری ہوتی ہے۔ ان تمام راستوں میں انسان کو اپنا راستہ منتخب کرنا ہوتا ہے غلط راستہ اس کو اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں پر پنڈت کھڑا تھا، پانی تھا مگر اس کو نہیں ملا، کھانا تھا خوراک تھی اس کے لئے نہیں تھی درخت تھے سایہ تھا مگر اس کے لئے نہ تھا، اس نے صحرا کسی کے لئے پسند کیا تھا وہی اس کے لئے تھا اب واپسی کا اس کو پتہ نہ تھا۔ وہ موت مانگ رہا تھا مگر وہ بھی اس کے قریب نہیں آ رہی تھی۔ زندگی تو وہ کس منہ سے مانگتا۔ ایک لمحہ ایک، ایک سال بن رہا تھا پورے جسم پر زخم تھے ان زخموں میں کیڑے کلبلا رہے تھے اور چیونٹیاں ان کیڑوں کا شکار کر رہی تھیں۔ اس کا بدن شکار گاہ بنا ہوا تھا۔ اس کا دماغ حیرت انگیز طور پر ٹھیک کام کر رہا تھا۔ اس کے گوشت کو جانوروں نے کھایا لیکن اس کا دماغ کام کر رہا تھا اس کی

بھنور

آنکھیں نیم وا کھلی تھیں تو بھی وہ محسوس کر رہا تھا۔ سب کچھ اس کے ہوش میں ہو رہا تھا ہر پیش آنے والا واقعہ اس نے محسوس کیا اس کی تکلیف کو محسوس کیا وہ غافل کبھی نہ ہوا یہ حقیقت تھی ہر حقیقت اس کے سامنے رہی۔ ہر لرزہ خیز منظر کا وہ خود گواہ تھا۔ نہ معلوم کتنا وقت اسی کیاری کے کنارے پڑے پڑے گزر گیا اور پھر اس کے چہرے پر کسی نے پانی مارا۔ پہلی دفعہ تو اس کو لگا جیسے کسی نے تیزاب اس پر ڈال دیا ہے مگر پھر کچھ ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا اس نے منہ کھول دیا اور پانی منہ کے اندر جانے لگا۔ پانی کے اندر جاتے ہی مشین کے پرزوں میں جان پڑ گئی۔ پانی زندگی ہے اس نے سوچا ہاں زندگی ہے۔

یہ کائنات حق تعالیٰ نے بنائی ہے۔ انسان اس کو دیکھ کر اس کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے اور اس کی قدرت کو تسلیم کرتا ہے۔ مذہب کے بغیر انسان اس کائنات کو نہیں پرکھ سکتا۔ وہ اگر کائنات کو نہیں سمجھ سکتا تو اس کے خالق کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ انسان کا مرکز اس کا مذہب ہے مرکز بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے مرکز سے بھٹکا ہوا ہمیشہ بھٹکتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ مرکز یعنی مذہب سے ہٹ کر کائنات کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں وہ بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی کچھ لوگوں کے بے حد حیرت انگیز اور عبرتناک انجام کے گرد گھومتی تحریر..... ایک سیدھے سادھے نوجوان کو کیا سے کیا بنا دیا گیا؟

قارئین! یہ ناول پہلے ماہنامہ ذرہ ڈائجسٹ میں شائع ہو چکا ہے۔ اب کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ آپ کو کیسا لگا پڑھ کر ضرور بتائیں۔ شکریہ

والسلام

خالد علی

یہ انسان بھی اللہ نے کیا چیز بنائی ہے۔ اس کا مزاج بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ دوسرے پل وہ فرشتہ نظر آنے لگتا ہے۔ کبھی کبھی بہت شریف بدمعاش بن جاتا ہے اور بدمعاش شریفوں سے بڑھ کر شریف ہو جاتا ہے۔ تقسیم ہند کے موقعہ پر ایسی کئی مثالیں سامنے آئی ہیں کہ ایک علاقے کا بدنام زمانہ آدمی جس کو کوئی شریف آدمی منہ نہیں لگاتا تھا اس نے اسی محلے کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان گنوا دی، جو کام شریف نہ کر سکے وہ اس نے کیا اور لوگوں کے دلوں میں اپنی یاد چھوڑ گیا۔

بات تقسیم ہند سے چلی ہے تو اسی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اتنی سخت بارش پہلے نہیں ہوئی تھی، پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہ پہلی اتنی شدید بارش تھی۔ ہر سڑک نہر بن گئی تھی۔

میں اور میری والدہ ایک کالونی میں ایک جھونپڑی بنا کر رہا کرتے تھے۔ ہمارے پاس صرف دو چارپائیوں کی جگہ تھی اسی جگہ میں ہمارا باورچی خانہ بھی تھا۔ دیواریں چٹائی کی تھیں اور چھت پر بھی چٹائی تھی۔ رات بھر بارش ہوتی رہی تھی چارپائیوں کے نیچے پانی بہہ رہا تھا یہ حال صرف ہمارا ہی نہیں تھا سب جھونپڑی والوں کا یہی حال تھا۔ نیا نیا پاکستان بنا تھا سب کے دلوں میں پاکستان کی محبت کا جذبہ تھا یہ دکھ اور پریشانیاں سب پاکستان کے نام پر برداشت کر رہے تھے۔ کوئی کسی سے شکوہ نہیں کرتا تھا۔ کوئی نہیں کہتا تھا کہ وہ کیسا مکان چھوڑ کر آیا ہے۔ کوئی نہیں کہتا تھا کہ اس نے اپنے کتنے پیاروں کی قربانی دی ہے، کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں تھے۔

اس بستی کے کسی گھر میں دو روز سے کھانا نہیں پکا تھا کیونکہ ہر جھونپڑی پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کھانا پکانے کی گنجائش نہیں تھی اور کچھ پتہ بھی نہیں تھا کہ یہ سلسلہ کب تک رہتا تھا۔ ہر شخص کے سامنے روٹی کا مسئلہ تھا جن لوگوں کے چھوٹے بچے تھے وہ لوگ زیادہ پریشانی کا شکار تھے۔ شام ہونے کو آئی تھی پوری رات بارش ہوئی پورے دن رک رک کر بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ دن بھر لوگ بھوکے پانی میں بیٹھے رہے رات پھر سر پر کھڑی تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ کسی کی آواز آئی کھانا تقسیم ہو رہا ہے کوئی اللہ کا نیک بندہ جنگلی نشیبوں کے لئے کھانا پکا کر لایا تھا۔ مردہ جسموں میں جان سی پڑ گئی۔ میں بھی گھر

سے نکل آیا۔ کاٹھ کے پل کے نیچے بھیڑ لگی تھی سب جھگی نشین پانی میں بھیگتے ہاتھوں میں برتن پکڑے لائن میں کھڑے تھے۔ میرے پاس کوئی برتن نہیں تھا۔ میں دوڑ کر واپس اپنی جھگی میں گیا اور ایک سلور کا تسلا جس میں میری ماں آٹا گھوندتی تھی اٹھالایا اور لائن میں کھڑا ہو گیا۔ ساٹھ، ستر عورتیں اور مرد لائن میں لگے تھے لائن چلتی رہی اور میں بھی دیگوں کے قریب پہنچ گیا۔ میرے آگے اب صرف چھ، سات آدمی اور عورت تھے کہ اعلان ہوا کہ کھانا ختم ہو گیا۔ کھانا بانٹنے والے کھڑے ہو گئے۔ ''ابھی نہیں مل سکتا اور پکوانا پڑے گا ہم پھر آئیں گے۔'' وہ لوگ گاڑی میں دیگیں رکھ کر چلے گئے۔ میں خالی ہاتھ تسلا لے کر بھیگتا ہوا جھگی میں آ گیا۔

''کھانا ملا.....'' ماں نے پوچھا۔

''نہیں ماں وہ لوگ بنے گئے ہیں۔ ختم ہو گیا تھا جتنا ان کے پاس تھا وہ سب انہوں نے بانٹ دیا۔''

جھگی میں کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں پر بارش کا پانی نہ آتا ہو اس لئے میں نے اماں سے کہا۔

''چلو پل کے نیچے چلتے ہیں۔ یہاں تو کھڑے ہونے کو جگہ نہیں ہے۔''

''نہیں بیٹا ہم کو یہاں ہی رہنا پڑے گا دو چار برتن اور چارپائی ہے وہ بھی نہیں رہے گی۔ چٹائیاں تک اکھاڑ کر لوگ لے جائیں گے۔'' اماں کی بات درست تھی سامان کے ساتھ یہ جگہ بھی جاتی رہے گی۔ میں نے ایک پھٹے کمبل کو چھتری کی طرح رسیوں سے باندھ کر تان دیا اور اماں کو بٹھا دیا۔ رات بھر پھر تیز بارش ہوتی رہی مگر صبح ہوتے ہی چمکیلی دھوپ نکل آئی۔ جھگی نشینوں نے خدا کا شکر ادا کیا موسم اچھا ہو گیا۔ مگر ہمارے اندر کا موسم اچھا نہیں تھا۔ تین دن سے بھوکے تھے میری جھگی میں کھانے، پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اور اگر ہوتی تب بھی پک نہیں سکتی تھی۔ چارپائی کے نیچے پانی میں برتن تیر رہے تھے، چولہا پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور لکڑیاں بہہ گئی تھیں۔

میں نے اماں سے کہا۔ ''میں کسی ہوٹل سے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔''

''تیرے پاس پیسے ہیں۔'' اماں نے پوچھا۔

''ہاں ایک روپیہ چار آنے پڑے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''زیادہ خرچ مت کرنا کیا پتہ تیرا کام کتنے دن اور نہ لگے۔'' اماں بولیں۔

''دو تین روٹی اور دال خرید لوں گا۔'' میں کہا۔

میں کاٹھ کے پل کو کراس کر کے ہوٹل آنے کے لئے پل پر چڑھ گیا۔ پل سے اترتے ہی پتہ چلا۔ آگے جانے کا راستہ پانی میں ڈوبا ہوا ہے اور اتنا پانی ہے کہ بندہ ڈوب جائے ایک کشتی موجود ہے جو کاٹھ کے پل سے خشکی پر اتارنے کے دو آنے لے رہی ہے۔

میں نے سنا تو حیران رہ گیا دو آنے کوئی اندھیر ہے، کچھ دیر میں وہیں کھڑا رہا۔ مگر کب تک کھڑا رہتا۔ آگے تو جانا تھا۔ آخر دو آنے دے کر خشکی پر اترا اور ہوٹل کی جانب چلا۔ تھوڑی دور ایک تندور کھلا ہوا تھا اس کے پاس بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میں بھی اس بھیڑ میں شامل ہو گیا اور تین آنے کی تین روٹیاں خرید لیں۔ سالن کے لئے میرے پاس برتن نہیں تھا۔ اس لئے دو کباب دو آنے کے لینا پڑے۔ اس طرح چھ آنے خرچ ہو گئے۔ واپسی میں کاٹھ کے پل کی طرف نہیں گیا دوسری طرف چلا گیا پانی تو یہاں پر بھی تھا مگر گھٹنوں گھٹنوں پانی کو پار کر کے میں نے دو آنے بچائے میرے دو آنے کی اہمت بہت زیادہ تھی۔ میرے چھ آنے خرچ کرنے پر اماں بہت ناراض ہوئیں۔ میں خاموش رہا کیا کرتا رات میں بارش نہیں ہوئی۔ اماں نے آدھی روٹی میرے ناشتہ کے لئے بچالی تھی۔ وہ میں نے ایک گلاس پانی سے کھائی اور بستہ اٹھا کر اسکول کو چل دیا۔

میں نے کبھی اسکول میں فیس نہیں دی تھی۔ میرے سارے ماسٹر مجھ سے خوش تھے۔ کیونکہ میں ہمیشہ اچھی پوزیشن لیتا تھا۔ سب کو پتہ تھا کہ میں فیس ادا نہیں کر سکتا جھگی میں رہتا ہوں، کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ مجھے کتابیں تک ماسٹر دیا کرتے تھے میرے استاد مجھ پر اس قدر مہربان تھے کہ میں کیا بیان کروں۔ ان کا برتاؤ میرے ساتھ بہت اچھا تھا ان کی وجہ سے کلاس کے ساتھی لڑکے بھی میرا بہت خیال کرتے تھے میں چونکہ پڑھائی میں بہت اچھا تھا اس لئے تمام لڑکوں کی مدد بھی کیا کرتا تھا۔ میرے ساتھ ہمیشہ بڑا نرمی کا سلوک ہوتا تھا غریب جان کر مجھے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے اپنی غریبی کا احساس اسکول میں نہیں ہوا۔ وہ سب جانتے تھے کہ میں چھٹی کے بعد پوسٹ آفس کے باہر بیٹھ کر خط لکھتا ہوں یہی میری روزی ہے۔ مجھے یہ بتانے میں شرم نہیں آئی تھی اور نہ ہی کسی نے میری مجبوری کا مذاق اڑایا کسی کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی وہ جس خلوص محبت سے ملتے تھے ملتے رہے۔ انہوں نے میری مالی مدد کرنے کی کوشش بھی کی مگر میں نے ان کی پیش کش کو شکریہ کے ساتھ رد کر دیا۔

میری کلاس میں ایک لڑکا پڑھتا تھا۔ اس کا نام حمید ڈوسانی تھا۔ اس نے بتایا۔ ''اس کا بہنوئی مارکیٹ میں کپڑے کی دلالی کرتا ہے، وہ روزانہ دو تین خط لکھواتا ہے۔ تم شام اس کے پاس چلے جایا کرو اور خط لکھ دیا کرو وہ تم کو ایک روپیہ روز دے گا۔''

میرے لئے یہ غیبی امداد تھی۔ میں روزانہ مارکیٹ جانے لگا اور ایک روپیہ روز ملنے لگا۔ وہ مہینہ ہوتے ہی تیس روپے ادا کر دیا کرتا تھا، اتوار کی یا کسی قسم کی چھٹیاں نہیں کاٹتا تھا۔ اس کا نام ستار بھائی تھا، وہ بلا کا ذہین اور ہنس مکھ آدمی تھا۔ وہ مجھ سے بھی مذاق کر لیا کرتا تھا، ڈانٹ بھی دیا کرتا تھا مگر اس ڈانٹ بھی اچھی لگتی تھی کیونکہ مجھے اس میں بھی خلوص نظر آتا تھا۔ میں حمید کا دوست تھا وہ مجھے بھی اپنا

سالا ہی کہتا تھا۔ کبھی کبھی میں اس کے گھر بھی جایا کرتا تھا۔ اس زمانے کے ان دو آدمیوں نے مجھ پر بڑے احسان کئے مگر کبھی مجھے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ احسان کر رہے ہیں۔ ہم لوگ صبح کی شفٹ میں پڑھتے تھے۔ ساڑھے بارہ بجے میں پوسٹ آفس پہنچ جایا کرتا تھا۔ وہاں پر میں فٹ پاتھ پر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا تھا۔ تختی میرے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ وہیں بیٹھ کر منی آرڈر فارم اور خط لکھا کرتا تھا۔ منی آرڈر فارم کا ایک آنہ اور خط لکھنے کے دو آنے میرا ریٹ تھا۔ کسی روز دو، تین روپے ہو جاتے تھے اور کسی روز روپیہ بھی نہیں بنتا تھا۔ میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں بلا کا ذہین اور لکھنے پڑھنے میں بہت تیز تھا۔ میں اور میری ماں' دو ہی نفر تھے' ہمارا خرچ بھی زیادہ نہیں تھا کرایہ وغیرہ کا کوئی چکر نہیں تھا۔ میں رات کو مسجد کے صحن میں بیٹھ کر پڑھتا تھا کیونکہ وہاں پول پر بجلی کا بلب لگا ہوا تھا۔ ہماری جھگی میں کبھی چراغ نہیں جلایا گیا' ہمیں چراغ کی ضرورت تھی ہی نہیں۔ اماں اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی روٹی پکا لیتی تھی۔ ایک بوری برادہ پورے مہینہ چلتا تھا اور چار آنے کا آتا تھا۔ شام پانچ بجے تک میں پوسٹ آفس کے باہر کام کرتا تھا۔ اس کے بعد میں گراؤنڈ چلا جاتا تھا اور کسی کی بھی ہاکی لے کر کھیلتا رہتا تھا۔ میں کئی کلبوں سے کھیلتا تھا ہر کلب چاہتا تھا کہ میں ان کے کلب میں کھیلوں کی وجہ یہ تھی کہ میں بہت اچھے اور پرانے کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلتا تھا، میری دوڑ بھی بہت تیز تھی اور پھر گول کرنا میرے لئے مشکل نہ ہوتا۔ ہر بڑے کھلاڑی کا خیال تھا میں بڑا کھلاڑی بن سکتا ہوں۔ میرا میٹرک کا رزلٹ آ گیا، میں بہت اچھے نمبروں میں پاس ہو گیا۔

اب آگے پڑھنے کے لئے داخلے اور اخراجات کا معاملہ درپیش تھا۔ اماں نے کہا۔ ''بیٹا اب تو کوئی نوکری کر لے آگے پڑھنے کا خیال چھوڑ، تیرا کون ہے جو تیرے اخراجات پورے کرے گا۔''

اماں کا کہنا درست تھا مگر میرا دل کرتا تھا کہ آگے پڑھوں مگر کس طرح، یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا، کسی کے آگے دست سوال میں نے آج تک نہیں کیا تھا، حمید بھی پاس ہو گیا تھا وہ کالج میں داخلے کے دو فارم لے آیا۔ ''ایک فارم میرا ہے ایک تیرے لئے لایا ہوں۔'' وہ بولا۔

''یار تو اپنا فارم جمع کرا دے میرا ارادہ آگے پڑھنے کا نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ فارم میں تیرے لئے لایا ہوں اور مجھے پتہ ہے تو کیوں کنی کاٹ رہا ہے مگر میرے سامنے تیری بلو اس نہیں چلے گی، فارم پر دستخط کر دے۔ آگے میں جانوں۔'' وہ بولا۔

''میں نے میٹرک کس طرح کیا ہے، تجھے پتہ ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''[illegible] تیری عزت جو میرے دل میں ہے اس کی وجہ تو جانتا ہے کیوں ہے؟''

''مجھے کیا پتہ۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں بتاتا ہوں تیری محنت اور خودداری تیری عزت کی وجہ ہیں۔ اب زیادہ بکواس نہ کر اور فارم بھر۔''

''یار میں کالج کے اخراجات کس طرح پورے کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''اب تک کس طرح پورے کرتا تھا۔'' وہ بولا۔

''دو چار روپے روز میں کھانے کے ساتھ کالج کا خرچ کس طرح پورا ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''تو فارم تو بھر پہلے داخلہ تو لے اس کے بعد پھر سوچیں گے، ابے جب چل پڑتے ہیں تو راستہ خود بخود بنتا جاتا ہے۔ آگے قدم بڑھانا بھی تو ضروری ہے۔''

''عقل مند وہ ہوتا ہے جو پہلے سوچتا ہے پھر قدم بڑھاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا عقل کل، میری خاطر یہ فارم بھر دے تیرے لئے میں نے راستہ بنایا ہے۔ ستار بھائی نے کہا ہے کہ تو پڑھے گا تو کالج کی فیس اور کتابوں کا خرچ وہ دے گا۔ تیری دہاڑی بھی بڑھا دے گا، تجھے پتہ ہے اب اس کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔''

پوسٹ آفس میں اب بھی جاتا تھا۔ شام کو ستار بھائی کے پاس کام کرتا تھا۔ واقعی میری آمدنی پوسٹ آفس پر زیادہ ہونے لگی تھی۔ ستار بھائی نے دو روپے روز کر دیئے تھے۔ اس کے علاوہ بھی وہ میری ہر طرح مدد کرتے تھے۔

میں بارہ ساڑھے بارہ بجے پوسٹ آفس آ جاتا تھا زیادہ کام تو صبح کے وقت ہی ہوتا تھا مگر میں صبح کالج جاتا تھا اب میں تختی لے کر کھڑا رہتا تھا اور ہر آنے والے سے خود پوچھتا تھا کہ کچھ لکھوانا تو نہیں ہے اس طرح کام کچھ بڑھ گیا تھا، میرا ریٹ اب تک وہی تھا۔ بہت سے تو مجھے جان گئے تھے وہ سیدھے میرے پاس آ جاتے تھے۔

اس روز موسم بڑا سخت تھا، دھوپ اتنی تیز تھی کہ گیٹ پر دھوپ میں کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ اندر میں سائے میں کھڑا ہو سکتا تھا مگر وہاں پر گاہک تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے میں دھوپ میں کھڑا تھا۔ میرے سامنے ایک سائیکل رکشہ رکا اور اس میں سے ایک عورت اتری۔ وہ سرمئی کلر کی ساڑھی اور بلاؤز میں ملبوس تھی۔ پیروں میں بھی قیمتی چپل نظر آتی تھی۔ میں دھوپ میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا مگر میری نظر وہی تھی جو ہر گاہک کے لئے ہوتی تھی۔ اس نے پرس کھول کر کرایہ ادا کیا اور میں اس کے قریب چلا گیا اور حسب عادت میں نے پوچھا۔ ''آپ کو کچھ لکھوانا ہے۔'' میں اس سے صرف ایک ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر تھا میرا قد اس سے زیادہ تھا مگر فرق بہت تھوڑا تھا۔ اس نے مسکرا کر میری

طرف دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ دور سے اتنی حسین نظر نہیں آتی، اس کے نقوش اس قدر ملیح تھے کہ انسان دیکھے تو دیکھتا ہی رہ جائے اور اس پر سے نظر ہٹانے کو دل نہ کرے۔ اس کی مسکراہٹ تو اس قدر جاذب نظر تھی کہ دل کھنچ آنکھوں میں آ جائے۔

''کام تو ہے۔'' اس نے میرے اور قریب آ کر کہا۔

''تو آیئے اس درخت کے سائے میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مجھے ایک خط لکھوانا ہے اردو میں۔'' وہ گھاس پر بیٹھ کر بولی۔

میں نے تختی کو گھٹنوں پر رکھ لیا اور کہا۔ ''مخاطب کس کو کروں۔''

''میرا شوہر ہے، ڈھاکہ میں رہتا ہے۔'' وہ بولی۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا میرا تجربہ اتنا نہیں تھا کہ میں عورت اور لڑکی میں تمیز کر سکوں مگر وہ مجھے عورت کم اور لڑکی زیادہ لگتی تھی۔ میں نے اس کی عمر کا اندازہ بیس، بائیس سال لگایا تھا۔ میں نے خط لکھنا شروع کر دیا۔ وہ بولتی گئی میں لکھتا گیا۔ یہ خط ایک دکھیا بیوی کا تھا جو اپنے شوہر کو لکھ رہی تھی وہ بھول گئی تھی کہ اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان میں بھی تھا اس کی راز کی باتیں اور یادیں مجھے بھی پتہ چل رہی تھیں۔ اس کی حسین آنکھوں میں پانی کے قطرے چمک رہے تھے اور میرا قلم اس کے جذبات کو کاغذ پر بکھیرنے میں مصروف تھا۔

وہ خاموش ہو گئی تو میں نے پوچھا۔ ''بس یا کچھ اور لکھنا ہے۔''

''نہیں اب اور کیا ہے۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''پڑھ کر سنا دوں۔'' میں نے پوچھا۔

''میں نے جو کہا ہے وہی تو تم نے لکھا ہے، پھر سن کر کیا کروں گی۔'' وہ بولی۔

میں نے لفافہ نکالا کاغذ اس کے اندر رکھا اور پتہ پوچھ کر پتہ انگریزی میں لکھ دیا۔ ''تم کو انگریزی بھی آتی ہے۔'' وہ بولی۔

''میں کالج میں پڑھتا ہوں۔ دن میں یہاں کام کرتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

اس نے دو روپے نکال کر مجھے دیئے۔ میں نے کہا۔ ''میرا خط لکھنے کا ریٹ صرف دو آنے ہے لفافہ الگ۔'' میں نے کہا۔

''تم پڑھتے ہو، تمہاری ضروریات بھی ہیں، میری خوشی کی خاطر رکھ لو۔'' وہ بولی۔

''یہ میری محنت سے زیادہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس میں میرا خلوص شامل ہے، نہیں لو گے تو مجھے رنج ہوگا۔''

میں نے دو روپے جیب میں رکھ لئے۔ ''تم نے میرا مان رکھ لیا، بہت شکریہ، میں پھر آؤں گی، تم روزانہ آتے ہو۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں میں روز آتا ہوں مگر بارہ بجے کے بعد آتا ہوں اور اسی جگہ ملتا ہوں۔''

اس نے رکشہ روکا اور چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں اس کے بدن کی خوشبو محسوس کرتا رہا ایسی خوشبو میں نے اس سے پہلے محسوس نہیں کی تھی۔ مجھے پتہ نہیں کیا ہو رہا تھا۔ میرا دل کرتا تھا میں اس کو دیکھتا رہوں، میرا دل اس کو دیکھ کر بھرا نہیں تھا۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں کچھ دیر اسی جگہ بیٹھا رہا اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں پر وہ بیٹھی تھی اس جگہ کی گھاس دبی ہوئی تھی، میں اس دبی گھاس پر ہاتھ پھیرتا رہا، میں خود کو نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ وہ ایک شادی شدہ عورت تھی۔ میں اس سے عمر میں چھوٹا تھا، ناتجربہ کار تھا، میں کس انداز میں سوچ رہا تھا، مجھے خود پر تعجب بھی ہو رہا تھا اور خود پر غصہ بھی آ رہا تھا، میں اس کو بھولنا چاہ رہا تھا مگر کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اسے بھولنے کی بہت کوشش کی مگر میری کوششوں کے بدلے مجھے بے چینی ملی، انتظار ملا، دو روز کے بعد وہ پھر اسی انداز میں آ گئی۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا حالانکہ میرے دل نے کہا کہ میں آگے بڑھ کر اس کا استقبال کروں اس کی پذیرائی کروں، اس کے قدموں میں اپنا دل رکھ دوں مگر میں نے کچھ نہیں کیا، میں اپنی جگہ کھڑا رہا وہ رکشہ سے اتر کر سیدھی میرے پاس آ گئی اور بولی۔

''فرصت میں ہو۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''فرصت سی فرصت.....''

''تو آؤ میرا خط لکھ دو۔'' وہ بولی۔

میں درخت کے سائے میں گھاس پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی میرے قریب ہی بیٹھ گئی۔ ''اگر فرصت میں ہو تو خط سے پہلے دو چار باتیں کر لیں۔'' وہ بولی۔

میں نے اس کی طرف دیکھا، مسکراتے چہرے حسین لگتے ہیں مگر بعض لوگوں کی مسکراہٹ ہی ان کا اصل حسن ہوتی ہے وہ تو پھر ایک حسین عورت تھی میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولی۔

''میرا نام کنول ہے۔ میں یہاں سے قریب ہی ایک فلیٹ میں رہتی ہوں۔''

اس کی یہ بات سن کر نہ جانے میں کیوں مسکرانے لگا، پھر بولا۔ ''میرا نام حیدر علی ہے مگر میں کہیں کا سلطان نہیں ہوں، باپ نے شاید یہ سوچ کر نام رکھ ہوگا کہ میں بڑا ہو کر شاید سلطان بن جاؤں گا مگر یہ سلطان دس فٹ کی جھگی میں رہتا ہے۔ روز گڑھا کھودتا ہے۔ پانی نکالتا ہے خود پیتا ہے اور اپنی بوڑھی ماں کو پلاتا ہے، میم صاحب میں مزدوری کرنے یہاں بیٹھا ہوں۔ آپ کو جو کام ہے وہ کروائیں میری

فیس دو آنے ہے میں صرف اس کا حق دار ہوں نہ آپ زیادہ دیں نہ میں طلب کروں گا۔'' میں نے بڑے سکون سے خود پر کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

''تم میری کس بات سے ناراض ہو، یہ میں سمجھ نہیں پا رہی۔'' وہ بولی۔

''میں ناراض نہیں ہوں، غربت انسان کی خود داری کی دشمن ہوتی ہے۔ ان دونوں کی جنگ ہمیشہ رہی ہے، زیادہ تر ہار بھی خودداری کی ہوتی ہے۔ خود داری ہمیشہ ہار جاتی ہے۔ کیونکہ اس کو ضرورت بھی اکساتی ہے۔ آپ نے تو میرا خیال کیا ہے دو آنے کی جگہ دو روپے عنایت کر دیئے مگر میں کیا کروں وہ دو روپے میری ماں نے لینے سے انکار کر دیا وہ کہتی ہے۔ ''آسانی سے آیا ہوا پیسہ بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوتا، میری بات کا آپ برا نہ ماننا، غربت انسان میں بڑے نقائص پیدا کر دیتی ہے اور یہ نقص ایک دن میں یا ایک دفعہ میں پیدا نہیں ہوتے ان کی تو کاشت کرنا پڑتی ہے جس طرح ہر کاشت کرنے کے لئے پہلے ہل چلانا پڑتا ہے پھر بیج بونا پڑتا ہے اس کے بعد اس کو وقت سے پانی دینا ہوگا پھر جا کر بیج میں زندگی پیدا ہوتی ہے اس طرح غربت کی زمین میں نقص کا بیج بویا جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم نے وقت سے پہلے بہت کچھ سمجھ لیا ہے۔'' وہ بولی۔

''اس لئے کہ اسکول کے علاوہ بھی میرا ایک بہت بڑا استاد ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ استاد کون ہے جو تم کو تمہاری عمر سے آگے کی باتیں بتاتا ہے۔'' وہ بولی۔

''وہ استاد ہے وقت، وہ استاد ہے یہ سڑک، میں جس درسگاہ میں پڑھتا ہوں۔ وہاں پر تو صرف چند گھنٹے ہی ملتے ہیں مگر اس کھلے آسمان کے نیچے، سڑک پر، جھگی پر تو دن اور رات گزرتے ہیں، یہاں پر ایک گھنٹے کا پیریڈ نہیں ہوتا، یہاں پر کوئی گھنٹی نہیں بجاتا، ہر آدمی کے اندر گھنٹی لگی ہوئی ہے، وہ خود فیصلہ کرتا ہے کہ اس کا پیریڈ ختم ہو گیا ہے۔ اس کالج کے اصول اور قاعدے بڑے سخت ہیں۔ کالج میں امتحان ایک سال کے بعد ہوتے ہیں مگر یہاں پر اس کا وقت مقرر نہیں ہے کسی وقت بغیر بتائے پرچہ سامنے آ جاتا ہے کبھی بہت آسان کبھی اتنا سخت کہ آدمی چکرا جاتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم نے زندگی جس انداز میں اور جس کڑوی گولی کی طرح گزاری ہے اس کے بعد تم یہی کہہ سکتے ہو مگر ہر دوا کڑوی نہیں ہوتی، تمہارے سامنے کھلا آسمان ہے اور تمہاری قوت پرواز بھی میں نے دیکھ لی (ملیریا) کو بھگانے کو کونین کی کڑوی گولی تم کھا چکے ہو۔ اب صرف اس کا کسیلا پن تمہارے منہ [illegible] مگر صرف کچھ دنوں کا ہے۔ دھوپ چھاؤں کا یہ کھیل ختم ہو جائے گا اور تم گھنی چھاؤں میں ہو گے۔ [illegible] آ جاؤ گے۔'' کنول نے کہا۔

''تم نے میری بات کا برا تو نہیں مانا۔'' میں نے نیچی نظروں سے کہا۔

''نہیں قطعی برا نہیں مانا، تمہاری کڑواہٹ میں بھی مٹھاس ہے۔'' کنول بولی۔

''بس کبھی کبھی میں خود پر قابو نہیں رکھ پاتا جو زبان پر آتا ہے کہتا چلا جاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ اتنی بری بات نہیں ہے۔ انسان کے اندر جو ہے وہ زبان پر آتا رہے تو گھٹن کم ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اپنی بات زبان پر نہیں لاتے۔ وہ گھٹن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اندر ہی اندر یہ گھٹن ان کو بڑے بھیانک روگ لگا دیتی ہے تم بہادر ہو کہ تم میں اظہار کی جرأت ہے تم کسی اندرونی گھٹن کا کبھی شکار نہیں ہو گے۔ جن میں اظہار کی جرأت ہوتی ہے۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی شکست تسلیم کرتے ہیں، اس لئے میں ہی شکست مان لیتی ہوں۔'' کنول نے مسکرا کر کہا۔

''آپ نے کس بات میں شکست مان لی۔'' میں نے پوچھا۔

''میں نے تمہاری خودداری کو ٹھیس جو پہنچائی تھی تم کو ریٹ سے زیادہ دیا تھا اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم تو پروفیسر ہو، میں تم کو اسٹوڈنٹ سمجھ بیٹھی تھی۔'' کنول نے زور سے ہنس کر کہا۔

''اب آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں میں مذاق کر رہی تھی تم نے میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔'' کنول نے کہا۔

''تم نے بتایا ہی نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے تم کو اپنا نام تو بتا دیا۔ پتہ بھی بتا دیا تھا۔ میں تین، چار سال کی تھی جب میرا باپ مر گیا تھا۔ میری پرورش ماں نے کی، دو سال ہوئے ماں بھی مر گئی۔ میں اکیلی رہ گئی تو میرے ماموں نے میری شادی کر دی۔ مالی طور پر میری پوزیشن اچھی ہے۔ میرے باپ کی بڑی بڑی دو کانیں ہیں ان کا کرایہ ہی میری ضروریات پوری کر دیتا ہے۔ میرا شوہر نہایت صاف دل و دماغ کا آدمی تھا اور ذرا سا بھی لالچی نہیں تھا۔ اس نے میری آمدنی کے بارے میں کبھی سوال نہیں کیا۔ وہ خود بڑا محنتی آدمی تھا وہ کبھی مجھ سے نہیں لیتا تھا گھر کا پورا خرچ ادا کرتا تھا اس نے مجھے مایوس نہیں کیا ہر وہ خوبی جو کسی مرد میں عورت تلاش کرتی ہے اس میں تھی۔ میں اس کے ساتھ بہت خوش تھی مگر انسان ہمیشہ خوش نہیں رہتا لہیں نا کہیں کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ وہ اپنی ماں کے انتقال پر ڈھاکہ چلا گیا۔ جانے کے بعد نہ اس کا کوئی خط آیا نہ اس نے میرے کسی خط کا جواب دیا۔ میں اب تک اس کو برابر خط لکھ رہی ہوں مگر پتہ نہیں یہ خط کہاں چلے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ پتہ ہی غلط ہے، میرا کوئی ہم راز نہیں ہے کوئی سہیلی نہیں کوئی دوست نہیں ہر انسان کو کسی نہ کسی دوست کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے تم سے خط للھوائے تو تم میں مجھے شرافت اور خودداری دونوں نظر آئیں تم نے دنیا کو نہیں دیکھا تمہاری اسٹوڈنٹ

لائف ہے۔ میں نے سوچا تمہارا دل دنیا کی میل مٹی سے پاک ہوگا۔ تمہاری صاف گوئی نے میری بات سچی ثابت کردی۔ لوگوں کے دلوں میں بہت کچرا بھرا ہوا ہے وہ صرف اپنے مطلب کی بات کرتے ہیں۔ اکیلی عورت کو لوٹ کا مال سمجھتے ہیں، کٹی پتنگ سمجھتے ہیں ہر کوئی لوٹنا چاہتا ہے، ہاتھ آئی تو ٹھیک، نہیں تو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ تم نے بھی میرے بارے میں ضرور سوچا ہوگا۔'' کنول نے پوچھا۔

''ہاں میں نے سوچا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا سوچا تھا۔ بتاؤ تو۔'' وہ بولی۔

''پہلے تو مجھے یہ سن کر ہی تعجب ہوا کہ تم شادی شدہ ہو، میں تو لڑکی سمجھا تھا۔''

''عورت اور لڑکی میں بہت باریک سا فرق ہوتا ہے تم ابھی اس کو نہیں سمجھ سکو گے۔'' وہ بولی۔

''آپ نے ٹھیک کہا، میں نے اپنی ماں کے بعد آپ کو ہی دیکھا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ میں اور تم میں بڑا واضح فرق ہے۔ تم نے اس کو محسوس کیا۔'' وہ بولی۔

''عمر اور تجربے میں بڑی ہو۔ اس لئے میرے منہ سے آپ نکل جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر مجھے اس میں غیریت کی بو آتی ہے۔'' وہ بولی۔

''اب نہیں بولوں گا۔'' میں نے شرمندگی سے کہا۔

''اچھا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے آگے بتاؤ۔''

''آگے میری کہانی وہی ہے جو ہزاروں لوگوں کی ہے میرے والد سلطان پور کے رہنے والے تھے..... ہم جب ہندوستان سے روانہ ہوئے تھے تو چار تھے میں میرا والد میری ایک بڑی بہن اور ماں لیکن جب پاکستان کی سرحد کے اندر آئے تو صرف دو تھے میں اور والدہ، آزادی کی فیس ادا کرنے کے بعد چار سے دو رہ گئے تھے۔ ہمارے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔ کراچی آنے کے بعد کوئی آسرا نہیں تھا۔ میں انڈیا میں پڑھتا تھا۔ میرا شوق صرف یہ تھا کہ میں سب سے آگے رہوں میں ہر کلاس میں بہتر سے بہتر پوزیشن لیتا رہا تھا۔

اسٹیشن پر اتر کر دور جانے کی سکت نہیں تھی لوگ جھگیاں ڈال رہے تھے میں نے بھی چٹائیاں لاکر ایک دو چارپائی کی جگہ پر اپنا گھر بنالیا اور اسکول میں داخل ہوگیا۔ مجھے اور میری ماں کو پتہ نہیں تھا کہ کھائیں گے کہاں سے مگر اللہ نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے اس پر میری ماں کا یقین تھا۔ ہمارے [illegible] کے قریب میں اسٹیشن ماسٹر کا بنگلہ تھا۔ وہ ماسٹر بہت رحم دل آدمی تھا۔ سب جھونپڑی والوں کا پانی [illegible] میری ماں اس کے کام کردیا کرتی۔ بچوں کو بڑے پیار سے رکھتی تو اس کو اتنا کھانا [illegible] جاتا تھا [illegible] میں ہائی اسکول میں گیا تو اس نے ہی میری فیس اور داخلہ

کرایا تھا۔ دنیا اچھے لوگوں سے بھری پڑی ہے میرے ساتھ جن لوگوں نے اچھائی کی ہے وہ میرے دل پر نقش ہیں میں ان سب کا احسان اتار تو نہیں سکتا مگر یاد تو رکھ سکتا ہوں۔

ہائی اسکول میں آنے کے بعد مجھے آمدنی کا ایک راستہ نظر آیا اور میں پوسٹ آفس کے باہر خطوط لکھنے لگا یہ آمدنی ہمارے گزارے کے لئے کافی تھی۔ رحم دل اسٹیشن ماسٹر کا تبادلہ ہو چکا تھا مگر اب مجھے فکر نہیں تھی اس طرح اور بھی آمدنی کے ذرائع پیدا ہو گئے اور میرا تعلیمی سلسلہ بھی چلتا رہا اور میں نے میٹرک کرلیا۔ اب بھی حالات اتنے بہتر نہ تھے کہ میں کالج کا خرچ اور گھر کا خرچ چلا سکوں مگر میں نے بتایا ہے نا کہ مجھے اچھے لوگ بہت ملے ہیں۔ دوستوں کا خلوص بہت ملا۔ اگر میں کچھ ہوں تو اس میں میرا کمال نہیں ہے یہ صرف اچھے دوستوں اور ہمدردوں کا کمال ہے۔ یہ قدرت کی مہربانی ہے کہ مجھے اگر کچھ نہیں ملا۔ مگر خلوص اور محبت کی دولت میرے حصے میں خوب آئی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے والد اور بہن کا کیا ہوا تھا۔'' کنول نے پوچھا۔

''والد کو تو شہید کردیا گیا تھا مگر بہن کا پتہ نہیں کہاں ہے۔'' میں نے غمگین لہجے میں کہا۔

''مجھے معاف کردو میں نے تم کو اداس کردیا۔'' کنول بولی۔

''یہ غم تو زندگی بھر کا ہے، میری ماں تو دعائیں کرتی ہے۔ بہن کی موت کے لئے۔'' میں نے کہا۔

''موت کے لئے۔'' کنول نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں وہ اس کی موت کی دعائیں کرتی ہے۔ کچھ حالات میں موت ہی مسئلے کا حل ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری کہانی میں بھی دکھ زیادہ اور سکھ کم ہے۔ انسان کے ہاتھ میں سارے فیصلے نہیں ہوتے۔ ہم سب تقدیر کے غلام ہیں، تم نے جو زندگی گزاری یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں۔ مگر یہ سب ہمیشہ نہیں رہے گا ہر رات کے بعد صبح کی روشنی ہوتی ہے وقت کی یہ خوبی ہے کہ وہ گزرے وقت کو بھلا دیتا ہے۔

تم نے زندگی کو لہولہو ہوتے دیکھا تم نے اپنے باپ کو قتل اور بہن کو اغوا ہوتے دیکھا، وہ وقت کتنا سخت تم پر اور تمہاری ماں پر گزرا ہوگا۔ میں اس کو محسوس کرسکتی ہوں۔ مگر یہ نظام قدرت ہے کہ زخموں کے درماں کا عمل بھی فوراً شروع ہوجاتا ہے اور شاید یہ اس لئے ہے کہ قدرت نے انسان کو صبر کی دولت بھی دی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب خوف بے یقینی بے اعتباری معمول بن جاتی ہے تو لوگ بھی اس کے عادی ہوجاتے ہیں پھر آنے والے کل کے بارے میں کم سوچتے ہیں اور صرف موجود لمحوں میں زندہ رہتے ہیں جب کل پر بھروسہ ہی نہیں آئے نہ آئے تو پھر کل کی پروا کیوں کی جائے جو

آج میسر ہے آج جی بھر لیا جائے۔'' کنول نے کہا۔

''میں اپنی بات نہیں کرتا میرے ساتھ تو صرف میری ماں ہے مگر بہت لوگ ہیں جن کے مرد راستے کی دھول بن گئے ہیں، یہاں ان کے سر پر سایہ بھی نہیں ہے۔ غریبی بہت سی مجبوریوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ مجبوریاں شوق کی نہیں پیٹ کی ہوتی ہیں۔ خوراک انسان کے جسم کیلئے ایک ضرورت ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چلتا انسانی مشین کا تیل خوراک ہے۔ اس کے پیٹ میں پڑتے ہی وہ حسین خواب دیکھنے لگتا ہے اور نہ ملے تو نیند نہیں آتی پھر خواب کیسے آئیں گے۔ روٹی بڑی ظالم شے ہے۔ پیٹ روٹی مانگتا ہے اور روٹی کی خاطر انسان محنت کرتا ہے پیسے کماتا ہے کیونکہ اس کے بغیر روٹی نہیں ملتی اگر پیسے نہ ہوں تو وہ چوری کرتا ہے ڈاکے مارتا ہے۔ ہر وہ کام کرنے پر راضی ہو جاتا جس سے اس کو روٹی مل جائے۔ عورت ہے تو اس کو بھی گرنا پڑتا ہے ایک دفعہ کی گراوٹ اس کی زندگی کی گراوٹ بن جاتی ہے۔ مرد کی گراوٹ تو ایسی ہے کہ وہ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کچھ دن نظریں جھکی رکھتا ہے پھر لوگ بھول جاتے ہیں۔ مگر عورت کی گراوٹ اس سے الگ ہے۔ عورت اٹھنا چاہے تو بھی سماج کے ٹھیکیدار اس کو پھر گرا دیتے ہیں۔ وہ ہر بار اٹھتی ہے اور گرتی ہے اور پھر کھیل ختم ہو جاتا ہے یہ ہے زندگی کی تلخ حقیقت۔''

''ہاں یہی ہے میں تسلیم کرتی ہوں۔'' کنول نے کہا۔

میں خاموش رہا تو وہ پھر بولی۔ ''میں نے تمہارے زخموں کو کریدا دیا ہے ان پر گھرنٹ آ گیا تھا شاید پھر سے میں نے ان کو تازہ کر دیا میں تمہاری گناہ گار ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔'' کنول نے کہا۔

''تم نے کچھ نہیں کیا، میرے چہرے سے میرا غم نظر نہیں آتا مگر اندر ہر وقت وہ منظر میرے سامنے ہوتا ہے جب میرا باپ دوڑ رہا تھا وہ بلوائیوں کو مجھ سے دور کرنے کی خاطر بھاگ رہا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کو ہر جگہ مرنا ہے وہ دور ہوا تو مجھے اور ماں کو چھپنے کا موقعہ مل گیا۔'' میں نے اپنی بات ختم کی تو کنول نے کہا۔

''زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک پہیلی ہے۔ غم اور خوشیوں کا گلدستہ اس کی خوشبو سب کے لئے الگ الگ ہے کوئی اس کو سونگھ کر خوشیوں کے جھولے میں جھولنے لگتا ہے کوئی اس کو سونگھ کر غم کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے کوئی روتا ہے کوئی قہقہے لگاتا ہے۔ یہ وقت کی کہانی ہے وقت کے کاندھے [illegible] کرتی ہے۔''

[illegible] خاموش رہی پھر میں نے کہا۔

''[illegible] اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ یہ سمجھ میں

نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں گا۔ تم ہی کچھ مشورہ دو۔ میں اب تک پلین مائنڈ ہوں۔''

''تم کچھ بھی فیصلہ کر لو یا میں کچھ بھی مشورہ تم کو دوں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمارے فیصلے کوئی اور کرتا ہے ہمارے ہاتھ، پیر یہاں تک کہ دل اور دماغ بھی باندھ کر ہم کو دنیا میں بھیجا گیا ہے سارے فیصلے پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں حالات خود بخود اس نہج پر آ جاتے ہیں کہ ہم چھپے ہوئے پروگرام پر چلتے ہیں ذرا زندگی کے بارے میں سوچو زندگی کیا ہے صرف ایک لمحہ ہے اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہو زندگی صرف ایک لمحے کی ہے..... مگر اس کے مقابلے پر ہماری خواہشات زیادہ ہیں دولت بھی ہو محل بنالوں وغیرہ وغیرہ۔ ساری خواہشات کسی کی آج تک پوری نہیں ہوئیں۔ عمر کی پونجی ختم ہو جاتی ہے خواہشات کی شدت میں کمی نہیں آتی۔''

''مگر آدمی ایک پلان تو کرتا ہے۔ جدوجہد تو کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ بھی ضروری ہے انسان اپنی خواہشات کی تکمیل کی خاطر کوشش کرتا ہے وہی کوشش تم بھی کر رہے ہو تمہاری یہ کوشش بے کار نہیں جائے گی۔ تمہارے زخم بھر جائیں گے ان کا نشان بھی باقی نہیں رہے گا تم اس دنیا میں سر اٹھا کر کھڑے ہو گے تم ضرور ایک کامیاب انسان کہلاؤ گے۔'' کنول نے کہا۔

''تم نے راستہ نہیں بتایا، وہ بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تم میں لگن اور جستجو نظر آتی ہے تمہارے قدم محنت کی طرف رہے ہیں۔ جو لوگ اس طرف قدم بڑھاتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوتے ہیں تن آسان لوگ لمبا سفر نہیں کر سکتے تم نے لمبے سفر کے لئے کمر کس لی ہے۔ تمہارے لئے وکالت کا پیشہ مناسب رہے گا یہ میری رائے ہے آگے تمہاری مرضی پر ہے۔'' وہ بولی۔

''تم نے وہی رائے دی ہے جو میرے دل میں تھی۔'' میں نے کہا۔

وہ قد کاٹھ میں مجھ سے کم تھی۔ میں اس کے برابر کھڑا ہو جاؤں تو بڑا ہی لگوں گا مگر تجربے میں وہ آگے تھی اس نے مجھ سے زیادہ دنیا کو دیکھا تھا پرکھا تھا۔ میں اس سے پوچھ سکتا تھا سیکھ سکتا تھا اس نے خط نہیں لکھوایا بولی۔ ''میں صرف تم سے ملنے آئی تھی۔ اگر تم مناسب خیال کرو تو میرا گھر دیکھ لو میں روز روز یہاں نہیں آ سکتی، عورت ہوں بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے دنیا کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور زبان پر بھی تالے نہیں ہیں۔'' وہ بولی۔

اور میں اس کے ساتھ اس کے گھر آ گیا اس نے تالا کھولا اور کمرے میں لے گئی۔ یہ ایک بہت خوبصورت فلیٹ تھا ضرورت کی ہر چیز اس میں موجود تھی اس نے بتایا کہ یہ پوری بلڈنگ ہی اس کی ہے اس بلڈنگ کا کرایہ ہی اتنا ہوتا کہ ہے میں خرچ نہیں کر سکتی۔ میں جب آنے لگا تو اس نے دس روپے

میری جیب میں ڈال دیئے اور بولی۔ ''انکار مت کرنا میں جانتی ہوں تم خوددار ہو مگر خلوص و محبت کو تم کچھ سمجھتے ہو تو میرا دل نہ توڑنا۔ آج تم نے کچھ کام نہیں کیا ہے، میں نے تمہارا سارا وقت خراب کیا ہے اس کے باوجود یہ اس وقت کی قیمت نہیں ہے کسی کی محبت اور خلوص کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ میں تمہاری دوست ہوں قربانی کا دوسرا نام دوستی ہے۔'' اس نے میری زبان پر تالا لگا دیا۔

میں گھر چلا آیا اب میں ہر دوسرے روز اس کے پاس چلا جاتا تھا۔ میں کسی وقت بھی گیا وہ مجھے گھر پر ہی ملی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ گھر پر نہ ہو یا اس کے پاس کوئی مہمان ہو۔ اس کی نہ کوئی سہیلی تھی نہ میرے علاوہ کوئی دوست تھا۔ وہ بتاتی تھی کہ اس کا صرف ایک ماما ہے۔ وہ بھی کراچی میں نہیں رہتا۔ ''تم اکیلی گھر میں گھبراتی نہیں ہو۔'' میں نے ایک روز پوچھا۔

''گھبراتی تھی مگر اب ایسا نہیں ہے کیونکہ اب میں تنہا کب ہوں میرے ساتھ تم جو ہو جب تم نہیں ہوتے ہو تو میرے خیالات میری سوچیں میرے ساتھ ہوتی ہیں۔'' کنول نے جواب دیا۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے مگر ہم تم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہ ابھی اتنا ترقی یافتہ نہیں ہوا کہ کوئی عورت اکیلی اپنی زندگی سکون سے گزار سکے تم بھی اس معاشرے کا حصہ ہو تم کو بھی اس معاشرے کے اصولوں پر چلنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''میں اس معاشرے اور اس کے اصولوں سے بغاوت نہیں کر رہی۔'' کنول نے جواب دیا۔

''تم بلڈنگ کے اس فلیٹ میں اکیلی رہتی ہو یہ بات تمہارے اطراف کے تمام فلیٹ والوں کو ضرور پتہ ہوگی کسی بھی وقت کسی کی بھی نگاہیں تمہاری طرف اٹھ سکتی ہیں، کسی کی نیت میں فتور آ سکتا ہے۔ دنیا میں ہر انسان اچھا نہیں ہے۔ گودے دار ہڈی دیکھ کر سب کے منہ میں پانی آتا ہے۔ اچھا آدمی بھی پل میں برا بن جاتا ہے۔ شیطان بھی تو کوئی چیز ہے۔ زر زن زمین انسانی دماغ کو پھیر دیتی ہے۔ میری بات کو ذرا غور سے سنو اس پر غور کرو۔'' میں نے کہا۔

''تم اپنی عمر سے زیادہ عقل کی بات کرتے ہو۔ مجھے بھی یہ سب احساس ہے مگر میری مجبوریاں بھی میرے ساتھ ہیں ان حالات میں، میں کیا کر سکتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''تم کسی بوڑھی عورت کو اپنے پاس رکھ لو ایک سے دو بہتر ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے۔'' وہ بولی۔

''تم بے فکر ہو کر کہو، میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گا۔'' میں نے کہا۔

''تم اپنی والدہ کو لے کر یہاں آ جاؤ۔'' وہ بولی۔

''مجھ پر اتنا بھروسہ ابھی مت کرو میری تمہاری دوستی ابھی نئی ہے تم نے ابھی مجھے آزمایا بھی نہیں

ہے۔ کیا پتہ میں اندر سے خراب ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ جاننے اور نہ جاننے کا بھی خوب چکر ہے کبھی پوری زندگی ایک چھت تلے رہ کر بھی اجنبی رہتے ہیں۔ ساری زندگی ایک دوسرے کو نہیں جانتے اور مر جاتے ہیں اور کبھی ایک لمحہ بھی پہچاننے کو کافی ہو جاتا ہے ساری اجنبیت ایک لمحے میں ختم ہو جاتی ہے تم شاید اس تجربے سے نہیں گزرے ہو مگر مجھے یہ تجربہ تم سے ملنے کے بعد ہو چکا ہے۔'' کنول نے جواب دیا۔

''ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر میں انسان ہو کمزوریاں مجھ میں بھی ضرور ہوں گی۔ خود غرضی اور لالچ ہر انسان کے اندر ہوتا ہے۔ ابھی میں اس امتحان میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میں ابھی اس لائق نہیں ہوا ہوں کہ اس شاندار فلیٹ میں رہوں ابھی مجھے جھگی میں رہنے دو، میرا دماغ اپنی جگہ رہے گا تو میری محنت رنگ لائے گی۔ سہل پسندی میرے مزاج کے خلاف ہے۔'' میں نے کہا۔

''بے شک یہ درست ہے کہ انسان کے اندر خود غرضی بھی ہوتی ہے وہ اپنی ذات کے لئے ہی زیادہ سوچتا ہے مگر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی ذات سے کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ وہ خوف زدہ رہتا ہے کہ کہیں کوئی اس کو غرض مند نہ سمجھ لے۔ تم بھی اسی خوف کا شکار ہو جو اس خوف کا شکار ہوتے ہیں۔ وہی نیک ہوتے ہیں۔ میں تم پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتی ہوں۔'' کنول نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا میں نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں مجھے موتی نظر آئے۔

''میری بات سے تم ناراض ہو گئیں۔'' میں نے پوچھا۔

''میں بہت خوش ہوں کیونکہ وہی جواب دیا جس کی مجھے توقع تھی۔'' وہ بولی۔

''پھر یہ آنسو کس بات کے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ میری زندگی کے ساتھی ہیں کبھی کبھی بلا ضرورت بھی آ جاتے ہیں۔'' کنول نے جواب دیا۔

''میں اماں سے مشورہ کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں انتظار کروں گی۔'' وہ بولی۔

واپسی پر میں نے اماں سے ذکر کیا تو اماں نے کہا۔

''دنیا اچھوں سے خالی نہیں ہوئی ہے۔ مگر یہاں پر برے زیادہ ہیں انسان جو کچھ نظر آتا ہے کبھی کبھی وہ ایسا ہوتا نہیں کسی کی شکل دیکھ کر اندر کا حال پتہ نہیں ہو سکتا جس طرح دریا کے کنارے بیٹھ کر گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا۔ گہرائی ناپنے کے لئے دریا میں اترنا پڑتا ہے دریا میں ہر کوئی اتر بھی نہیں سکتا اس لئے ضروری ہے کہ آدمی اچھا تیراک ہو تم نے ابھی دنیا کو کہاں دیکھا ہے۔ کسی پر بھروسہ کرنے سے پہلے آزمائش کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایک تنہا لڑکی ہے تم ایک

جوان لڑکے ہو بارود کو آگ کے پاس کون رکھتا ہے۔ میں تیری ماں ہوں تیرے کردار کو جانتی ہوں مگر پھر بھی تجھ کو اس کے پاس رہنے کا مشورہ نہیں دوں گی۔ تیرے لئے ابھی یہ چٹائیوں کی دس فٹ کی جھگی بہتر جگہ ہے کیونکہ یہاں پر تیری آزمائش نہیں ہوگی۔''

اماں نے بہت کچھ کہہ دیا زندگی کی بہت بڑی حقیقت بیان کردی ان کی باتیں تجربے کی باتیں تھیں وہ بہت بڑے بڑے صدمے برداشت کر کے یہاں تک پہنچی تھیں۔ اب ان کا ہر قدم بڑا ناپا تلا تھا۔ زندگی نے ان کو جس طرح برتا تھا وہ بہت ظالمانہ تھا اب مزید وہ کسی صدمے کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ میں نے اماں کا فیصلہ کنول کو بتادیا۔

کنول کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''ان کا یہی فیصلہ ہونا تھا۔ اس کا اندازہ تھا۔ تم بتاؤ تمہاری اپنی رائے کیا ہے۔''

''میں اماں کے فیصلے کا پابند ہوں۔'' میں نے کہا۔

''وہ تو تم کو ہونا ہی چاہئے میں تمہاری ذاتی رائے پوچھ رہی تھی۔'' وہ بولی۔

''میں تمہارے قریب رہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

اس کے لبوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ آ گئی۔ وہ بولی ''نوجوانی اور بڑھاپے کا فرق پتہ چلا۔''

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''اماں کا فیصلہ عقل دانش اور تجربے کا فیصلہ تھا اور تم نے صرف نوجوان ہونے کا ثبوت دیا ہم تم دونوں عمر کے اس دور میں ہیں جس دور میں انسان پر جذبات کا غلبہ ہوتا ہے اس دور میں عقل خاموش رہتی ہے۔'' کنول نے کہا۔

''مگر انسان کا کردار بھی کچھ ہوتا ہے، تربیت کا بھی بڑا عمل دخل ہے کوئی صاحب ضمیر شخص غلط کام نہیں کرتا، شیر بھوکا مر جاتا ہے مگر گھاس نہیں کھاتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''غلط تم بھی نہیں ہو تم کو اپنے کردار پر بھروسہ ہے میں تم پر بھروسہ کرتی ہوں بلکہ اگر میں کہوں کہ ناز کرتی ہوں تو بھی غلط نہ ہوگا مگر بڑوں کے تجربے بے معنی نہیں ہوتے وہ ایسے ہی کوئی بات نہیں کرتے ان کی بات کے پیچھے کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور ہے۔'' کنول نے کہا۔

''میں نے اماں کا فیصلہ قبول کرلیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس میں ضرور ہماری بہتری ہوگی.....'' کنول نے جواب دیا۔

''یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔'' میں نے کہا۔

''فی الحال تم ایسا کرو اپنی کلاتھ مارکیٹ والی نوکری چھوڑ دو میں تم کو کام دیتی ہوں وہ کرو، اس

سے تم میرے پاس آتے جاتے رہو گے اور لوگوں کی زبانیں بھی خاموش رہیں گی۔'' کنول نے کہا۔

''تم کام بتاؤ۔'' میں نے پوچھا۔

''میرا ایک منشی ہے۔ بہت بوڑھا آدمی ہے۔ زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرسکتا وہ دوکانوں اور مکانوں کا کرایہ وصول کرتا ہے وہ تم کو سب سے ملوادے گا تم اس سے سارے رجسٹر وغیرہ وصول کرلینا اور کام شروع کردینا۔ یہ کام روزانہ کرنے کا نہیں ہے اور تھوڑے وقت کا ہے تم کو پڑھنے کا وقت مل جایا کرے گا۔ بولو کیا ارادہ ہے۔'' کنول نے پوچھا۔

''میری ڈوری تو تمہارے ہاتھ میں ہے جو اشارہ کروگی وہی کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''شاباش اچھے بچے ہو۔'' وہ ہنس کر بولی۔

اور میں نے اس کی تمام جائیداد کا چارج لے لیا اور میں حیران رہ گیا اس کی نہ صرف یہ ایک بلڈنگ تھی بلکہ ایک بہت بڑا بنگلہ بھی تھا۔ اس میں ایک بہت بڑا وکیل رہا کرتا تھا اور کئی جگہ پر بڑی بڑی دوکانیں تھیں ان کا کرایہ بھی بہت تھا۔ یہ کروڑوں روپے کی جائیداد تھی اور اس کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی۔ میں نے ایک ماہ میں جو کرایہ وصول کیا۔ اس کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی اور بولی۔

''اتنا تو بڑے میاں نے کبھی وصول نہیں کیا تھا۔''

''وہ بوڑھے تھے، کرایہ دار ٹرخا دیا کرتے تھے میں تو ان کے سر پر سوار ہو جاتا ہوں اور بار بار چکر لگاتا ہوں بڑے میاں کہاں جاپاتے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا آدمی اچھے پہلو پیش نظر رکھتا ہے۔ برائی کو نظر انداز کرتا ہے۔'' کنول مسکرا کر بولی۔

''یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے بیگم صاحب۔'' میں نے بھی مذاق میں کہا۔ وقت گزرتا رہا۔ میں نے بی اے کے بعد ایل ایل بی میں داخلہ لے لیا۔

ایک دن کنول نے کہا۔ ''اب تو تم بی اے پاس ہو۔ اب تو اس جھگی کو چھوڑ دو۔''

''چھوڑ دوں گا وہ جھگی میری تو نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر آجاؤ، اتنا بڑا گھر پڑا ہے۔'' وہ بولی۔

''آؤں گا۔ ضرور آؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''کب آؤ گے میں بھی تو ذرا ماں کی شفقت کا مزا لوں اکیلے، اکیلے مزا لے رہے ہو۔'' وہ بولی۔

''دیکھو کنول تم اپنے نام پر غور کرو کنول کیچڑ میں بھی گدلے پانی سے اوپر ہوتا ہے اور صاف رہتا ہے اس پر کوئی گندگی نہیں ہوتی میں کنول نہیں ہوں۔ میں تم سے تجربے میں کم ہوں۔ مگر یہ بات تو

جانتا ہوں کہ یہ دنیا بڑی ظالم ہے دلوں کا حال تو نہیں جانتی مگر انگلیاں تو اٹھاتی ہے۔ تم پھر کیا کہہ کر ان کو مطمئن کروں گی۔ میں اپنے آرام کی خاطر تم کو بدنام نہیں کرنا چاہتا۔'' میں نے کہا۔

''تم چھوٹے ہو مگر بات بہت دور کی کرتے ہو۔'' کنول نے مسکرا کر کہا۔

''یہ دور کی بات نہیں ہے یہ تو بہت قریب کی بات ہے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم کو پتہ ہے میں اکیلی کیوں رہتی ہوں۔'' کنول نے پوچھا۔

''تم نے بتایا نہیں اور میں نے پوچھا نہیں۔'' میں نے کہا۔

''آج میں تم کو بتاتی ہوں۔ یہ زندگی کی وہ حقیقت ہے جس پر تم شاید آسانی سے یقین نہ کرو مگر مجھے تم کو یہ حقیقت بتانی تو ہے۔ تقسیم ہندوستان کے وقت میری عمر سولہ سترہ سال کی تھی۔ میرا ایک ہی بھائی ہے وہ ہندوستان جا چکا تھا۔ میرے باپ نے مجھے بھی ہندوستان لے جانے کی کوشش کی مگر میں نہیں گئی۔ کیوں نہیں گئی؟ سنو گے۔'' کنول نے پوچھا۔

''ضرور سنوں گا بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''ہم لوگ کراچی کے باشندے نہیں ہیں میری پیدائش اندرون سندھ ہوئی ہے۔ میری پیدائش کے بعد میری ماں مر گئی۔ میں گھر میں سب چھوٹی تھی میرے باپ کی صرف دو اولادیں ہیں ایک میرا بھائی جو مجھ سے بڑا ہے اور ایک میں، میری پرورش میرے باپ کے لئے بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ ہمارا گھرانا بڑا خوش حال گھرانا تھا۔ زمینیں تھیں۔ کاروبار تھا۔ پورے سندھ میں مکانات اور جائیداد تھی۔ میری عمر چھ سال ہو گئی تو مجھے اچانک ایسا لگا۔ جیسے میں اس گھر میں اجنبی ہوں۔ یہ میرا گھر نہیں ہے۔ میرا باپ، میرا باپ نہیں ہے بھائی اجنبی لگنے لگا ہر چیز میرے لئے نئی ہو گئی میں کہاں آ گئی ہوں میرا گھر کہاں گیا۔ یہ سب کیوں مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں مجھے گود میں اٹھاتے ہیں مجھے ان سے شرم آتی ہے۔ میرا نام کنول کیوں لیتے ہیں یہ میرے نام سے کیوں نہیں پکارتے میرا نام تو چاندنی میرے باپ نے رکھا تھا۔ یہ سب کنول کہنے والے کہاں سے آ گئے۔ مجھے وہ سب یاد آ گیا جو میرا اصل تھا۔ میرا گھر تو کراچی میں تھا ایک بہت بڑی بلڈنگ میں میرا گھر تھا۔ ہماری بہت بڑی کپڑے کی دوکان تھی پیسے کی ریل پیل تھی۔ میں اپنے باپ کی اکلوتی اولاد میری ہر بات مانی جاتی تھی۔ میرے ماتا پتا مجھ پر جان نثار کرتے تھے۔ میں ایک اسکول میں پڑھتی تھی اور بگھی میں اسکول جاتی وہ بگھی میرے باپ کی اپنی تھی۔ مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ ایک ایک گلی مجھے یاد آ گئی۔ میں جوان ہو گئی میری شادی ایک بہت پڑھے لکھے آدمی سے کر دی گئی۔ وہ بہت حسین مرد تھا میرے خوابوں کا راج کمار تھا میں اس کی دیوانی تھی وہ بھی مجھ پر مرتا تھا زندگی بہت حسین تھی۔ ہم روزانہ شام کو بگھی پر سیر کو جاتے تھے۔ اس راج کمار

کا نام راجن تھا۔ ہم دونوں کی زندگی ایک دوسرے کے بنا ادھوری تھی پھر بگھی ایک ٹرک سے ٹکرا گئی اور ہم دونوں مر گئے۔ ہم دونوں کو موت کے بے رحم ہاتھوں نے جدا کر دیا وہ نہ جانے کہاں چلا گیا میں نہ جانے کہاں رہی کچھ پتہ نہیں۔

اچانک میں اپنے پچھلے حواس میں آ گئی۔ میں جوان تھی مجھے دھیرے دھیرے سب کچھ یاد آ گیا مگر میں کیا کہتی کون یقین کرے گا بچہ سمجھ کر میری بات کو جھٹلا دیں گے۔ اس لئے میں خاموش تھی مگر پھر ملک تقسیم ہوا حالات ایسے ہوئے کہ ہندو، ہندوستان جانے لگے۔ میرے پتا نے بھی ہندوستان جانے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ سب جائیداد ایک ایک کر کے فروخت کر دی۔ بھائی پہلے چلا گیا اور ان کی تیاری پوری ہو گئی۔ لاڑکانہ کی زمین مکان سب فروخت کر دیا گیا۔ اب میں خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ میں نے ایک دن اپنے پتا کو اپنی پچھلی زندگی کے سارے حالات بتا دیئے۔ وہ میری باتیں سن کر حیران رہ گئے۔ میں نے کراچی کو نہیں دیکھا تھا مگر ایک ایک روڈ اور گلیوں تک کو بتا دیا۔ کراچی میں اپنے گھر اور اسکول سب کا نقشہ بنا کر بتا دیا۔ انہوں نے کسی کو نہیں بتایا اور مجھ کو لے کر کراچی آ گئے۔ میں اس جنم میں پیدا ہونے کے بعد پہلی دفعہ کراچی آئی تھی۔ میرا باپ بھی جانتا تھا کہ یہ پہلی دفعہ کراچی آئی ہے مگر جس روانی سے سب کچھ بتا رہی ہے اس میں ضرور کچھ سچائی ہے میرے اور راجن کے مرنے کے بعد سسرال اجڑ گیا تھا۔ میرا سسر کراچی چھوڑ کر پونا چلا گیا تھا۔ سارا کاروبار اس نے فروخت کر دیا تھا۔ وہ بلڈنگ بھی فروخت ہو گئی تھی میرے باپ نے ان کے بارے میں پوری معلومات کیں اور میری بتائی ہر بات سچ ثابت ہوئی۔ اس نے میری ماتا پتا کے بارے میں بھی کھوج لگا لیا اور بھی ساری باتیں ٹھیک تھیں۔ مگر وہ لوگ بھی بمبئی چلے گئے تھے۔ جب اس کو پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے کہا۔ تم چاندنی ہو یا کنول اس سے مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا تم اس جنم میں میری بیٹی ہو میں صرف یہ جانتا ہوں۔ تم وقت سے پہلے ہی بہت سمجھ دار ہو گئی ہو تم جانتی ہو کہ حالات بدل رہے ہیں سندھ کی زمین ہم کو چھوڑنا پڑے گی اس کارن راجیش تمہارا بھائی بمبئی چلا گیا ہے۔ یہاں کا سارا کاروبار ختم کر دیا ہے۔ جانا تو ہے پل پل حالات کروٹ بدل رہے ہیں ہندوستان سے لوگ آ رہے ہیں وہ بڑی دردناک کہانیاں اپنے ساتھ لا رہے ہیں یہاں پر بھی لوگوں کے دماغ پھر سکتے ہیں۔ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ان حالات میں یہاں سے نکلنا دشوار ہو جائے گا پھر جہاز کا ٹکٹ بھی نہیں ملے گا تم کو میرے ساتھ ہی جانا ہو گا۔ میں تم کو کراچی میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔'' پتا جی نے کہا۔

تو میں نے فوراً جواب دیا۔ ''میں کراچی نہیں چھوڑ سکتی مجھے یہیں پر رہنا ہے کیونکہ میرا راجن اسی شہر میں بچھڑا ہے اسی شہر میں مجھے وہ ملے گا میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔'' میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

پتا جی بولے۔ ''کیسی نادانی کی بات کرتی ہو یہ کس طرح ہوگا۔''

''میں نادان کنول نہیں ہوں میرا نام چاندنی ہے۔ میں ایک ہوش مند عورت ہوں اپنا اچھا برا سمجھ سکتی ہوں میں آپ کو نہیں روکتی آپ بے شک چلے جائیں۔'' میں نے کہا۔

''تم نے چاندنی بن کر بیٹی کا رشتہ ضرور ختم کر دیا ہے مگر میں اب بھی تمہارا باپ ہوں میرے دل میں اب بھی تمہارے لئے وہی محبت ہے تم اندر سے چاہے جتنی بڑی ہوگئی ہو مگر میرے لئے تم سولہ، سترہ سال کی بھولی بھالی لڑکی ہو۔ دنیا بھی تم کو اس نظر سے دیکھتی ہے۔ بے شک تم ذہنی طور پر ایک جوان عورت ہوگئی ہو مگر دنیا تو یہ نہیں جانتی تم اکیلی دنیا کا مقابلہ کس طرح کرو گی۔ تم جب کہو گی میں تم کو کراچی پہنچا دوں گا۔'' پتا جی نے کہا۔

''نہیں پتا جی میں کراچی میں رہوں گی اچھی گھڑی بہت کم وقت کو آتی ہے وہ گھڑی آئی اور میں یہاں نہ ہوئی تو وہ گزر جائے گی میں پھر جنم جنم اس کو تلاش کرتی رہوں گی۔'' میں نے کہا۔

''دیکھو کنول میں ایک باپ ہوں صرف دو اولادیں ہیں میری، تم دونوں میری آنکھیں ہو۔ میں نے تم دونوں کی محبت میں دوسری شادی نہیں کی۔ دنیا میں کوئی ایسا ہوگا جو اپنی آنکھ خود پھوڑ لے۔''

''میں سب باتیں مانتی ہوں آپ کی محبت بھی جانتی ہوں مگر آپ صرف ایک نقطے پر غور کریں کہ میں کون ہوں میرا ماضی کیا ہے۔ بھگوان نے مجھے کیوں میرا ماضی یاد دلا دیا۔ کاش میں صرف کنول ہی رہتی یہ چاندنی کہاں سے آ گئی کنول اب پس پردہ چلی گئی ہے آپ کے سامنے چاندنی ہے چاندنی کو اپنے پتی کا انتظار ہے۔ چاندنی دوبارہ آ گئی ہے تو اس کا پتی بھی ضرور قریب میں ہوگا وہ بھی بے چین ہوگا یا شاید اس کو اپنا پچھلا جنم نہ یاد آیا ہو، اگر وہ مجھے ملا تو اس کو کچھ یاد تو کرا دوں گی اگر چلی گئی تو پھر کیا ہوگا۔ شبھ گھڑی گزر جائے گی اور میں اندھیروں میں بھٹکتی پھرا گلے جنم کا انتظار کروں گی یہ سلسلہ دراز ہوتا جائے گا اور میرا گوہر مقصود نہیں ملے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں ہار گیا کنول میں تم کو قائل نہ کر سکا۔ اب میں تمہارے رہنے کا انتظام کرتا ہوں۔ تم اگر اپنے پتی کا انتظار یہاں کرنا چاہتی ہو تو ضرور کرو مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ کیا ضروری ہے کہ اس نے بھی تمہاری طرح دوسرا جنم لیا ہو اور اگر لیا بھی ہے تو کیا ضروری ہے کہ کراچی میں ہی لیا ہو کراچی میں ہی جنم لیا ہے تو تم کو وہ پہچان بھی لے اور اس کو بھی اپنا سابقہ جنم یاد آ جائے۔'' پتا جی نے پوچھا۔

''آپ نے بہت سے سوال کرتے ہیں۔ ان سب کا جواب ایک ہی ہے۔ بھگوان نے اس دنیا کو بنایا ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ آپ چمتکار سے انکار کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں تم ٹھیک کہتی ہو میں ہار گیا۔'' اور پھر پتا جی نے یہ بلڈنگ ایک بھاگتے ہندو سے خرید لی اور میرے نام کر دی۔ پھر کراچی میں اور جائیداد بھی خرید لی۔ جانے سے پہلے انہوں نے مجھ سے کہا۔

''مجھے تم صرف یہ بتا دو کہ تم کو یہ کس طرح یقین ہے کہ راجن تم کو ملے گا۔''

''آپ کو اب بھی شک پتا جی۔'' میں نے کہا۔

''تم وجہ تو بتاؤ۔'' وہ بولے۔

''آپ شاید اب بھی حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہے۔ میرا وہم سمجھ رہے ہیں۔ پتا جی یہ میرا وہم نہیں ہے یقین ہے۔ کیا یہ بھی وہم تھا کہ کراچی میں راجن اور چاندنی پیدا ہوئے پھر ان کی شادی ہوئی اور دونوں مر گئے۔ میں کنول کے روپ میں بعد میں پیدا ہوئی کراچی تو کبھی نہیں آئی پھر میرے دل میں ایک روشنی کی کرن پیدا ہوئی۔ آپ نے میری ہر بات کی تصدیق کی۔ میری کہی ہر بات سچی ثابت ہوئی۔ اس روشنی میں میرا یقین ہے کہ راجن ملے گا اور اسی شہر میں ملے گا۔''

اور پتا جی بمبئی چلے گئے۔ کراچی کے حالات زیادہ خراب نہیں ہوئے۔ اکا دکا واقعات ضرور ہوئے مگر پھر بھی کوئی زیادہ خرابی نہیں ہوئی۔ میں نے ایک بوڑھے آدمی کو اپنا منشی رکھ لیا میں نے اس کو چاچا کہنا شروع کر دیا وہی یہ سب کام کرتا تھا سب کرایہ دار مجھے مسلمان سمجھتے ہیں اور کنول کے نام سے جانتے ہیں۔ اس نام میں یہ خوبی ہے کہ یہ شخصیت کا پردہ رکھتا ہے۔''

''تمہارے والد کب گئے۔'' میں نے پوچھا۔

''ان کو گئے ایک سال ہوگیا ہے۔ وہ ہر خط میں لکھتے ہیں کہ سب چھوڑ کر بمبئی چلی آؤں۔ مگر میری مجبوری وہی ہے جو پہلے تھی۔ میں نے تم سے خط لکھوائے اپنے شوہر کے لئے مگر میرا کوئی شوہر تھا کہ میں نہیں ہے وہ خط میں نے پوسٹ ہی نہیں کئے۔'' کنول نے کہا۔

''تو پھر کیوں لکھوائے تھے۔'' میں نے پوچھا۔

''تم سے تعارف حاصل کرنے کو۔'' کنول نے جواب دیا۔

''اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔'' میں نے پوچھا۔

''میرے دل نے کہا کہ صرف تم میری مدد کر سکتے ہو میں اپنے دل کی بات کبھی رد نہیں کرتی۔'' وہ بولی۔

''میں تمہاری مدد کروں گا تمہارے دل نے ٹھیک کہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''یہ تو تم کو پتہ چل گیا کہ میں تمہارے دھرم کی نہیں ہوں۔ کنول ہوں تو بھی اور چاندنی ہوں تو بھی انسانیت کے ناطے ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ دوستی کا رشتہ بھی بہت پاک اور بلند

درجے کا ہے بات صرف احساس کی ہے میں نے تم کو اب تک ایک حساس انسان پایا ہے۔'' کنول نے کہا۔

''میں نے جب تم کو دوست بنایا تھا اس وقت میں نے تمہارے دھرم کو نہیں دیکھا تھا۔ عمر کو نہیں دیکھا تھا۔ اپنی، ہستی اور تمہاری بلندی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ زندگی کے کسی موڑ پر میری ضرورت ہو تو ضرور آواز دینا یہ جھکی نشین تمہاری ایک آواز پر جواب دے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم جذبات میں تو باتیں نہیں کر رہے ہو۔'' کنول نے پوچھا

''نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں ناتجربہ کار ہوں۔ عمر بھی کم ہے اور چاندنی سے تو میرا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ میں ابھی دنیا کے مکر و فریب سے واقف بھی نہیں ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں ایک کورا کاغذ ہوں ہاں اس کاغذ پر چند نام ضرور لکھے ہیں ان میں تمہارا نام بہت نمایاں ہے وہ کورا کاغذ میرا دل ہے اس سے زیادہ لفاظی میں اور کیا کروں۔'' میں نے کہا۔

''مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔''

میں عمر اور تجربے دونوں میں کنول سے کم تھا اگر میں اس کو چاندنی کہوں تو اور چھوٹا ہو جاتا تھا۔ کنول کم از کم میرے برابر تو تھی میں کچھ باتیں سمجھ لیتا تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھیں ان پر غور کرتا تھا مگر پھر بھی پوری طرح نہیں سمجھ پاتا تھا۔ میرے دوستوں میں صرف ایک ڈوسانی ہی ایسا تھا جس سے میں کچھ مشورہ کر سکتا تھا۔ مگر وہ ایک کاروباری خاندان کا فرد تھا۔ اس کا نقطہ نظر کاروباری تھا۔ وہ میرا ایک بہترین دوست تھا وہ ہمیشہ میرے فائدے کی بات کرتا تھا۔ مگر اس کا نقطہ نظر مجھے پسند نہیں تھا۔ انسان ہر کام اپنے ذاتی فائدے کی خاطر نہیں کرتا۔

بعض اوقات وہ جان بوجھ کر بھی اپنا نقصان کرتا ہے انسان کچھ بازیاں خود ہارتا ہے۔ مگر حمید ڈوسانی اس کا قائل نہ تھا۔ میں نے بہت غور کرنے کے بعد اس کو حالات بتائے تو وہ بولا۔ ''تیزی تو لاٹری نکل آئی۔''

میں نے حیرت سے اس کو دیکھا اور پوچھا۔ ''کون سی لاٹری نکل آئی ہے۔''

''ابے گھامڑ وہ کروڑ پتی لڑکی ہے، تجھ پر مرمٹی ہے جتنا فائدہ اٹھا سکتا ہے اٹھالے۔'' وہ بولا۔

''اگر وہ کروڑ پتی ہے تو میرا کیا فائدہ ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں سمجھے گا سالا ہے نا گھامڑ دنیا بڑی مطلبی ہے پیارے سب اپنے اپنے دھندے میں لگے ہیں۔ بے وقوف مت بن دنیا کو دیکھ سارا کھیل سمجھ میں آجائے گا۔ تم کسی بیوپاری کے پاس جاؤ گے۔ تو وہ تمہاری جیب خالی کرانے کے بعد کھال تک اتارنے کی فکر کرے گا۔ وہ چکر دے گا کہ تم گھن چکر

بن جاؤ گے۔ ڈاکٹر کے پاس جاؤ وہ انسانی ہمدردی کی آڑ لے کر تمہاری مالی حیثیت کا جائزہ لے گا اور تمہاری بیماری کو آسمان پر پہنچا دے گا۔ درجنوں ٹیسٹ ان لیبارٹریوں میں کروائے گا جہاں اس کا کمیشن ہے۔ وکیل سرکاری افسر ہر شعبے کا انسان اپنے دولت کے دروازے کھول کر بیٹھا ہے۔ ہر شخص اپنے فن کی دوکان سجا کر بیٹھا ہے۔ کوئی پیر بن کر کما رہا ہے کوئی سائل بن کر مریض بن کے لٹ رہا ہے۔ کچھ کے حصے میں لوٹنا آیا ہے اور کچھ کے لٹنا آیا ہے تم اپنا نام کہاں درج کرانا چاہتے ہو میری بات پر غور کرو تم کو قدرت نے موقعہ دیا ہے اگر تم اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو یاد رکھو پوری زندگی پچھتاتے رہو گے۔'' ڈوسانی نے بات ختم کی تو میں نے کہا۔

''مگر انسان کا ایک ضمیر بھی ہوتا ہے وہ تو نہیں مانتا۔''

''کہاں کی بات کہاں لے گیا۔ ارے بھائی اس وقت تیرے پاس ایک ایسی بکری ہے جو دودھ کے ساتھ سونے کی مینگنیاں بھی دیتی ہے فائدہ اٹھالے ورنہ روئے گا۔'' ڈوسانی بولا۔

''تیرا مشورہ اچھا ہے کوشش کروں گا۔'' ڈوسانی نے اپنا بھاری سر ہلایا اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اس کی باتوں پر غور کیا۔ زمانے کے لحاظ سے اس کا کہنا ٹھیک تھا مگر ہر شخص کاروباری ذہن نہیں رکھتا ہر شخص ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ اس نے بتایا ہے دنیا میں انسان دوست شریف اور ہمدرد بھی ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کالج میں پڑھنے کے لائق تھا۔ میرے پاس کیا تھا میں ڈوسانی کی باتوں کو بھول گیا۔

میرا ایل ایل بی کا رزلٹ آ گیا میں اچھے نمبروں میں پاس ہو گیا۔ یہ دن میرے لئے بڑی خوشی تھا میری ماں نے سنا تو بہت خوش ہوئی۔ ''میں ساری جھگیوں میں مٹھائی بانٹوں گی۔'' وہ خوشی سے بولی

''ضرور بانٹنا میں شام کو لیتا آؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''تو شام کو جلدی آجانا۔'' وہ بولی۔

''تو فکر نہ کر ماں میں مٹھائی لے کر جلدی آجاؤں گا۔'' مگر میں جلدی نہ آسکا مغرب کے وقت میں نے لڈو خریدے اور گھر کی طرف چلا میں پل کے اوپر سے جایا کرتا تھا۔ پل کے نیچے بڑی بھیڑ تھی میں نے کسی سے پوچھا۔ ''بھائی کیا ہوا ہے؟'' تو اس نے بتایا کہ کوئی عورت ریل سے کٹ گئی ہے۔'' میں جلدی جلدی نیچے اترا اور بھیڑ کو چیرتا ہوا لاش کے قریب چلا گیا۔ میری ماں کی دو ٹکڑے لاش پڑی تھی اور ساتھ ہی ایک مٹھائی کا ڈبہ پڑا تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میں زمین پر گر پڑا۔ بس اتنی دیر کی خوشی اس کے

نصیب میں لکھی تھی۔ ایک موت کے بعد ایک خوشی کی خبر اس کو ملی اور وہ کتنا کم اس خوشی کے جھولے میں جھول سکی جس کی خاطر میں اس جھگی میں رہتا تھا وہ تو چلی گئی۔ اب یہ بانس اور چٹائیاں میرے کس کام کی تھیں اب ان چٹائیوں میں مامتا کی خوشبو نہیں تھی۔

''کیا سارے حادثے میرے نصیب میں لکھے ہیں۔ باپ میرے سامنے قتل ہوا کیا حادثہ نہ تھا۔ بہن کو اغوا کیا گیا کیا یہ حادثہ نہ تھا۔ زندگی ذرا معمول پر آ رہی تھی کہ ماں بھی حادثے کا شکار ہوگئی۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''تمہارے ساتھ یہ ہوا ہے مگر زندگی کے اس کھیل میں ایسا ہوتا ہے دراصل یہ سب ہونی کے رمز ہیں۔ جو لکھ دیا گیا ہے۔ اس کو ہونا ہے زندگی اور موت دونوں انسان کے بس سے باہر ہیں۔ تم کہو گے میں تم کو تسلی دلاسہ دینے کی بجائے فلسفہ بیان کرنے لگی ہوں مگر تم کو حقیقت پسند بنانا بھی ضروری ہے جو ہے اس کو ماننا تو پڑے گا صرف رونے سے کام نہیں چلے گا اس چاہنے والی ہستی کی آتما کو خوش کرنے کو تم وہی کرو جو وہ تم سے کروانا چاہتی تھیں تم یہ بہتر جانتے ہو کہ وہ تم کو کیسا دیکھنا چاہتی تھیں۔''

میں خاموشی سے کنول کے فلیٹ میں آ گیا۔ اس کا فلیٹ بہت بڑا تھا۔ ایک کمرہ اس نے مجھے دے دیا۔ میں اس کا کام بھی کرتا تھا اور وکیل جعفر حسین کے پاس بھی کام کرتا تھا یہ وہی وکیل تھے جو کہ کنول کے بنگلے میں کرایہ دار تھے۔

ایک دن وکیل جعفر حسین نے بتایا۔ ''میاں اب ہم تمہارے کرائے دار ہو گئے۔''

میں نے کہا۔ ''سر آپ کیسی بات کرتے ہیں میں تو ملازم آدمی ہوں۔''

''پتہ ہے مگر کنول نے یہ بنگلہ تمہارے نام کر دیا ہے۔'' وہ بولے۔

میں نے حیرت سے کہا۔ ''مجھے تو پتہ بھی نہیں ہے۔''

''رجسٹرار کے پاس دستخط کرو گے تو پتہ بھی چل جائے گا۔'' وہ بولے۔

میں نے رات کو کھانے پر کنول سے پوچھا۔ ''تم خاموشی سے کیا کر رہی ہو، اپنی جائیداد خود اپنے ہاتھ سے برباد کر رہی ہو۔''

''میں نے کیا برباد کر دیا۔'' وہ بولی۔

''بنگلہ تم نے کس کو دے دیا۔'' میں نے پوچھا۔

''جس کا حق تھا اس کو دے دیا۔'' وہ بولی۔

''میرا حق کہاں سے نکل آیا۔'' میں نے پوچھا۔ ''دیکھو جذباتی باتیں نقصان بھی کرتی ہیں۔''

''مگر میرا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔'' وہ بولی۔

''میں تم کو کس طرح سمجھاؤں میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم دیکھتے رہو، میں کیا کرتی ہوں، کچھ دخل مت دو۔'' وہ بولی۔

''تم مجھے حیران کئے جا رہی ہو اور حکم یہ ہے کہ میں بولوں بھی نہیں۔''

''دوستوں کا حساب کاغذ پر نہیں دلوں میں ہوتا ہے۔ زمین، مکان جائیداد پر نہیں ہوتا۔ مجھے میرے کام سے مت روکنا۔ میں تم کو اپنے سے اونچا دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں دھرم کی ہندو ہوں۔ میرا باپ اور ماں دونوں ہندو تھے مگر میں چھوت چھات پر یقین نہیں رکھتی۔ میں تمہارے ساتھ کھاتی ہوں اور وہی کھاتی ہوں جو تم کھاتے ہو۔ میں نے پکانے والی بھی مسلمان رکھ لی ہے۔ میں وہ کھاؤں گی جو تم کھاؤ گے۔ میں نے جب خود کو تمہارے سپرد کر دیا ہے تو پھر کس بات کی غیریت، میری محبت صرف پانے کے لئے نہیں ہے یہ چاہنے کے لئے بھی ہے۔ چاہت خود بخود راستے بناتی ہے اگر میری چاہت میں سچائی ہوگی تو میں پانے کی منزل ضرور پاؤں گی۔''

دنیا میں ہزاروں قسم کے لوگ رہتے ہیں کوئی کنول کو میری بیوی کہتا تو کوئی راشتہ قرار دیتا۔ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق رشتہ بناتا مگر ہم نے ان پر کبھی غور نہیں کیا۔ پوچھنے والوں کو کنول نے جھاڑ دیا۔ ایک مہینہ کے اندر اندر کنول نے یہ کام کیا کہ اپنی تمام جائیداد میرے نام کر دی اس نے میری ایک نہیں سنی اس کی ایثار اور قربانی سے میرے دل میں اس کی عزت اور وقار بڑھ گیا محبت تو شاید میں پہلے دن سے ہی کرتا آیا تھا۔ مگر اظہار میں نے نہیں کیا تھا۔ مجھے اظہار کرنے میں اوچھا پن معلوم ہوتا تھا۔ میں اپنے عمل سے اظہار کرنا چاہتا تھا مگر کنول نے مجھے بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ اس نے کروڑوں کی جائیداد بے دھڑک میرے نام کر دی میں اس کو کیا دے سکتا تھا میرے پاس کیا تھا صرف ایک محبت تھی وہی اس کی نظر کر سکتا تھا۔ ہم دونوں ایک چھت کے نیچے تھے ہمارے درمیان کچھ نہیں تھا۔ میرا کوئی رقیب بھی نہیں تھا۔ مجھے کسی کا ڈر بھی نہیں تھا مگر ہم دونوں کے درمیان ایک دیوار ضرور تھی اور وہ دیوار شرافت کی تھی نہ میں نے اس کے قریب ہونے کی کوشش کی، نہ اس نے دیوار پھلانگنے کی کوشش کی۔ ہم ہر طرح کی کانٹلو کر لیا کرتے تھے ہم دونوں کا رویہ ہمیشہ دوستوں والا ہی رہا۔ میرے نام اکاؤنٹ تھا سب روپیہ میرے نام پر جمع ہوتا تھا اس نے پلٹ کر کوئی حساب نہیں لیا میں خود اس کو حساب بتاتا تھا تو وہ کہتی۔

''مالک تم ہو، مجھے کیوں حساب بتاتے ہو۔''

''تمہاری یہ بات میرے ایک کان سے اندر جاتی ہے اور دوسرے سے باہر چلی جاتی ہے اندر نہیں رہتی کیوں کہ اندر میرا ظرف بیٹھا ہے۔ وہ کہتا ہے اصل مالک تم ہی ہو۔'' میں نے کہا۔

''میری بات غور سے سنو۔ پھر کبھی بھی مالک نہ کہنا۔ دوستوں کا حساب کسی کاغذ پر نہیں ہوتا یہ

حساب دلوں پر لکھا جاتا ہے۔ میں نے تم کو کچھ نہیں دیا وہ سب تمہارا حق تھا میں نے صرف تم تک پہنچایا ہے۔ کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ میں نے تم پر کوئی احسان کیا ہے۔ تمہارا حق کس طرح تھا یہ بھی مت پوچھنا کیونکہ محبت میں کچھ سوال ہمیشہ ادھورے رہتے ہیں۔ ان کو پوچھا نہیں جاتا نہ بتایا جاتا ہے۔'' کنول نے کہا۔

میں نے ہنس کر کہا۔ ''اچھا پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر دو آؤ ساحل سمندر چلتے ہیں۔'' ہم دونوں روز ہی کہیں نا کہیں تفریح کو جاتے تھے۔ باہر ہی کھانا کھاتے تھے۔ اب میں اتنا ناسمجھ بچہ نہیں تھا کہ لوگوں کی نگاہوں کا مفہوم نہ سمجھ سکوں۔ کچھ لوگ آج بھی ہمارے رشتے کے بارے میں فکر مند تھے۔ کچھ لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو کوئی فکر نہیں ہوتی وہ اسی قسم کی فکریں پال لیتے ہیں اور بلاوجہ کی کرید میں لگ جاتے ہیں۔ اسی قسم کے ہمارے ایک کرائے دار انور علی تھے۔ وہ فلیٹ میں رہتے تھے اور نیچے ان کی ایک دکان بھی تھی۔ آتے جاتے سلام دعا ہو جاتی تھی۔ ایک دن بولے۔

''ارے میاں کبھی ہم کو بھی کچھ وقت دے دیا کرو۔''

میں نے از راہ مذاق کہا۔ ''آپ کو پتہ ہے میں وکیل ہوں میرے وقت کی فیس ہوتی ہے۔''

''فیس بھی ادا کر دیں گے۔ دو گھڑی ہمارے پاس ٹکو تو۔'' وہ بولے۔

''یہ کون سی بڑی بات ہے۔'' میں نے کہا اور دوکان کے اندر بڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''پہلے چائے پیو پھر باتیں کریں گے۔'' وہ بولے۔

''اچھا پہلے فیس ادا ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں یہ بات نہیں ہے یہ تو اخلاق کا تقاضہ ہے۔'' وہ بولے۔ انہوں نے تھرموس سے چائے پیالیوں میں ڈالی اور میرے ہاتھ میں پیالی پکڑا کر بولے۔

''بازار کی چائے میں نہیں پیتا گھر سے بنوا کر منگواتا ہوں۔ میاں بات یہ ہے کہ ہم تو ہیں آپ کے ہمدرد آپ کے متعلق اگر کوئی بات سنیں گے تو فکر تو ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ انسان میں جہاں او خرابیاں ہیں۔ وہیں پر ایک خرابی تجسس کی بھی ہے۔ یہ کم بخت اتنا خراب جذبہ ہے کہ ہر آدمی بلاوجہ بھ ہر چیز کی کرید کرتا ہے۔ مردوں سے زیادہ اس جذبے کا حملہ عورتوں پر ہوتا ہے۔ تم یہ سمجھو کہ تمہار بارے میں کچھ لوگ باتیں کرتے ہیں مگر ہم نے ان باتوں پر کبھی دھیان نہیں دیا۔'' انور علی نے کہا۔

''کیا باتیں کرتے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''تمہارے اور کنول کے بارے میں باتیں ہوتی ہیں۔'' وہ بولے۔

''وہی تو پوچھ رہا ہوں کیا باتیں کرتے ہیں۔'' میں نے پھر کہا۔

''اب تک تمہارا اور کنول کا رشتہ سمجھ نہیں آیا۔'' وہ بولے۔

''اگر آپ کی بھی سمجھ میں نہیں آیا تو میں کیا کروں۔'' میں نے کہا۔

''یہ دنیا ہے میں تمہاری عزت کرتا ہوں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ تمہاری زندگی کا یہ پہلو اتنا اچھا نہیں ہے۔ اس پر ذرا غور کرنا۔'' وہ بولے۔

''آپ کی ہمدردی کا شکریہ آپ خود کنول سے بات کریں۔'' میں نے کہا۔

''اگر ضرورت پڑی تو ضرور کروں گا وہ بڑی متین اور سنجیدہ مزاج لڑکی ہے۔ اس لئے اس قسم کی بات کرنا میں مناسب خیال نہیں کرتا۔''

''اور میں بھی ابھی اس موضوع پر بات کرنا مناسب خیال نہیں کرتا۔'' میں نے کہا۔

''کوئی بات نہیں مگر میری بات پر غور ضرور کرنا ہم جس دنیا میں رہتے ہیں اور جس مذہب کو مانتے ہیں اس کے کچھ اصول ہیں کوئی ان سے انحراف نہیں کر سکتا نہ میں نہ تم۔''

اندر اندر کیا کھچڑی پک رہی تھی۔ اس کی جھلک انور نے دکھا دی تھی۔ میں نے اس کا ذکر کنول سے کیا تو وہ بولی۔ ''دنیا میں تو ہر قسم کی سوچ کے لوگ ہیں ہم کس کس کا منہ بند کریں گے۔ جو کہتے ہیں کہنے دو۔'' وہ بولی۔

''صرف یہ کہہ کر ہم اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔ آج انور علی بھی یہ بات کہہ رہا ہے کل کوئی دوسرا انور علی کہے گا تم بھی اس پر غور کرو سنجیدگی سے سوچو ہمیں کیا کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم بتاؤ تم نے کیا سوچا ہے۔'' کنول بولی۔

''دیکھو کنول صرف میں جانتا ہوں کہ تم پہلے چاندنی تھیں اب کنول ہو۔ دونوں صورتوں میں ہم ۱۱ الگ الگ مذہب کے پیروکار ہیں۔ میں اپنے آپ کو دیندار نہیں کہتا مگر پھر بھی مجھے سب سے زیادہ پیارا میرا مذہب ہے۔ تم نے مجھ پر بہت احسانات کئے میری زندگی بنانے میں بڑا اہم کردار تمہارا ہے۔ تمہارا مجھ پر اعتماد اور بھروسہ مجھے روکتا ہے کہ میں کوئی ایسی بات کروں جو تم کو ناگوار لگے۔ میں کیا کروں۔'' میں نے کہا۔

''مجھے پتہ ہے تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں ذہنی طور پر وہی بات سننے کو تیار ہوں۔'' وہ بولی۔

''نہیں ابھی وہ بات کرنے کا وقت نہیں آیا۔ ابھی تمہارا انتظار ختم نہیں ہوا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں ابھی انتظار ختم نہیں ہوا پھر لوگوں کی باتوں پر دھیان کیوں دیتے ہو۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک ہے میں دھیان نہیں دیتا مگر یہ ضرور سوچتا کہ اس مسئلے کو حل تو کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''اس کا حل اتنا مشکل نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''کسی جوان لڑکی اور لڑکے کا ایک گھر میں رہنا، ساتھ اٹھنا بیٹھنا آخر کس رشتے سے ان کا آپس میں کیا تعلق ہے یہ سوالات انور علی کے علاوہ بھی اور لوگوں کے دماغوں میں گردش کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ارے تم کس فکر میں مبتلا ہو گئے ہو چھوڑو ان سب کو آؤ کچھ دن کے لئے یہاں سے کسی دور دراز جگہ پر سیر کو نکلتے ہیں۔'' اور ہم کراچی سے روانہ ہو گئے آٹھ دن لاہور کے ایک ہوٹل میں قیام کیا لاہور کی سیر کرتے رہے۔ ہم دونوں ایک کمرے میں ہی قیام کرتے تھے۔ ہر ہوٹل میں ہم نے خود کو میاں، بیوی ظاہر کیا۔ اس کے باوجود ہمارے درمیان جو دیوار پہلے دن قائم ہوئی تھی وہ موجود تھی۔ میں نے اس دیوار کے دوسری طرف کبھی جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔ کنول نے بھی خود پر قابو رکھا۔ لوگ شاید مشکل سے یقین کریں مگر یہی حقیقت ہے لاہور سے ہم پشاور تک گئے دو مہینے ہم نے ایک ساتھ ایک کمرے میں گزار دیئے۔ ہوٹلوں کے رجسٹروں میں ہم کئی دفعہ میاں، بیوی بنے میں رجسٹر میں اندراج کرتا تھا تو کنول مسکراتی تھی اس نے مجھے ایسا کرنے سے نہیں روکا میں نے ہر بار اس کی مسکراہٹ کا مطلب نکالنے کی کوشش کی مگر گڑبڑا گیا۔ شاید وہ میری نادانی پر مسکراتی تھی یا اپنی اندرونی خوشی اس کے لبوں پر مسکراہٹ لے آتی تھی اس کے چہرے کے تاثرات سے میں کچھ سمجھ نہیں پاتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ابھی عمر کی اس منزل پر نہیں تھا کہ چہروں سے دلوں کا حال پڑھ سکوں۔ پشاور کے بعد ہماری واپسی تھی اس کمرے میں ایک بہت چوڑا پلنگ پڑا تھا میں نے درمیان میں دو تکیے رکھ کر پارٹیشن کر دیا تھا ایک سائیڈ میں اور دوسرے سائیڈ میں کنول سویا کرتی تھی۔ یہاں پر ہمارا یہ چوتھا روز تھا کنول دیر سے اٹھتی تھی میں جلدی اٹھ کر پہلے غسل وغیرہ سے فارغ ہو جایا کرتا تھا۔ آج بھی میں سب کام سے فارغ ہو کر اخبار پڑھ رہا تھا میں صوفے پر بیٹھا تھا اور کنول بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھ جلدی کھل گئی تھی۔ وہ چاروں طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے میری طرف اجنبی نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔

''تم کون ہو اور میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''آج جلدی آنکھ کیسے کھل گئی۔''

''میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''اب اٹھ گئی ہو تو تیاری کرو جلدی، ناشتہ کرتے ہیں اور لنڈی کوتل چلتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اپنی بکواس بند کرو تم کون ہو؟ میرے کمرے کیوں ہو، اس کا جواب دو۔'' وہ پھر بھنا کر بولی۔

اس کا لہجہ اور انداز مجھے نیا نیا لگ رہا تھا وہ تو غصہ میں بھی بڑے نرم لہجے میں بات کرتی تھی آج اس کی آواز اور لہجہ دونوں میں فرق تھا میرا چونکنا ضروری تھا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''یہ کون سی جگہ ہے تم مجھے کہاں لے آئے ہو۔'' وہ زور سے بولی۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو وہ پھر بولی۔ ''دیکھ کیا رہے ہو بتاؤ تم کون ہو۔''

''تم کو نہیں پتہ میرا نام حیدر علی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں کسی حیدر علی کو نہیں جانتی۔'' وہ بولی۔

''تم میرے ساتھ کراچی سے آئی ہو۔ اب بس کرو بہت مذاق ہو گیا۔'' میں نے کہا۔

''میں مذاق نہیں کر رہی تم کو مذاق لگ رہی ہے میری الجھن۔'' وہ غصے سے بولی۔

''دیکھو چاندنی بہت ہو گئی۔ مذاق زیادہ اچھا نہیں لگتا۔'' میں نے کہا۔

''چاندنی، کون چاندنی میں کسی چاندنی کو نہیں جانتی۔'' وہ بولی۔

''تم نے تو مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے تم کبھی کنول ہو کبھی چاندنی ہو میں تم کو کس نام سے پکاروں۔''

''میرا نام کنول ہے۔ میں لاڑکانہ کی رہنے والی ہیں۔'' وہ بولی۔

''اور چاندنی کراچی والی کہاں گئی۔'' میں نے پوچھا۔

''میں کسی چاندنی کو نہیں جانتی تم مجھے لاڑکانہ سے اٹھا کر لائے ہو، شاید میں ہوش میں نہیں تھی اسی لئے تم لے آئے، بتاؤ کہاں لے جا رہے تھے۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''آہستہ بات کرو تم کنول ہو یا چاندنی جو بھی یہ گھر نہیں ہے ایک ہوٹل کا کمرہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہوٹل کا کمرہ تم مجھے یہاں پر کیوں لائے ہو؟'' وہ بولی۔

''میں نہیں لایا تم خود آئی ہو۔'' میں نے کہا۔

''میں خود کیوں آؤں گی؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''تم میرے ساتھ خود آئی ہو یاد کرو تمہارا نام کنول ہی ہے۔ لاڑکانہ کی رہنے والی ہو، جب تم جوان ہوئیں تو اس وقت ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا تم کنول سے چاندنی بن گئیں تمہاری سوچیں یکسر بدل گئیں۔ کنول سے تمہارا نام چاندنی ہو گیا۔ چاندنی کراچی کی رہنے والی ایک شادی شدہ عورت تھی تم نے کراچی کبھی نہیں دیکھا تھا مگر تم نے کراچی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اپنے گھر اور شوہر سب کا پتہ تم نے بتا دیا وہ تمام باتیں درست بھی تھیں۔

جب تم چاندنی تھیں اس وقت تمہارا باپ اور بھائی ہندوستان چلے گئے۔ تم اپنے شوہر کی تلاش

میں تھیں اس لئے ان کے ساتھ نہیں گئیں۔ اسی دوران تمہاری ملاقات مجھ سے ہوگئی۔ تم نے مجھے اپنا پرانا نام کنول ہی بتایا حالانکہ تم چاندنی تھیں اور اسی کی زندگی گزار رہی تھیں تم نے کنول نام اس لئے بتایا کہ اس نام میں پردہ ہے۔ مذہب کا پتہ نہیں چلتا۔ دوسرا شاید تم یعنی چاندنی ذہنی طور پر مجھ سے بڑی تھی اس نے کم عمر کنول کا نام استعمال کیا بہت سی باتیں جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں اب آ رہی ہیں۔''

میں چپ ہوا تو وہ بولی۔ ''میرے ذہن میں ترتیب وار کچھ نہیں ہے سب غلط ملط ہو رہا ہے۔''

''یہ کہانی ترتیب وار میں سناتا ہوں۔ کہانی تمہاری ہے اور سناتا میں ہوں۔ تم لاڑکانہ میں تھیں۔ تمہارا نام کنول تھا۔ تمہارے باپ کا نام بھگوان داس اور بھائی کا نام راجیش تھا۔ ایک دن تم کو اچانک یہ پتہ چلا کہ تم تو چاندنی ہو اور کراچی کی رہنے والی ہو وہاں پر تمہارا گھر ہے تم شادی شدہ عورت ہو پھر چاندنی اور اس کے شوہر کے ساتھ ایک حادثہ ہوا اور دونوں مر گئے۔ اس کے بعد تم نے دوبارہ لاڑکانہ میں جنم لیا ہے۔ تم اپنے باپ کو سب حالات بتاتی ہو اور وقت گزرتا جاتا ہے تم اوپر سے کنول اور اندر سے چاندنی رہتی ہو اور پھر ہندوستان تقسیم ہو جاتا ہے اور باپ، بھائی بھارت روانہ ہو جاتے ہیں۔ مگر چاندنی یا کنول نہیں جاتی اب کنول بچی نہیں تھی۔ سولہ، سترہ سال کی جوان لڑکی تھی۔

میری دوستی چاندنی سے تھی مگر وہ کنول بن کر ہی ملتی تھی۔ اب میرا خیال ہے کہ چاندنی کی واپسی ہوگئی ہے اور کنول رہ گئی ہے کنول مجھے نہیں جانتی اس لئے متعارف کرادوں کہ میرا نام حیدر علی ہے۔

مجھے اپنی طرف چاندنی نے راغب کیا تھا یا دوستی کی تھی۔ ہماری دوستی پاک دوستی تھی ہم دونوں کراچی کے ایک مکان میں رہتے ہیں۔ ہوٹلوں کے کمروں میں ایک ساتھ ٹھہرے ہیں۔ ہم نے ہر ہوٹل میں خود کو میاں، بیوی ظاہر کیا ہے۔ مگر شرافت کی دیوار ہمارے درمیان ہمیشہ رہی نہ میں کبھی پٹڑی سے اترا نہ اس نے قدم آگے بڑھایا۔ یہ ہمارا ایک خاموش معاہدہ تھا۔ میں جس دیوار کی آڑ میں تھا۔ آج تک ہوں تم نے چاندنی کے روپ میں مجھ پر بڑے احسانات کئے ہیں تم چاندنی ہو کنول ہو جو کچھ ہو میرے لئے قابل احترام ہو۔'' میں خاموش ہوا تو چند منٹ خاموشی رہی پھر کنول نے کہا۔

''تم نے میرے ماتا پتا کے بارے میں زیادہ نہیں بتایا۔'' وہ بولی۔

''انہوں نے تم کو ساتھ لے جانے کی بہت کوشش کی تھی مگر تم چاندنی تھیں کنول نہیں تھیں۔ اس لئے تم نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''اس کا مطلب ہوا کہ میری زندگی کے دس، گیارہ سال چاندنی چرا کر لے گئی۔'' کنول بولی۔

''تم نے خوب بات کہی چوریاں تو ہوتی ہیں مگر یہ عمر کی چوری انوکھی چوری ہے۔''

''اب میں کہاں جاؤں میرے باپ، بھائی، بھارت چلے گئے۔ یہاں پر میرا کون ہے بہت سے سوال میرے سامنے منہ اٹھائے کھڑے ہیں اور میرے پاس ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''جہاں تک سوالات کا تعلق ہے۔ میرے سامنے بھی کچھ سوالات ہیں جن کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔''

''تمہارے سامنے کیا سوالات ہیں؟'' کنول نے پوچھا۔

''ایک سب سے بڑا سوال تو یہی ہے کہ چاندنی نے مجھ سے تعلقات کیوں بڑھائے تھے مجھ پر اتنی نظر کرم کیوں کی تھی۔ اس کو تو اپنے پتی کی تلاش تھی۔'' میں نے کہا۔

''ہاں بڑا اہم سوال ہے۔'' کنول نے جواب دیا۔

''میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم اس کی زندگی میں کس طرح داخل ہوئے۔'' کنول نے پوچھا۔

''یہ اس وقت کی بات جب تمہارے باپ، بھائی بھارت جا چکے تھے۔ میں تو ایک بے سہارا لڑکا تھا میرا باپ فسادات میں مارا جا چکا تھا اور بہن کو اغوا کر لیا گیا تھا۔ میں اور میری ماں کراچی میں ایک جھونپڑی بنا کر رہتے تھے میں اسکول میں پڑھتا تھا خالی وقت میں پوسٹ آفس کے باہر بیٹھ کر خط لکھا کرتا اور اپنا اور اپنی ماں کا پیٹ بھی پالتا تھا۔ وہ میرے پاس آئی تھی اس نے اپنے شوہر کے نام ڈھاکہ کے پتے پر خط لکھوائے تھے اس نے بتایا تھا کہ اس کا شوہر ڈھاکہ چلا گیا ہے واپس نہیں آیا میں چاندنی سے عمر میں کم تھا اس کا تجربہ بھی مجھ سے بہت زیادہ تھا مگر قد و قامت اور صحت میں اس سے بڑا لگتا تھا۔

پھر وہ میرے قریب آتی گئی ہماری دوستی پکی ہوتی گئی۔ ہماری دوستی نہایت پاک دوستی تھی چاندنی کو اس کے باپ یعنی تمہارے باپ نے کراچی میں اتنی دوکانیں اور بلڈنگ دے دی تھیں کہ وہ فکر معاش سے آزاد تھی۔ ساری جائیداد اس کے نام پر تھی کنول کو مسلمان ظاہر کیا گیا تھا۔ کیونکہ کسی بھی ہندو کی جائیداد خطرے میں پڑ سکتی تھی تم کو سب کنول کے نام سے جانتے تھے۔ یہ صرف میں جانتا تھا کہ کنول چاندنی ہے۔ چاندنی نے میری مرضی کے بغیر ساری جائیداد میرے نام کر دی مگر میں آج تک خود کو اس کا صرف رکھوالا سمجھتا ہوں وہ سب کچھ تمہارے باپ نے تم کو دیا تھا تم ہی اس کی مالک ہو درمیان میں چاندنی آ گئی تھی اس نے وہ مجھے سونپ دیا ہے۔ مگر میں تمہاری امانت تم کو واپس کرنے کا پابند ہوں۔'' میں نے کہا۔

''پھر تم کیا کرو گے۔'' وہ بولی۔

''میں بڑی کم عمری سے محنت مزدوری کرتا آ رہا ہوں۔ چاندنی نے مجھ پر بہت کرم کیا تھا میں ایک وکیل ہوں وکالت کر سکتا ہوں ملازمت کر سکتا ہوں میرے سر پر تمہاری امانت کا جو بوجھ ہے میں اس کو اتارنا چاہتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو تم کو پتہ ہے؟'' کنول نے پوچھا۔

''ہاں پتہ ہے تم کہو گی جائیداد تمہارے نام ہو گئی ایسا کرنا تو بے وقوفی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہی بات ہے اس زمانے میں دولت تمہارے پاس ہے۔ تم اس کے قانونی مالک ہو پھر اس سے منہ کیوں موڑ رہے ہو لوگ تو اس کے لئے نہ معلوم کیا کیا کرتے ہیں۔'' کنول نے کہا۔

''اس لئے کہ وہ میری نہیں ہے۔ تمہارے والد نے کنول کے نام سے خریدی تھی۔ تم ہی اس کی مالک ہو۔'' میں نے کہا۔

''اب تو تم مالک ہو۔'' وہ بولی۔

''مجھ پر تو چاندنی مہربان ہو گئی تھی پتہ نہیں اس کو مجھ میں کیا بات نظر آئی تھی۔ کبھی کبھی وہ مجھ سے اس طرح بات کرتی تھی۔ جیسے میں ہی اس کا راجن ہوں۔ میں اس کے دل کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ ہماری قربت بہت بڑھ گئی تھی۔ میں چاندنی کے بہت قریب آ گیا تھا اگر ذرا ہاتھ بڑھا دیتا تو وہ مری جھولی میں گر جاتی مگر میں نے ایسے نازک لمحات میں خود پر کنٹرول کیا اور خیالات کو کسی بھی گندے خیال سے دور رکھا ہمیشہ اس کی پاکیزگی کا خیال رکھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ چاندنی اصل میں کنول ہے اور کنول ایک کنواری لڑکی ہے۔''

''تم نے ایسا ہی کیا ہو گا..... میں محسوس کرتی ہوں۔ تمہارے کردار کی بلندی کی میں کیا تعریف کروں۔ ورنہ اس دنیا میں اکثر گناہ یوں کئے جاتے ہیں۔ جیسے وہ گناہ نہ ہوں حق ہو۔ تم میرے ساتھ رہے میں چاندنی تھی یا کنول، تھی تو ایک لڑکی، میں اب تک ویسی ہی ہوں ورنہ تمہارے پاس تو ہر بہانہ موجود تھا چاندنی تم پر فدا تھی کیوں تھی اس کا تو مجھے اندازہ نہیں مگر وہ خود کو تمہارے سپرد کرنے میں شاید دیر نہ کرتی یہ صرف تمہارے کردار کی بلندی ہے۔'' وہ بولی۔

''جب ہم پاکستان آنے کو ۱۹۴۷ء میں سلطان پور سے روانہ ہوئے تھے اس وقت ہم کل چار نفر تھے۔ میں میرا والد، والدہ اور ایک بہن پاکستان پہنچے تو دو کم تھے۔ والد کو قتل کر دیا گیا اور بہن کو اغوا کر لیا گیا۔ پاکستان ہم کو آسانی سے نہیں ملا۔ دو جانوں کے علاوہ مکان زمین سب کچھ اس پر قربان کرنا پڑا کوئی چیز آسانی سے مل جائے تو اس کی قدر نہیں ہوتی ذرا کوشش اور قربانی دینے کے بعد ملے تو

قدر بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے مجھے اس سرزمین سے پیار ہے سارے دکھ سارے رنج اس کے نام پر اٹھائے ہیں۔ میں اس گھر کو اپنی محنت سے بنانا چاہتا ہوں کسی سے مانگ کر ادھار لے کر یا کسی کا احسان لے کر نہیں بنانا چاہتا اس لئے تمہاری امانت تم کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری شخصیت کا یہ ایک اور بلکہ روشن پہلو میرے سامنے آ گیا ہے۔'' وہ بولی۔ ''چاندنی تمہاری ان ہی خوبیوں کی وجہ سے تمہارے قریب آ گئی تھی۔'' وہ بولی۔

''یہ تمہاری قدر دانی ہے کہ تم اس کو خوبی کہہ رہی ہو حالانکہ یہ تو ایک عام بات ہے جو کہ ہر کسی میں ہونا چاہئے۔ اگر کسی میں نہیں تو وہ انسان ہی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری بہن کو اغوا کیا گیا کیا تمہارے دل میں انتقامی جذبہ نہیں ابھرا ایک ہندو لڑکی تمہارے پاس تھی تم نے اس سے انتقام کیوں نہیں لیا۔'' کنول نے پوچھا۔

مجھے ہنسی آ گئی۔ ''کیسی بات کرتی ہو جن لوگوں نے میری بہن کو اغوا کیا ان کا اس لڑکی سے کیا تعلق کسی کی کرنی کسی اور کے سر پر کیوں ڈالی جائے۔ دوسری بات یہ کہ بات ہوتی ہے کردار کی اور کردار تربیت سے بنتا ہے۔ اگر میری اصلیت میں فرق ہوتا تو تربیت میں بھی فرق ہو جاتا۔'' میں نے کہا۔

''آج کے دور میں پورا پورا شریف اور پورا پورا ایماندار بہت مشکل سے ملتا ہے۔'' وہ بولی۔

''مگر میرے نقطہ نظر سے کم از کم اتنا شریف تو ہونا ہی چاہئے۔'' میں نے کہا۔

''ہونا چاہئے مگر نہیں ہے وہ زمانہ گیا جب نیکی برائے نیکی کی جاتی تھی۔ اب نیکی صرف باہمی مفاد کے لئے کی جاتی ہے تم اس دنیا کے شاید اکلوتے انسان ہو۔'' کنول نے کہا۔

''تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر میرے اندر ایک میرا محاسب بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بڑا سخت ہے۔ فوراً ٹوک دیتا ہے۔ وہ میری باریک سے باریک حرکت پر بھی نظر رکھتا ہے میں اس سے کیسے بچوں گا۔'' میں نے کہا۔

''اسی لئے میں نے تم کو اکلوتا کہا تھا جب تک تم اس کی سنتے رہو گے بھٹکو گے نہیں۔'' کنول نے کہا۔

بہر حال ہم نے اسی دن ہوٹل چھوڑ دیا اور کراچی روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن پر میں نے کہا۔ ''میں تم کو تمہارے گھر پہنچا دیتا ہوں۔''

''اور تم کہاں جاؤ گے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''میں جب اس گھر میں آیا تھا اس وقت میں ایک جھگی میں رہتا تھا پھر کسی جگہ جھگی بنا لوں

گا۔ سارے شہر میں جھگیوں کی فصل اگی ہوئی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' وہ بولی۔

''میں چاندنی کے پاس رہتا تھا میں یا اس نے رشتہ جوڑا تھا وہ تو اب ہے نہیں پھر میرا وہاں کیا کام ہے۔''

''تم چاندنی کے ساتھ رہ سکتے ہو تو پھر کنول کے ساتھ بھی رہ سکتے ہو۔'' وہ بولی۔

میں نے کہا۔'' دیکھو کنول بے شک تم میرے مذہب کی نہیں ہو۔ مگر ایک لڑکی تو ہو اور کنواری لڑکی ہو بدنامی سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا کیونکہ میرا ابھی اس معاشرے میں کوئی مقام نہیں ہے اور میں تو ہوں ہی ایک بے نشان سا آدمی مگر تم ایک خاندان رکھتی ہو کبھی نہ کبھی تم کو اپنے خاندان سے ملنا ہے ان کے سامنے جانا ہے۔ ان کو جواب دینا ہے۔ ذرا سوچو میرے بارے میں کسی نے تم سے سوال کر دیا تو تم کیا جواب دو گی۔ چاندنی کے پاس جواب تھا مگر کنول کے پاس جواب نہیں ہے۔''

''اچھا پہلے گھر چلو پھر سوچیں گے۔'' وہ بولی۔

ایک دو ماہ کے بعد میں نے دروازہ کھولا اندر دھول مٹی جمع ہو گئی تھی میں نے اندر آتے ہی کپڑا لے کر لیکر صفائی شروع کر دی مجھے دیکھ کر کنول بھی لگ گئی۔ شام تک ہم لوگ یہی کچھ کرتے رہے۔

''کیا کھانے کا پروگرام نہیں ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔'' وہ بولی۔

''چلو ایسا کرتے ہیں کہیں باہر چلتے ہیں۔''

''سوچ لو چاندنی برہمن تھی میرے ساتھ کھاتی تھی۔'' میں نے از راہ مذاق کہا۔

''اگر چاندنی برہمن ہو کر تمہارے ساتھ کھاتی تھی تو میں ویش ہوں اس سے بھی کم درجے کی..... پھر کیوں نہیں کھا سکتی۔'' وہ بولی۔

''اس کے جذبات کچھ اور تھے، یہ دوسری بات ہے کہ میں اس کی مہربانیوں کو اب تک سمجھ نہیں سکا۔''

میں نے کہا تو وہ بولی۔'' مگر تم کو اب اتنا کشٹ نہیں اٹھانا پڑے گا اب چلو بہت بھوک لگی ہے۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔

میں نے ہنس کر کہا۔'' تم گوشت کھاتی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

وہ میرے کان کے پاس منہ لا کر بولی۔'' تم کھلاؤ گے تو انکار نہیں کروں گی۔''

''چاندنی مجھ سے بڑی تھی میں اس کے سامنے خود کو بہت کم عقل اور چھوٹا سمجھتا تھا۔ مگر تم سے

صرف چار سال چھوٹا ہوں، یہ فرق کوئی زیادہ نہیں ہے میں تم سے دبوں گا نہیں میں جو کہوں مان لینا۔'' میں نے مذاق کیا۔

''مان لوں گی اب چلو بھی۔'' وہ بولی۔

ہم نے ایک اچھے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ میں نے بریانی کھائی اس نے بھی وہی کھائی۔ اس کے بعد گولہ کباب تھے وہ بھی اس نے رغبت سے کھائے۔ گھر آ کر ہم نے سب کمروں کی صفائی کر دی۔ میں صبح ہمیشہ سے بہت جلد بیدار ہونے کا عادی رہا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں صبح ورزش ضرور کرتا ہوں۔ واپسی میں ناشتہ خرید کر لے آیا اور پھر کنول کو اٹھا دیا۔'' جلدی تیار ہو کر آ جاؤ ناشتہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''تم بازار سے کیوں لے آئے میں بنا لیتی۔'' وہ بولی۔

''ابھی ناشتہ بنانے کو باورچی کھانے میں کچھ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''آج سب خریداری کر لو کل سے گھر میں کھانا پکے گا۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک ہے جو حکم ملکہ کا، غلام وہی کرے گا ابھی تو ناشتہ کر لو۔'' میں نے کہا۔

''اصرار کرتے ہو تو کر لیتی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''یہ آپ کی مہربانی ہے میں تو اس ڈر سے لے آیا تھا کہ بھوک میں تم بڑی خوفناک نظر آتی ہو کہیں میری بوٹیاں نہ کھانے لگو۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''پہلے ناشتہ کرنا چاہئے، اچھا یہ بتاؤ تم چاندنی سے بھی اتنے ہی بے تکلف تھے۔'' وہ بولی۔

''ارے نہیں اس سے تو مجھے ڈر لگتا تھا کہیں ڈانٹ ہی نہ دے مگر اس کی ڈانٹ میں بھی پیار ہوتا تھا۔ اس کی ہر بات میرے فائدے کی ہوتی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس کو اس کا بچھڑا پتی مل جائے اب پتہ نہیں بیچاری کہاں ہو گی۔'' میں نے کہا۔

ناشتے کے بعد ہم دونوں مارکیٹ گئے اور ضرورت کی ہر چیز خرید لی۔ چاندنی اور کنول دونوں کی الگ الگ شخصیتیں تھیں۔ چاندنی سنجیدہ مزاج بردبار اور ایک تجربہ کار عورت تھی اس کی باتوں میں تجربہ اور گہرائی زیادہ تھی۔

کنول کے بارے میں، میں اب تک کوئی فیصلہ کن اندازے نہیں کر سکا تھا۔ اس کا سلوک میرے ساتھ دوستانہ تھا ہم روز ہی باہر جاتے تھے ساتھ کھاتے فلمیں دیکھتے۔

''کیا صرف اسی کا نام زندگی ہے۔'' ایک دن کنول نے کہا۔

''نہیں صرف یہی زندگی نہیں ہے اس سے آگے بھی بہت کچھ ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر ہم لوگ تو ایک ہی دائرے میں گھوم رہے ہیں۔ کولہو کے بیل کی طرح۔'' وہ بولی۔

''کولہو کے بیل کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے۔ ہماری آنکھیں تو کھلی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہم بھی اگر پٹی باندھ لیں تو کیا فرق رہ جائے گا۔'' وہ بولی۔

''فرق زیادہ نہیں رہے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم بتاؤ نا اس دائرے سے آگے کیا ہے؟''

''اس دائرے کے باہر دنیا پڑی ہے۔ گھر ہے، شادی ہے، بچے ہیں، ان کی پرورش ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ سب تمہارے پروگرام میں شامل ہے۔'' وہ بولی۔

''ہے تو، مگر مستقبل قریب میں اس کا امکان نظر نہیں آتا۔'' میں نے کہا۔

''کیوں نظر نہیں آتا..... تم ایک پڑھے لکھے وکیل ہو صاحب جائیداد ہو تم میں کس بات کی کمی ہے۔'' وہ بولی۔

''یہ تم کہتی ہو مگر مجھے ابھی اپنا مستقبل اندھیرے میں لگتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کیسی بچوں سی بات کرتے ہو تم سے تو ہر لڑکی شادی کرنا پسند کرے گی۔'' وہ بولی۔

''یہ سب جائیداد بلڈنگ امانت ہے تمہاری، میری کب ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم کسر نفسی سے کام لے رہے ہو۔'' وہ بولی۔

''چوہا دوکان بند ہونے کے بعد مالک کی گدی پر بیٹھ جاتا ہے مگر وہ اس سے سیٹھ نہیں بن جاتا۔ صبح دوکان کھلتی ہے تو سیٹھ پھر اپنی گدی پر آ جاتا ہے اور چوہا کسی بل میں چلا جاتا ہے۔ میں صرف رکھوالا ہوں۔ یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ میں نے خود کو کبھی مالک نہیں سمجھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''سب جانتے ہیں تم مالک ہو، تم نہیں مانتے نہ مانو مگر مالک تو اب تم ہی ہو۔'' وہ بولی۔

''اسی لئے میں تمہاری امانت واپس کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اگر میں لینے سے انکار کر دوں تو.....'' وہ بولی۔

''میری بات غور سے سنو تم چاندنی نہیں ہو تم کنول ہو، چاندنی نے شاید اپنے پتی کے دھوکے میں مجھے نوازا تھا۔ تم یہ مہربانی کیوں کرتی ہو۔ اس کا جواب دو۔'' میں نے پوچھا۔

''تمہارے سوال کا جواب میں ابھی نہیں دوں گی۔ اس سوال کا جواب آنے والا وقت دے گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ٹھیک ہے میں اس وقت کا انتظار کر رہا گا۔'' میں نے کہا۔

''تم چاندنی کے ساتھ رہے ہو تم کنول کو یہاں جانتے ہو تم کو پتہ ہے نیکی اور بدی میں بہت کم فاصلہ ہوتا ہے صرف ایک لمحے کا، نیک انسان کے دل میں بھی اندھیرا پھیلتے دیر نہیں لگتی اور کسی مردہ ضمیر انسان سے بھی نیکی ہو جاتی ہے۔'' کنول نے بہت ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی۔

''تم نے بہت گہرائی اور فلسفے کی بات کی ہے اب تم بھی چاندنی کے انداز میں بولنے لگی ہو۔'' میں نے کہا۔

''تم میری ذات کے بارے میں اندازے لگانا چاہتے ہو۔ مجھے خوب آزماؤ ایک لمحے کا فاصلہ برقرار رہے گا۔ کبھی اندھیرا نہیں ہوگا میں چاندنی نہیں ہوں کہ چند روز کے بعد چلی جاؤں میں تمہاری ہر آزمائش میں پوری اتروں گی۔''

اس نے خم ٹھونک کر کہا۔

''میں بھی تمہارے سامنے ہوں، کسوٹی تمہارے پاس ہے۔ وقت کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ اچھی طرح غور کرو۔''

میں نے کہا تو وہ بولی۔ ''اچھا یہ بتاؤ میرے پتا کا پتہ ہے تمہارے پاس۔'' وہ بولی۔

''میرے پاس تو نہیں مگر چاندنی کے پاس ضرور ہوگا تم تلاش کرو اسی کمرے میں مل جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ ہو سکتا ہے میں تلاش کرتی ہوں۔''

''کیا خط ڈالو گی۔'' وہ بولی۔

''نہیں میں خود جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے تم کو چاندنی نے اپنوں سے جدا کر دیا تھا اب تو کوئی رکاوٹ ہے ہی نہیں۔'' میں نے کہا۔

''تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے۔'' وہ بولی۔

''میں کیوں جاؤں گا میرا وہاں کون ہے؟'' میں نے کہا۔

''تم میرے ساتھ جاؤں گے میں اکیلی تو نہیں جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''کیوں اکیلے جانے میں کیا پریشانی ہے تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''مگر میں تم کو ساتھ رکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''مگر کیوں؟ میرا تمہارا کیا رشتہ ہے؟ میرے ساتھ جانے پر ہزاروں سوال تمہارے سامنے آئیں گے تم کس کس کا جواب دو گی۔ تمہارے کردار پر بڑے سخت کوڑے برسائے جائیں گے تم نے

یہ سوچا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میں وہاں رہنے نہیں جارہی۔ میں صرف ملاقات کرنے جارہی ہوں تم ہو گے تو واپس تمہارے ساتھ آ جاؤں گی اکیلے جاؤں گی تو واپسی مشکل ہوگی۔'' وہ بولی۔

''میری سمجھ میں تمہاری منطق نہیں آئی۔'' میں نے کہا۔

''تم صرف ملاقات کرنے جاؤں گی۔ وہاں رہوگی کیوں نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا ارادہ تو یہی ہے مگر وہاں جا کر حالات کیا رخ اختیار کریں گے اس کا مجھے اندازہ نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''میرا اندازہ یہ ہے کہ تم واپس نہیں آ سکوگی۔'' میں نے کہا۔

''میں کیا بتاؤں کچھ کہہ نہیں سکتی۔'' وہ بولی۔

''میں چاہتا ہوں جانے سے پہلے تم اپنی جائیداد کا فیصلہ کرلو۔'' میں نے کہا۔

''میں کہہ چکی ہوں وہ سب تمہارا ہے اب اس کی بات نہ کرنا مجھے دکھ ہوتا ہے۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک ہے میں آئندہ اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔

کنول کی ولدیت کے خانے میں ایک فرضی مسلمان نام لکھ دیا اور پاسپورٹ بنوالیا۔ میرا پاسپورٹ بھی بن گیا کنول نے جانے سے پہلے کسی قسم کی اطلاع اپنے والد کو نہیں دی میں نے کہا تو اس نے کہا۔ ''میں اچانک جاؤں گی تو وہ زیادہ خوش ہوں گے۔''

بمبئی ایئرپورٹ سے ہم دونوں سیدھے اس پتے پر پہنچے جو خط پر لکھا تھا۔ دروازے پر شرما بھگوان داس کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ کنول نے کہا۔ ''میرے باپ کا نام ہے۔ یہی مکان ہے گھنٹی بجاؤ۔''

میں نے گھنٹی بجائی تو ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا اور بولی۔ ''کس کو مانگتا ہے۔''

کنول نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''اپنے پتا کو مانگتا ہے۔''

عورت نے حیرت سے اس کو دیکھا اور بولی۔ ''تم کون ہے کدھر سے آیا ہے؟''

کنول نے جواب دیا۔ ''میرا نام کنول ہے میں کراچی سے آئی ہوں۔''

بوڑھی عورت ایک دم اچھل پڑی۔ ''چھوٹا بٹیا ہے آؤ آؤ اندر آؤ باہر کیوں کھڑی ہو۔''

کنول نے دہلیز کے اندر قدم رکھ دیا میں باہر ہی کھڑا رہا۔ وہ ایک قدم اندر گئی اور پھر رک کر کھڑی ہوگئی اور مجھ سے بولی۔ ''اندر آؤ کھڑے کیوں ہو۔''

''پہلے صاحب خانہ سے میرے لئے اجازت تو لے لو۔'' میں نے کہا۔

''یہ میرے باپ کا گھر ہے میں جو کہہ رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

اندر سے آواز آئی۔ ''کون آیا ہے بسنتی؟'' کسی مرد نے پوچھا۔

''چھوٹی بٹیا کراچی سے آئی ہیں۔'' بسنتی نے جواب دیا۔

پوچھنے والا ایک لمحے میں دروازے پر آ گیا اور میری بیٹی کہہ کر کنول کو لپٹالیا۔ یہ کنول کا باپ بھگوان داس تھا۔ چند منٹ دونوں باپ، بیٹی ایک دوسرے سے لپٹے رہے پھر الگ ہوگئے بھگوان داس نے کہا۔ ''کتنی بڑی ہوگئی ہے میری بیٹی۔''

''ہاں میں بڑی ہوگئی ہوں مگر آپ نے اپنا دھیان نہیں رکھا، کتنے کمزور نظر آرہے ہیں۔'' وہ بولی

''تیری فکر ہر وقت لگی رہتی تھی اب تو آ گئی ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ بولا۔

اچانک بھگوان داس کی نظر مجھ پر پڑی وہ چونک کر بولا۔ ''یہ تیرے ساتھ کون ہے۔''

''یہ حیدر علی ہے میرے ساتھ کراچی سے آیا ہے۔'' کنول نے جواب دیا۔

''تو اکیلی نہیں آ سکتی تھی یہ تیرے ساتھ کیوں آیا ہے؟'' وہ بولا۔

''ساری باتیں دروازے پر ہی ہوں گی، اندر نہیں آنے دو گے کیا۔'' کنول نے کہا۔

''نہیں نہیں ایسا کیسے ہوگا اندر آؤ۔'' وہ بولا۔

کنول نے میری طرف دیکھا اور بولی۔ ''آؤ حیدر، اندر آ جاؤ۔''

یہ ایک بہت شاندار مکان تھا بہت بڑا سا ڈرائنگ روم تھا اس میں جدید طرز کے فرنیچر کو ہایا گیا تھا میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا، کنول اور بھگوان داس بھی بیٹھ گئے تو بھگوان داس نے ہا پوچھا۔ ''تو پہلے یہ بتا کہ تو کنول ہے کہ چاندنی؟ میری تو عقل تو نے چکرادی ہے۔''

کنول زور سے ہنس پڑی اور بولی۔ ''باپو میں تمہاری کنول ہوں چاندنی جہاں سے آئی تھی پھر واپس چلی گئی ہے۔''

''یہ بڑا اچھا ہوا۔ چاندنی کے بھوت نے تو میری زندگی اجیرن کردی تھی مگر یہ کس طرح ہوا، یہ بھی تا ..... '' بھگوان داس نے پوچھا۔

''وہ بھوت جس طرح خاموشی سے آیا تھا اسی طرح چلا گیا۔'' کنول بولی۔

''چلو اچھا ہوا اب ذرا ان مہاشے کا بھی پرتیچ کرادے۔'' بھگوان داس نے پوچھا۔

''ان کا نام حیدر علی ہے۔ یہی ساری جائیداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور میری دیکھ بھال بھی یہی رتے ہیں یہ وکیل ہیں وکالت پاس کرلی ہے مگر کرتے نہیں۔ اس کے علاوہ ان میں چاندنی کے پتی

راجن کی کچھ خصوصیات ہیں ان کی وجہ سے ہی چاندنی نے ان کو ڈھونڈا تھا، پتاجی چاندنی کردار کی بہت مضبوط عورت تھی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہیں۔ ان کی تعریف صرف اتنی ہی نہیں ہے۔ ہم دونوں اسی فلیٹ میں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ ساتھ کھاتے، پیتے ہیں اور ساتھ ہی گھومتے پھرتے ہیں۔ لوگ مجھے کنول کے نام سے جانتے ہیں اور اکثر لوگ ان کو میرا پتی بھی کہتے ہیں مگر تمہاری بیٹی آج بھی اسی طرح پوتر ہے جس طرح تم نے چھوڑا تھا یہ ہے اس شخص کا کردار اور اس کی تعریف۔''

بھگوان داس اٹھ کر کھڑا ہو گیا تشکرانہ نظروں سے میری طرف دیکھتا ہوا میری طرف بڑھا اور گلے لگالیا اور بولا۔ ''میں نے تو اب تک سرسری نظروں سے ان کو دیکھا تھا مجھے کیا پتہ تھا کہ میرے گھر تو بھگوان پدھارے ہیں ارے اس زمانے میں ایسی بات انہونی سی لگتی ہے۔ کچھ تو بولو تم نے اب تک ایک شبد بھی نہیں بولا۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''کنول مجھ پر بہت مہربان ہیں یہ ان کی مہربانی ہے میں تو ان کا ملازم ہوں ان کی عزت اور جان کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے' جو میں نے ادا کیا ہے اتنی سی بات کو انہوں نے میری تعریف بنادیا ہے۔'' میں نے آہستہ آہستہ سکون سے کہا۔

''تم من اور تن دونوں کے اجلے ہو اس لئے تمہارے بول بھی سچے ہیں۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''میں ایک بہت معمولی سا انسان ہوں۔ چاندنی نے مجھ میں کیا پایا تھا کہ اپنے قریب کرلیا تھا۔ چاندنی بہت بلند کردار کی عورت تھی۔ اس کے ساتھ رہ کر میں نے زندگی گزارنے کے بہت سے ڈھنگ سیکھے ہیں اس کے کردار کی بلندی نے میرے کردار کی نسب ونما کی ہے۔ چاندنی خود اچھی تھی اس لئے اس نے مجھے بھی ایسا ہی دیکھنا چاہا تھا اور میں اس کے برابر تو نہیں مگر اس کی نقل ضرور کرتا ہوں۔ میں نے اب تک کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے۔ ایک انسان کے ناطے مجھے جو کرنا چاہئے تھا وہی کیا ہے اس کئے میں خود کو کسی شاباشی کا مستحق سمجھتا ہوں نہ انعام کا۔''

میں نے آہستہ آہستہ سنجیدگی سے کہا۔

''تم عمر میں بے شک مجھ سے چھوٹے ہو مگر صداقت کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ وہ خود بخود سامنے آکر الفاظ کی سچائی کی گواہی دے جاتی ہے۔ تمہاری سچائی کی گواہ میرے سامنے ہے۔ تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے۔ اس کا بدل کچھ نہیں ہوسکتا۔ کنول کی گواہی نے تمہارا رتبہ میری نظر میں بہت اونچا کردیا ہے۔ میرے من میں تمہارے لئے اب صرف عزت ہے۔ کتنی عزت کیا بتاؤں کوئی ترازو اس کے وزن کو تول نہیں سکتا میں کنول کی طرف سے مایوس ہو گیا تھا اسی کارن میں نے اس کی

زندگی بھر کے لیے انتظام کردیا تھا۔ یہ پھر مجھے ویسی کی ویسی مل جائے گی اس کا میں گمان بھی نہیں کرسکتا تھا میں ایک ایسا باپ ہوں جس کی صرف دو اولادیں ہیں اس کی ماں اس کے پیدا ہوتے ہی پرلوک سدھار گئی تھی میں نے ماں بن کر اس کو پالا تھا۔ چھ سال کی عمر میں یہ چاندنی بن گئی میرے لئے یہ کتنا بڑا صدمہ تھا میں نے اس راز کو راز ہی رکھا اور جب ذرا یہ ہوش میں آگئی تو میں کراچی گیا اس کی ہتائی ہر بات درست تھی۔ مجھے ماننا پڑا کہ یہ چاندنی ہے میں نے سینے پر پتھر رکھا اور اس کو اکیلا کراچی میں چھوڑ دیا۔ میری حالت کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔ اگر یہ بات میں پھیلا دیتا تو دھرم کے ٹھیکیدار اس کا جینا دوبھر کردیتے ہیں اس لئے میں خاموشی سے چلا آیا۔ مگر بھگوان گواہ ہے کہ میں کبھی سکون کی نیند نہیں سویا اچانک مجھے اس کا خیال آجاتا تھا۔ برے برے خیالات آتے تھے اور میں ساری رات کمرے میں ٹہلا کرتا تھا۔ میں تمہاری آرتی اتارنے کی تیاری کرتا ہوں تم بھگوان سمان ہو تم نے میری عزت کی رکھوالی کی ہے۔'' بھگوان داس بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

میں خاموش تھا۔ کنول اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے پاس آگئی۔ ''تم کیوں خاموش ہو؟'' وہ بولی۔

''مجھے پتہ ہوتا کہ میری ایسی درگت بنائی جائے گی تو میں نہ آتا۔'' میں نے کہا۔

''درگت کیسی سفر میں کوئی پریشانی ہوگئی تھی؟'' بھگوان داس نے پوچھا۔

''سفر میں کچھ نہیں ہوا۔'' کنول نے تعجب سے کہا۔

''پھر کیا ہوا ہے۔ بتاؤ تو۔'' بھگوان داس نے تشویش سے پوچھا۔

''بات یہ ہے کہ میرے مہربان بزرگ نے میری اتنی تعریف کردی ہے کہ میں آسمان پر اڑتا ہوا محسوس کررہا ہوں ذرا سی چوک ہوئی اور زمین پر اونچائی سے گر پڑوں گا۔'' میں نے کہا۔

''تو تم اس کو درگت کہہ رہے تھے تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''میں انسان ہوں مجھے زمین پر ہی رہنے دیں تو اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم جس میں خوش ہو، میں بھی اس میں خوش ہوں۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''راجیش بھیا اب تک نظر نہیں آئے۔'' کنول نے کہا۔

''وہ پونا میں ہے۔ وہ تو پونا میں ہی سیٹ ہوگیا ہے۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''وہاں کیا کرتے ہیں.....'' کنول نے پوچھا۔

''کاغذ کا کاروبار کرتا ہے، بڑا کاروبار ہے۔'' بھگوان داس نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

چاندنی کی بمبئی میں مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں۔ ہر روز اس کی کہیں نا کہیں دعوت ہوتی تھی۔ بھگوان داس بھی بہت خوش تھا۔ ہر دعوت میں میری شرکت لازمی تھی۔ میرے کہنے کے باوجود بھگوان داس میری تعریف کر دیا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ ''کسی کی اچھائی کو چھپانا نہیں چاہئے اس سے اچھائی کا پھیلاؤ رک جاتا ہے اچھائی کو پھیلانا چاہئے اس کا دائرہ بڑھانا چاہئے دنیا میں ہم اس طرح برائی کو کمزور کر سکتے ہیں۔ آج کی دنیا میں لوگ برائی کے دائرے بڑھاتے ہیں۔ اور اس کو عام کرتے ہیں، میں تو اچھائی کو آگے لا رہا ہوں۔''

اور میں شرمندہ شرمندہ سا ہو جاتا۔ میرے پاس ان کی دلیل کا جواب نہیں تھا۔ ہر دعوت میں، میں چاندنی کے ساتھ ہوتا تھا۔ ہمارے لئے الگ گاڑی تھی۔ دعوتوں کے علاوہ بھی ہم بمبئی میں ساتھ ساتھ گھوما کرتے تھے۔ کنول کے اور نہ جانے کتنے رشتہ دار تھے۔ وہ بمبئی میں رہتے تھے ہمارے ساتھ ساتھ رہنے پر کسی کو اعتراض نہیں ہوا۔ وجہ اس کی بھگوان داس تھا۔

ہم جس طرح کراچی میں آزاد تھے اسی طرح یہاں پر بھی ہم پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ بھگوان داس اعلیٰ تعلیم یافتہ تو نہیں تھا مگر اعلیٰ ظرف ضرور رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ دونوں کراچی میں ایک گھر میں اکیلے رہے ہیں ان پر وہاں کون تھا اگر یہ اس وقت باکردار رہے تو اب بھی ایسے ہی رہیں گے۔ پابندی تو یقین کی کمی کی وجہ سے لگائی جاتی ہے۔

بھگوان داس ایک سرمایہ دار آدمی تھا۔ آزاد خیال بھی تھا۔ اس کے اتنے بڑے گھر میں صرف ایک کمرہ ایسا تھا جہاں پر مورتی رکھی تھی وہ کمرہ ہر وقت بند رہتا تھا اس کے علاوہ وہ گھر ہمارے گھروں جیسا تھا بھگوان داس نے مذہب کے موضوع پر کبھی بات نہیں کی تھی وہ لوگ بڑا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ چکن کا استعمال روز تھا۔ ناشتہ انڈے کا تھا وہ لوگ میرے ساتھ بیٹھ کر کھاتے تھے۔ کبھی کسی نے مجھ پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ اگر کوئی مہمان ہوا تو بھی سب ایک ٹیبل پر کھاتے تھے۔

ان کے مہمان بھی ان کی طرح تھے۔ کسی نے کبھی چھوت چھات کی بات نہیں کی تھی۔ ویسے بمبئی شہر میں اور خاص طور سے اونچی سوسائٹی میں لوگ چھوت چھات کے قائل نہیں۔ اس شہر میں ہندوستان بھر کے لوگ آباد ہیں۔ دور دراز سے لوگ یہاں روزگار کی تلاش میں آتے ہیں اور روزی کماتے ہیں۔

یہ شہر فلم انڈسٹری کا دل ہے۔ فلم انڈسٹری میں بڑے بڑے نام مسلمانوں کے تھے۔ شاعر اور ادیب بھی سب مسلمان تھے، بڑے بڑے ڈائریکٹرز اور میوزک ڈائریکٹرز سب ہی بڑے نام مسلمانوں کے تھے۔

پونا میں راجیش کو خبر کر دی گئی تھی مگر وہ خود نہیں آیا اس نے کنول کو پونا بلایا تھا۔

اس طرح ہمارا پونا جانے کا پروگرام بن گیا۔ میں کنول اور بھگوان داس پونا روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن پر ہمیں لینے راجیش خود آ گیا دونوں بھائی بہن لپٹ کر گلے ملتے رہے دونوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ دونوں الگ ہوئے تو راجیش کی نظر مجھ پر پڑی اور اس نے چونک کر بھگوان داس سے پوچھا۔ ''یہ مہاشے کون ہیں۔''

''یہ حیدر علی ہیں، نام تو ان کا یہی ہے مگر ہیں پورے دیوتا۔'' بھگوان داس نے مسکرا کر کہا۔

میں نے جلدی سے کہا۔ ''راجیش بھائی آپ ان کی بات پر نہ جائیں میں ایک بہت معمولی انسان ہوں بس اور یہ مجھے انسان سے دیوتا بنائے دے رہے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں کنول کا ملازم ہوں تو بھی ٹھیک ہے۔''

کنول میری بات کاٹ کر بولی۔ ''آئندہ خود کو ملازم نہ کہنا ورنہ ناراض ہو جاؤں گی۔''

''میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔'' راجیش نے کہا۔

''ابھی تمہاری سمجھ میں آئے گا بھی نہیں گھر جا کر پورا پریچے کراؤں گا تو پھر تم میری بات کی تصدیق کرو گے۔''

بھگوان داس نے کہا۔

''کس بات کی تصدیق۔'' راجیش نے پوچھا۔

''ارے بھگوان والی بات۔'' بھگوان داس نے کہا۔

راجیش کی اپنی گاڑی تھی پونا بھی بمبئی کے رنگ کا شہر ہے راجیش کا بنگلہ ایک صاف ستھرے علاقے میں تھا اس علاقے کے سارے مکانات بڑے بڑے اور صاف ستھرے تھے۔

راجیش بھی باپ کی طرح کھلے دماغ کا آدمی تھا بھگوان داس نے اس کو کنول کی پوری کہانی سنا دی تھی۔ چاندنی کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے سے بھی اجنبیت کی دوری ختم ہو گئی تھی۔ ہم راجیش کی گاڑی میں گھومتے پھرتے، یہاں پر بھی ہم پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی وجہ تھی کہ بھگوان داس اور راجیش دونوں جانتے تھے کہ ہم دونوں کراچی میں ایک چھت کے نیچے رہتے تھے اگر دلوں میں کھوٹ ہوتا تو کچھ بھی ہو سکتا۔

ہر دوسرے روز راجیش کے دوستوں کے گھروں پر ہماری دعوت ہوتی تھی ان دعوتوں کا ماحول اس طرح کا تھا کہ ان میں مسلمان ہندو اور دیگر مذاہب کے لوگ بلا تکلف شریک ہوتے تھے۔

کسی کو کسی پر اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ میں نئے ماحول میں خود کو اجنبی محسوس نہیں کرتا تھا۔

سیٹھ موہن لال پونا کے بہت بڑے آدمی تھے۔ان کی بڑی ساکھ تھی کروڑوں کا کاروبار کرتے تھے ان کا بیٹا راجیش کا دوست تھا۔اس کا نام دینا لال تھا۔اس نے بھی میری اور کنول کی دعوت کر دی اس دعوت میں پونا کے سب ہی نامی گرامی لوگ موجود تھے۔میرا اور کنول کا سب سے تعارف کرایا گیا۔دینا لال ہمارے ساتھ تھا وہی تعارف کرا رہا تھا۔موہن لال تو بوڑھے آدمی تھے دینا لال ہم دونوں کو ان کے پاس لے گیا دینا لال نے میری طرف دیکھا پھر چشمہ پکڑ کر درست کیا پھر دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھالیا اور حیرت سے ہر زاویے سے دیکھنے لگے۔ان کی یہ حالت دیکھ کر مجھے ہی نہیں سب کو تعجب ہوا۔راجیش نے دینا لال کے کارندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کیا ہوا دینا یہ انکل پریشان ہو گئے۔'' دینا اور موہن دونوں خاموش رہے۔وہ میرے اور قریب آ گئے۔دینا لال بھی میرے قریب آ گیا اور بولا۔''باپو آپ کچھ پریشان ہیں۔''

مگر موہن لال کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی وہ برابر مجھے دیکھے جا رہے تھے۔دینا لال پریشان ہو کر بولا۔''باپو کچھ تو بولیں آخر ہوا کیا ہے؟''

انہوں نے ایک لمبی سانس لی اور بولے۔''یقین نہیں آ رہا۔کیا بتاؤں۔''ان کی آواز تھکی تھکی سی تھی۔

''کس بات کا یقین نہیں آ رہا پتہ تو چلے۔'' دینا لال نے پوچھا۔

''یہ بتاؤ اس کا نام کیا ہے؟''موہن لال نے کہا۔

میں نے پہلی بار زبان کھولی۔''راجیش بھائی نے میرے بارے میں بتایا تو ہے۔''

''باپو ان کا نام حیدر علی ہے۔'' دینا نے کہا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو اس کا نام راجن ہے میرے دوست کا بیٹا راجن،اس کا باپ میرا کلاس فیلو تھا، میں اس کو کس طرح بھول سکتا ہوں اس کی آواز،قد کاٹھ، چہرہ، یہ راجن ہے۔تم میں سے کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ حیدر علی نہیں ہے۔راجن ہے میرے دوست کا بیٹا۔میں نے اپنے ہاتھ سے اس کو دولہا بنایا تھا۔اس کی شادی چاندنی سے کروائی تھی اور پھر اس کی ارتھی کو بھی میں لے کر شمشان گھاٹ گیا تھا۔یہ میری زندگی کا بہت دردناک پہلو ہے، میں اب تک راجن کو نہیں بھلا سکا ہوں۔میرے ساتھ ہر وقت رہتا ہے،اس کا چہرہ میرے سامنے سے کبھی نہیں ہٹا۔میں جانتا ہوں تم جوان لوگ میری بات پر دھیان نہیں دو گے، میں اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کو تم کو اپنا البم دکھاتا ہوں۔وہ میری بات کو سچا ثابت کرنے کو کافی ہے۔'' اور اٹھ کر بولے۔''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیئے ہم سب بھی ان کے ساتھ چلے۔کمرے میں پہنچ کر انہوں نے ایک الماری کھولی اور اس میں سے ایک بہت پرانا موٹا سا البم نکالا اور اس کا پہلا صفحہ کھول کر سب کے سامنے کر دیا۔

میری ایک بہت بڑی تصویر میرے سامنے تھی۔کئی جگہ پر موہن لال اور میری تصویریں بھی تھیں۔سب حیران تھے کسی کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔پھر موہن لال نے کہا۔''اب میں تم کو راجن اور اس کی بیوی کی وہ تصویر دکھاتا ہوں جو اس کی شادی پر بنائی گئی تھی۔''

انہوں نے دوبارہ الماری کھولی اور ایک فریم شدہ بڑی سی تصویر نکالی اور اس کو سامنے کر دیا، میں دولہا بنا ہوا اس میں موجود تھا اور میرے برابر ایک بہت حسین لڑکی دلہن کے روایتی لباس میں موجود تھی۔میری عقل بھک سے اڑ گئی۔''یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔میں کہاں آ گیا ہوں۔میری جو حالت تھی وہ تو تھی مجھ سے بدتر حالت کنول کی تھی۔اس نے چاندنی کو دیکھ لیا تھا اب تک اس نے اس کا نام سنا تھا آج وہ اس کے سامنے تھی۔

جتنے لوگ یہاں موجود تھے سب کے چہروں پر حیرت تھی۔میں شدید حیرت کا شکار تھا میری عقل اس کو تسلیم کرنے پر راضی نہ تھی۔یہ کون سا مقام تھا جہاں عقل و دانش بے اثر ہو رہی تھی یہ کیا اسرار تھا۔

میرے اندر ایک طوفان برپا تھا میرا دماغ نہ جانے کہاں کہاں کی سوچ رہا تھا۔ایسی نئی بات یہاں ہو گی اگر پتہ ہوتا تو میں کراچی سے کیوں آتا۔یہاں تو مجھے اپنی ذات سے چھینا جا رہا تھا مجھے راجن بنایا جا رہا تھا۔میں حیدر علی ولد منصب علی کو راجن کہا جا رہا تھا۔میں کیسے ثابت کروں کہ میں حیدر علی ہوں۔اس بوڑھے نے تو ثابت کر دیا کہ میں راجن ہوں۔میرے اللہ مجھ پر رحم کر میں نے دل میں دعا کی۔

سب خاموش تھے سب کے چہرے دھواں دھواں ہو گئے تھے۔کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی سب اس تصویر کو دیکھے جا رہے تھے۔سب سے پہلے کنول نے اپنی زبان کھولی۔''انکل یہ لڑکی جو دلہن بنی ہوئی ہے وہ کراچی کی ہی تھی۔''

''ہاں یہ بھی کراچی کی تھی تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اس کی شکل اور تمہاری شکل ملتی جلتی ہے۔چاندنی کا قد بھی تمہارے جتنا تھا اور جسامت بھی تم جیسی تھی تمہارے ہونٹ ناک، کان سب چاندنی کی طرح ہیں۔''

یہ سن کر تو حیرتوں کے بھاری پہاڑ سب پر گر پڑے سب نے اس تصویر کا موازنہ کنول سے کرنا شروع کر دیا اور موہن لال کی بات درست معلوم ہونے لگی۔موہن لال کی باتیں عقل سے ہٹ کر تھیں

مگر اس نے اپنی سچائی کے ثبوت پیش کر دیئے تھے۔ اس کو کسی طرف سے جھوٹا قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کسی کے پاس پوچھنے کو کچھ نہیں تھا۔ سب ہی خاموش تھے۔ موہن لال پھر بولے۔ ''آپ نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس کے علاوہ بھی میرے پاس اور ثبوت بھی ہیں جو ثابت کر دیں گے کہ یہ حیدر علی نہیں راجن ہے۔ ان ثبوت کو حاصل کرنے کراچی تک جانا پڑے گا ہمارے اسکول میں کچھ نہ کچھ ریکارڈ ضرور ہوگا بہت نہیں مگر کچھ گواہ ان کی شادی کے بھی کراچی میں مل جائیں گے۔'' تمام موجود لوگ تصویر حیرت بنے موہن لال کی پراسرار باتیں سن رہے۔

میں دل میں سوچ رہا تھا۔ ''واہ بیٹا حیدر..... پہلے تصور کے راجن تھے اب مجسم بنا دیئے گئے۔''

انسان کتنا مجبور ہے حالات کے تیز دھارے میں پھنس کر پٹخنیاں کھاتا ہے تو پھر سنبھل نہیں پاتا۔ اس کے سامنے وہ آتا ہے جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا کسی موقع پر میری سوچی ہوئی کوئی بات روبہ عمل نہیں ہوئی۔ ہمیشہ حالات مجھے اپنی مرضی پر چلاتے رہے اب یہ نئی کہانی سامنے آ گئی ہے میں نہ جانے کب تک سوچوں میں غرق رہتا کہ راجیش کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

''کہاں ہو حیدر علی کہاں چلے گئے تھے؟''

''میں تو تمہارے ہی پاس ہوں۔ مگر مجھے اب یاد آ رہا ہے چاندنی نے ایک فرضی شوہر کی کہانی سنا کر مجھ سے خط لکھوائے تھے۔ یہ اس کا میرے قریب آنے کا ایک طریقہ تھا۔ میں سمجھ چکا ہوں کہ وہ مجھے پہچان چکی تھی۔ مگر اس کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔ اچانک اگر وہ اس کا اظہار کرتی تو میں شاید اس کی بات کا یقین نہ کرتا۔

اس نے مجھے اپنے ہاتھ میں لینے کا یہ طریقہ نکالا کہ مجھ پر احسانات کرنے شروع کر دیئے۔ مجھے زہر بار کرتی گئی اپنی پوری جائیداد مجھے سونپ دی۔ شاید وہ مجھے اس مقام پر لانا چاہتی تھی کہ میں خود اس کی طلب کرنے لگوں وہ اس میں کامیاب بھی ہوگئی تھی مگر انسان جو فیصلے کرتا ہے وہی تو نہیں ہوتا۔

چاندنی پھر کنول بن گئی۔ کنول کی یادداشت واپس آ گئی۔ چاندنی واپس کہاں چلی گئی پتہ نہیں میں کنول کے لئے نیا آدمی بن گیا۔ مگر کنول کی پاکیزگی نے مجھے باندھ دیا، میں جانتا تھا کہ کنول اتنی سمجھ دار نہیں جتنی کہ چاندنی تھی۔ چاندنی ایک تجربہ کار شادی شدہ عورت تھی وہ دنیا کے رنگ ڈھنگ سے واقف تھی وہ اکیلے رہ سکتی تھی مگر کنول تو ایک معصوم لڑکی تھی اس کو تو شہر کی گلیوں تک کا پتہ نہیں تھا۔'' میں نے بات ختم کی تو راجیش نے کہا۔

''تم نے کم لفظوں میں لمبی کہانی بیان کر دی مگر اب اس نئی کہانی کے بارے میں غور کرو۔ ہم سب

تم کو حیدر علی کے نام سے جانتے ہیں مگر بہت جلد تم راجن کے نام سے پکارے جاؤ گے اس لئے کہ لوگوں نے تمہارا اصل دیکھ لیا ہے۔ ان کے کانوں میں یہ کہانی پڑ چکی ہے کچھ اخباری لوگ بھی دعوت میں تھے ان کے لئے تو یہ بہت زبردست اسٹوری ہے وہ لوگ ضرور اس کو اچھالیں گے اس پر بھانت بھانت کے عنوان لگائیں گے۔ ذرا اس نئی صورت حال پر غور کرو۔'' راجیش نے کہا۔

''میں نے ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔'' میں نے کہا۔

''یہ بہت ضروری ہے غور کرو۔'' راجیش نے کہا۔

''میں کیا سوچوں کہ میرا سوچا تو کبھی پورا نہیں ہوا۔ میری زندگی کا ہر کام حادثے سے شروع ہوا ہے۔ میں کیا بتاؤں میرا باپ قتل ہوا، میری بہن اغوا ہوئی پھر میری ماں ریل سے کٹ گئی۔ اپنی زندگی پر غور کروں تو ہر جگہ پر حادثہ موجود ہے، میں کیا سوچوں میں نے تو اپنی لگامیں وقت کے ہاتھ میں دے دی ہیں، میں خود کہاں چل رہا ہوں وقت مجھے جدھر لے جا رہا ہے میں جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم اتنے ناامید کیوں ہو؟ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔'' کنول نے کہا۔

''آگے کیا ہونے والا ہے کون بتا سکتا ہے؟'' میں نے کہا۔

''امید تو اچھائی کی ہی رکھنی چاہئے۔'' وہ بولی۔

''تم پریشان مت ہو، جو کچھ ہوگا اس کا مقابلہ ہم سب مل کر کریں گے۔'' کنول نے کہا۔

میری حالت بہتر نہ تھی موہن لال نے جو حقیقت میرے سامنے ثبوت کے ساتھ عیاں کی تھی اس نے میرے اعصاب کو بری طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا میں بھیڑ بھاڑ سے دور تنہائی میں سوچنا چاہتا تھا۔ میری ذہنی اور جسمانی کیفیت ان لوگوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی میرا ذہن بوجھل ہو رہا تھا اور بدن میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تھی۔ انسانی جسم ذہن کے تابع ہوتا ہے جب ذہن تھک جاتا ہے تو جسم بھی کمزور ہونے لگتا ہے۔ کنول نے میری حالت کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔ ''آؤ حیدر تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی۔ یہ ایک صاف ستھری خواب گاہ تھی وہ بولی۔ ''تم یہاں پر آرام کرو یہ دعوت تو لمبی چلے گی جب جاؤں گی لے جاؤں گی۔'' اور وہ چلی گئی، میں خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔

میری سوچ کی لہریں نہ جانے کہاں جا رہی تھیں۔ میں اپنے بارے میں کیوں تردد کروں جب سارے فیصلے اوپر ہوتے ہیں تو ٹھیک ہے میں بھی ان فیصلوں پر گردن جھکاتا جاؤں گا۔ میں تقدیر سے تو نہیں لڑ سکتا غور تو اس وقت کرنا چاہئے جب کچھ کرنے کا اختیار بھی ہو پھر میں آہستہ آہستہ پرسکون ہوتا گیا اور میری آنکھیں بوجھل ہوگئیں اور میں سو گیا۔ رات کا پتہ نہیں کیا وقت تھا کہ مجھے کنول نے

جگایا اور بولی۔

''آؤ گھر چلیں تم نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔''

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ راجیش کمرے میں داخل ہوا اور بولا۔ ''آؤ راجن گھر چلیں پھر جلدی سے بولا معاف کرنا میں نے تم کو راجن کہہ دیا برا تو نہیں لگا۔''

میں نے کہا۔ ''اجنبی سا ضرور لگا ہے۔ جیسے مجھے نہیں کسی اور کو کہا جا رہا ہو۔''

''تم کو سب راجن کے نام سے پکار رہے ہیں۔'' وہ بولا۔

''پکارنے دو میں ان سب کو منع تو نہیں کر سکتا۔'' میں نے کہا۔

''انسان ایک نہ ایک دن اپنے اصل کی طرف ضرور آتا ہے۔'' راجیش بولا۔

''پتہ نہیں میرا اصل کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''جہاں تک پلٹ کر آئے ہو وہی اصل ہے۔'' وہ بولا۔

''اور اس اصل میں بھی کوئی کہانی نکل آئی تو پھر کیا ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''اب شاید اس زندگی میں نہ ہو۔'' وہ بولا۔

''کوئی پیش گوئی نہ کرو آگے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں پیش گوئی نہیں کر رہا امکانی بات کہہ رہا تھا۔''

اور میں پھر سوچ میں ڈوب گیا تو کنول نے مسکرا کر کہا۔ ''جب آدمی بھوکا ہوتا ہے تو جسم کے ساتھ ساتھ ذہن بھی کمزور ہو جاتا ہے کھانا تو انہوں نے کھایا نہیں۔''

''پھر ظاہر ہے کمزوری تو ہوگی۔'' راجیش نے کہا۔

''اچھا اب اٹھو راجن گھر چلو۔'' کنول نے کہا۔

میں نے کنول کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔ ''سب کہہ رہے ہیں اس لئے زبان سے نکل گیا۔'' میں خاموش رہا تو وہ بولی۔ ''تمہارا نیا نام مجھے اچھا لگتا ہے۔''

''تم کو اچھا لگتا ہے تو اچھا ہی ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر اجازت ہے کہ میں تم کو راجن ہی کہوں۔'' وہ بولی۔

''تم پابند نہیں ہو، میں پابند ہوں، تمہارا دل جو چاہے وہ تم کر سکتی ہو اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم کسی کے پابند نہیں ہو۔ یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔'' وہ بولی۔

''یہ تمہاری فراخ دلی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''بھئی رات بہت ہو گئی ہے۔ اب گھر چل کر بستر پر باتیں کریں گے۔'' کنول نے کہا۔

اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔

لیکن پھر چاندنی مسکان بھرتے ہوئے بولی۔ ''تم کچھ بھی نہ سوچو، میں ہوں نا۔ یہ ایک سربستہ راز ہے۔''

☆.....☆.....☆

کنول کی وارفتگی بڑھ گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے اندر میرے لئے محبت کا ایک دریا امڈ آیا ہے۔ اگر یہ دریا پہلے سے موجود تھا تو اس میں پہلے کبھی جوار بھاٹا نہیں پیدا ہوا۔ یا شاید راجن میں حیدر سے زیادہ کشش تھی۔ اس کے اعضاء کی زبان نے کئی دفعہ میرے قدموں کو ڈگمگایا مگر میں قدم جما کر کھڑا رہا۔ ان کے آزاد معاشرے نے ہمارے درمیان کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی تھی۔ مگر حیدر خوش نہیں تھا کیونکہ اب اس کو لوگ بھول گئے تھے راجن سب کے سامنے تھا۔ راجن اب کوئی گمنام شخص نہیں تھا، پونا کی اونچی سوسائٹی اس کو خوب جانتی تھی کیونکہ روز ہی پارٹیاں ہوتی تھیں اور ان پارٹیوں میں شہر کے شرفا شریک ہوتے تھے اور راجن سے سب کی ملاقات ہوتی تھی۔ حیدر علی بہت دور چلا گیا تھا۔ راجن آگے آگے تھا۔ اخبارات نے راجن کے معاملے کو خوب اچھالا تھا لوگ راجن کے انٹرویو کے لئے مارے مارے پھرتے تھے۔ پہلے کا راجن چالیس سال کے بعد دوسرے جنم میں واپس دنیا میں آ گیا تھا یہ کوئی معمولی بات تو نہیں تھی کچھ اخبارات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ راجن کو اپنا پچھلا جنم یاد آ گیا ہے اور اس نے موجودہ جنم کا دھرم چھوڑ کر پچھلا دھرم اپنا لیا ہے۔ پچھلے جنم کی بیوی بھی اس کو اس جنم میں مل گئی ہے اور نہ جانے کیا کیا خود ساختہ کہانیاں ہر روز لکھی جا رہی تھی میں ہندی جانتا تھا کیونکہ میری ابتدائی تعلیم سلطان پور میں ہوئی تھی ہر روز ایک نیا شوشہ ہندی اخبارات میں ملتا تھا۔

''یہ روز روز نئی نئی کہانیاں اخبارات کو کون بتاتا ہے۔'' میں نے ایک دن راجیش سے پوچھا۔

''ان کو کون بتائے گا خود ہی گھڑتے ہیں۔'' راجیش نے جواب دیا۔

''یہ بند کراؤ بلاوجہ کی بدنامی ہے۔'' میں نے کہا۔

''لکھنے دو تمہارا کیا جاتا ہے فائدہ ہی ہے۔'' وہ بولا۔

''فائدہ کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

فائدہ یہ ہے کہ مفت میں تمہاری مشہوری ہو رہی ہے مشہور ہونے کے لئے تو لوگ ہزاروں روپیہ خرچ کرتے ہیں، تمہاری تو مفت میں روز اخبارات فوٹو چھاپ رہے ہیں۔'' راجیش نے جواب دیا۔

''اس مشہوری کا فائدہ۔'' میں نے پوچھا۔

''مشہور آدمی اپنی شخصیت کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ آدمی مشہور نہ ہو تو اس کی آواز کوئی نہیں سنتا کوئی اس کی بات پر دھیان نہیں دیتا کوئی اخبار اس کے بیان کو نہیں چھاپتا اور مشہور آدمی ایک چائے بھی بے وقت پیئے تو ایک خبر بن جاتی ہے۔ میں دس چائے پی لوں کوئی پوچھتا نہیں۔'' راجیش نے ہنس کر کہا۔

''راجیش بھائی یہ مذاق کی بات نہیں ہے تم جانتے ہو حقیقت کیا ہے میں کسی راجن کو نہیں جانتا۔ میں آج بھی حیدر علی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میرے جاننے یا نہ جاننے سے کیا ہوگا دنیا تو تم کو راجن کہتی ہے۔'' راجیش نے جواب دیا۔

''مگر میں راجن نہیں، راجن کی زندگی کے بارے میں بھی مجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب اس سے کچھ فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ تم کو سیٹھ موہن لال نے راجن بنا دیا ہے۔ انہوں نے شہر کے سارے رپورٹروں کے سامنے تمہارے راجن ہونے کے ثبوت پیش کر دیئے ہیں۔ ان حالات میں تم خاموش ہی رہو تو اچھا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''میں کس طرح خاموش رہوں میرا تو مذہب ہی بدلا جا رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم سے تمہارا مذہب کوئی نہیں چھین سکتا تم اندر سے جو بھی ہو وہ رہو، باہر تو تم راجن ہی ہو۔ میری بات غور سے سنو راجن گردھاری لال تم ایک کروڑ پتی آدمی ہو، گردھاری اینڈ کمپنی بہت بڑی کمپنی ہے یہ ایک گروپ ہے جو پورے بھارت میں پھیلا ہوا ہے۔ اس گروپ کے بانی گردھاری لال تھے جو کہ راجن کے باپ تھے۔ اتفاق سے باپ سے پہلے ہی بیٹا دنیا چھوڑ گیا۔ گردھاری لال نے ایک ٹرسٹ بنا دیا وہی ٹرسٹ گروپ کو چلاتا ہے مگر اب تم راجن گردھاری لال اس کے اصل وارث آ گئے ہو تم ہی اس پورے گروپ کے واحد مالک ہو۔'' راجیش نے تفصیل بتائی۔

''راجیش بھائی آپ نے جو کچھ بتایا ہے وہ میرے اوپر سے گزر گیا اندر کچھ نہیں رہا۔ قانونی طور پر میں ہندوستان کا باشندہ بھی نہیں ہوں۔ دوسرے میں مسلمان ہوں جبکہ راجن ہندو تھا۔ راجن کو مرے ہوئے چالیس سال گزر چکے ہیں کون ثابت کر سکتا ہے کہ میں وہی راجن ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ثابت تو ہو جائے گا ہمارا دھرم ثابت کر دے گا۔ ہمارے پنڈت ثابت کر دیں گا اور عدالت بھی مان لے گی کہ تم ہی راجن ہو تم کو پتہ نہیں ہے ہمارے پاس بڑی پلک ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''میں آپ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا۔ میں نے ایک جھونپڑی میں آنکھ کھولی ہے دولت سے زیادہ رغبت نہیں ہے انسان کی ضرورت صرف دو روٹی ہے مجھے وہی کافی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہارے وچاروں کے بارے میں کیا کہوں، مجھے تم اس دنیا کے آدمی نظر نہیں آتے۔

دولت انسان کی بینائی بڑھا دیتی ہے، ہرے نیلے گلابی نوٹوں کی گڈیاں دیکھ کر انسان کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے آدمی جب بھی کار سے اترتا ہے تو اس میں وقار اور دبدبہ آ جاتا ہے انسان خود کو اونچا سمجھتا ہے دل کی دھڑکنوں کو بڑی تقویت ملتی ہے انسان اپنے سارے حسین خواب اور خواہشات کی تکمیل اس کے ذریعے کر سکتا ہے دولت انسان کی ہر کمزوری دور کر دیتی ہے، دولت کا نشہ سب سے زیادہ نشہ ہے، دولت سے ہر کام لیا جا سکتا ہے انسان تک خرید سکتے ہو، ان کے ضمیر تک خرید سکتے ہو، قاتل اور مقتول خرید سکتے ہو، ایک سے ایک حسین چہرہ دولت مند کی قربت کا خواہش مند ہوتا ہے، کیا ہے جو دولت کی دسترس میں نہیں۔'' راجیش نے کہا۔

''راجیش بھائی اگر آپ برا نہ مانیں تو میں کچھ کہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گا، تم کھل کر بات کرو۔'' راجیش نے کہا۔

''آپ نے دولت کی جو تعریف کی ہے وہ درست ہے مگر میرا اپنا ایک نظریہ ہے'' میں نے کہا۔

''تمہارا نظریہ بھی تو سننا چاہتا ہوں۔'' راجیش نے کہا۔

''دولت اصل خرابی کی جڑ ہے، اس کو حاصل کرنے کی خاطر ہی ایک بھائی دوسرے کو قتل کر دیتا ہے، یہ دولت ہے جو انسانی رشتوں کو ختم کرتی ہے، یہی دولت جسم فروشی پر مجبور کرتی ہے، یہ دولت ہی ہے جو انسانی نفس کو ابھارتی ہے، یہ انسان کو ظالم بنا دیتی ہے، بے حس بنا دیتی ہے، یہ حق دار کا حق مارتی ہے، محنت کش کا معاوضہ مارتی ہے، یہ انسان کو بھٹکا کر بہت دور لے جاتی ہے اتنی دور کہ پھر اس کی واپسی نہیں ہوتی۔'' میں نے بات ختم کی۔

''میں تمہارے خیالات کی نفی نہیں کرتا، ابھی وقت ہے تم نے جو کچھ کہا مجھ تک ہی رہے گا میرے سامنے جو دل کرے کہہ دیا کرو مگر اور کسی کے سامنے ذرا دھیان رکھنا سب ہی تمہارے خیر خواہ ہیں کسی کی دل شکنی ہو جائے یہ اچھی بات نہیں ہوگی۔'' راجیش نے کہا۔

''اس میں دل شکنی والی کیا بات ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہے تم نہیں سمجھ رہے ذرا خاموشی سے تماشہ دیکھو، تمہارا ہی فائدہ ہے۔'' راجیش نے کہا۔ اور میں خاموش ہو گیا اور کیا کرتا ان کے خلوص اور محبت نے میری زبان پر تالے ڈال دیئے تھے۔

بات بہت آگے چلی گئی گردھاری ٹرسٹ کے لوگ ملاقات کو آنے لگے تھے جو بھی آتا تھا نہایت ادب و احترام سے گفتگو کرتا تھا ان کا انداز ملازموں والا تھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ گردھاری گروپ آف کمپنی کیا کام کرتا تھا۔ مگر یہ لوگ ہندوستان کے ہر بڑے شہر سے آ رہے تھے۔ کوئی کسی لیکسٹائل کا منیجر تھا، کوئی کسی کھاد کے کارخانے کا کرتا دھرتا تھا تو کوئی کسی جوتے کے کارخانے کا آدمی

ہوتا۔ ہر قسم کی صنعت کے لوگ تھے اپنی مشکلات مارکیٹ کے حالات اور کاروباری اتار چڑھاؤ کی باتیں کرتے مجھے اس گروپ کے پھیلاؤ اور اس کے کاروبار کے بارے میں اندازہ ہو رہا تھا۔ مجھے ہر کوئی راجن گردھاری کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ میں نے ایک دو بار یہ کوشش ضرور کی کہ مجھے حیدر کہا جائے مگر راجیش اور موہن لال نے میرے گرد ایسا ماحول بنا دیا تھا کہ ہر شخص مجھے راجن کہہ رہا تھا۔ راجن کی زندگی کے بارے میں موہن مجھے روز کچھ نہ کچھ بتایا کرتا تھا۔ میں جو پہلے راجن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اب بہت کچھ جان گیا تھا۔

راجن کی پیدائش سے جوان ہونے تک کے سب ہی خاص خاص واقعات مجھے پتہ چل چکے تھے۔ اسکول اور کالج کی تعلیم کے بارے میں موہن لال نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ میری معلومات اتنی ہو گئی تھیں کہ میں راجن کی زندگی کے بارے میں ہر سوال کا جواب دے سکتا تھا۔ میرے اندر حیدر علی اداس تھا۔ موہن کے ساتھ ایک دن ایک صاحب آئے ان کا نام انہوں نے پنڈت رام سکھ بتایا نام تو ان کا رام سکھ تھا مگر حلیے سے نہایت موڈرن تھے۔ بنارس کے کسی کالج میں پڑھاتے تھے۔ فر فر انگریزی بولتے تھے اور ہندو تاریخ کے ماہر تھے ان کے بات کرنے کا انداز نہایت دل نشین تھا ہر بات غور سے سنتے تھے اس پر غور کرتے تھے پھر جواب دیا کرتے تھے۔ موہن لال نے بتایا۔ ''ان کو خاص طور سے میرے لئے بلایا گیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اس کی کیا ضرورت تھی۔'' تو وہ بولے۔

''نائی کا کام بڑھئی نہیں کر سکتا اور بڑھئی کا کام نائی نہیں کر سکتا اسی طرح پروفیسر پنڈت جو کام کر سکتے ہیں وہ میں نہیں کر سکتا میں نے راجن کے بارے میں تم کو جو کچھ بتایا وہ میرا ذاتی تجربہ اور آنکھوں دیکھی حقیقت تھی مگر تمہارے دل میں شک شبہ کی گرہ اب بھی موجود ہے اس گرہ کو پروفیسر ہی موم کر سکتے ہیں۔''

''میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا میرے دل میں تو کوئی گرہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''ایسا ہونا ناممکن ہے مگر فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے دولت کی تیز آنچ اور محبت کی ہانڈی اس کا علاج ہے۔'' پروفیسر پنڈت نے کہا۔

''بات کو انکل نے بہت بڑھا دیا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں مسلمان ماں باپ کی اولاد ہوں اور میں آواگون پر یقین نہیں رکھتا۔ میں صرف حیات بعد الموت پر یقین کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم اپنے اصل مقام پر اب پہنچے ہو تمہارا جنم جس مقام جس جگہ پر ہوا ہو مگر اصل تو یہ ہے اگر ایسا

نہیں ہے تو بتاؤ چالیس سال پہلے تمہاری تصویریں کیسے بن گئیں تمہاری شادی، تم ان سب زندہ جاوید حقیقتوں کو کس طرح جھٹلاؤ گے بہت سی باتیں تم ابھی نہیں جانتے انسانی حیات کے بہت سے رمز تمہاری نظروں سے دور ہیں یوں تو ہم اگر ہزاروں سال بھی اس دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہیں تو بھی نہیں سمجھ پائیں گے یہاں پر تم نے ابھی بہت کم دیکھا ہے یہاں پر ایسے بے شمار حیرت انگیز پر اسرار ناقابل یقین واقعات رونما ہو چکے ہیں جن کے بارے میں آج تک کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکا۔'' پروفیسر نے کہا۔

''میں تسلیم کرتا ہوں یہ درست ہے مگر محبت کا جذبہ ایک ایسا جذبہ ہے جو تمام مذاہب، طبقات اور علاقائی جذبوں سے بلند ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ ہے مگر اس کی کسوٹی کیا ہے؟'' پروفیسر نے پوچھا۔

''آزمائش صداقت کی کسوٹی ہے۔'' میں نے کہا۔

''آزمائش پریشانیوں اور کٹھنائیوں کا دوسرا نام ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''زندگی بھی آزمائش کا دوسرا نام ہے۔''

''تو پھر انسان کیا کرے پیدا ہونے سے انکار کر دے کیا ایسا ہو سکتا ہے۔'' پروفیسر نے پوچھا۔

''یہ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ مگر راستہ خود دیکھنا ہے جو صاف ہو اس کو پسند کرو۔'' میں نے کہا۔

''میرا ذہن قبول نہیں کرتا کہ میں راجن ہوں مگر میرے بزرگ اور مہربان نے مجھے راجن بنا دیا۔'' میں نے موہن لال کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''تمہارا یہ جملہ اشارہ کرتا ہے کہ تم پر دباؤ ڈالا گیا ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''قطعی کوئی دباؤ نہیں مگر جس حیرت انگیز طریقہ پر مجھے قائل کیا ہے وہ بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔'' میں نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ تمہاری نظر سطحی ہے، کم عمر ہونا تجربہ کار ہو، زندگی کو برتنے کا شعور ابھی تم میں کم ہے، کچھ باتیں انسان ماں باپ سے سیکھتا ہے کچھ اس کو معاشرہ سکھاتا ہے اور اس کی تعلیم اس کے دماغ کو روشن کرتی ہے مگر سب سے بڑا استاد اس کا تجربہ ہوتا ہے میں یوں کہوں کہ تم ابھی تجربے کے دور میں ہو، دوسرے الفاظ میں تعلیمی دور میں ہو تو کیا یہ غلط ہوگا مگر اس کے ساتھ انسان کو حقیقتوں کو ماننا پڑتا ہے کچھ ایسی ہوتی ہیں جن کو دماغ فوراً قبول کر لیتا ہے اور کچھ اتنی الجھی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان پر دل نہیں جمتا وہ جھوٹ معلوم ہوتی ہیں۔ تم بھی مان لو گے مگر اس میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔'' پروفیسر نے

کہا۔

''شاید آپ ہی ٹھیک کہتے ہوں۔'' میں نے کہا۔

''موہن لال جی نے صرف اتنا کیا ہے کہ تم کو پہچان لیا ہے اگر یہ زندہ نہ ہوتے اور تم یہاں آتے تو پھر بات ان کے بعد ختم ہو جاتی مگر انہوں نے تم کو تمہاری اصلیت سے آگاہ کیا ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''مگر اس سے کیا ہوگا۔ میں ایک پاکستانی مسلمان ہی رہوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم جو بھی رہو اس پر تو کسی کو اعتراض ہی نہیں ہے موہن لال جی نے تو تم تک وہ پہنچایا ہے جو ان کے پاس راجن کی امانت تھا۔ دوسری امانت وہ دھن ہے جو پورے بھارت میں بکھرا ہوا ہے۔ تم اندر سے حیدر ہو اس پر دنیا کا کوئی قانون نہیں روک سکتا تم کو مندر کسی قانون کے تحت نہیں لے جایا جا سکتا۔ تم گھر میں نماز پڑھتے ہو تو اس سے کسی کی صحت پر کیا اثر پڑے گا مگر تم مسجد جاؤ گے تو لوگ یہ ضرور کہیں گے راجن گردھاری مسجد کیوں گیا کیونکہ راجن گردھاری ایک مشہور اور بڑا آدمی ہے گھر میں راجن نماز پڑھتا ہے اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔'' پروفیسر نے وضاحت پیش کی۔

''اس کا مطلب ہوا کہ میں صرف نماز پڑھ سکتا ہوں مجھے پتہ نہیں پروفیسر صاحب کہ آپ کا عقیدہ کیا ہے مگر میں حیات بعد الموت پر یقین کرتا ہوں ہمارے مرنے کے بعد روز حشر ہمیں پھر زندگی ملے گی اور ہمارے اعمالوں کا حساب ہوگا وہاں پر کسی قسم کی سفارش نہ ہوگی اپنی کرنی کے مطابق سزا ضرور ملے گی۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہاری بات کو جھٹلاؤں گا نہیں کیونکہ تم نے اپنے عقیدے اور مذہب کی بات کی ہے۔ تم کہتے ہو مسلمان دوبارہ دنیا میں نہیں آتا مگر ہمارا عقیدہ کہتا ہے انسان دوبارہ دنیا میں آتا ہے۔ تم آواگون کو نہیں مانتے مگر ہم مانتے ہیں۔ دنیا میں کروڑوں آدمی اور عورت ایسے ہوں گے جو دنیا میں دوبارہ آئے ہوں گے یہ بات دوسری ہے کہ ان کو اپنے پچھلے جنموں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ آدمی پیدا ہوا مر گیا اور پانچ سو سال کے بعد دوبارہ پیدا ہوا ہر چیز بدل گئی وہ پہلے کراچی میں پیدا ہوا پھر مدراس میں ہوا ہر چیز بدل گئی لاکھوں لوگوں میں شاید ایک دو کیس ایسے ہیں کہ دوبارہ آنے والا جلدی آ گیا۔ اور اس کو اپنا پچھلا جنم بھی یاد آ گیا۔ تمہارے ساتھ یہ ہوا کہ تم جلدی آ گئے اگر دو سو سال بعد آتے تو کوئی پہچاننے والا نہ ہوتا اور تم پوری زندگی گزار لیتے تمہارے جلدی آنے کی وجہ سے تم پہچانے گئے۔ مگر تمہاری یادداشت پچھلے جنم کی نہ آئی۔ وہ موہن لال جی نے تم کو کرا دی۔'' پروفیسر نے کہا۔

''میں اپنی معلومات کی خاطر ایک سوال کروں۔'' میں نے کہا۔

''ضرور کرو یہ تو تمہارا حق ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''روح کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے یا کیا عقیدہ ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد روح کا کیا حشر ہوتا ہے۔''

''اس کے متعلق تین نظریے یا عقیدے رائج ہیں۔'' پروفیسر نے کہنا شروع کیا۔

''پہلا یہ کہ جسم کے ساتھ روح بھی فنا ہو جاتی ہے۔ یہ عقیدہ مادہ پرستوں کا ہے۔ دوسرا یہ کہ روح کو اپنے اعمالوں کے مطابق سزا و جزا کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ عقیدہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ہے۔ تیسرا یہ کہ روح اپنے اعمالوں کے مطابق مختلف روپ بدلتی رہتی ہے یہ عقیدہ ہندوؤں اور بعض دیگر اقوام کا ہے ہم اس عقیدے کو تناسخ اور سنسکرت میں آواگون کہتے ہیں۔ آواگون کے ماننے والے اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ گناہوں اور نیکیوں کے بعد روح کو بار بار جنم لینا پڑتا ہے گناہ گار غیر انسانی روپ میں اور نیک انسانی روپ میں آتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بھگوان نے ایک دفعہ جتنی روحیں بنانی تھیں بنا دی ہیں اور چونکہ یہ لامحدود ہیں لہٰذا بھگوان کوئی نئی روح پیدا نہیں کرتا، ان روحوں کو آواگون میں ڈالا گیا ہے ہر گناہ کے بدلے میں، اور روح کو کئی مرتبہ مختلف شکلوں میں جنم لینا پڑتا ہے۔'' پروفیسر نے جواب دیا۔

''ان سارے عقیدے میں آپ نے میرے عقیدے کا ذکر نہیں کیا۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ اس لئے بیان نہیں کیا کہ تم خود اس کا ذکر کر چکے تھے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''آپ تو آواگون کے عقیدے کو مانتے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں مانتا ہوں اس کے ماننے کی کچھ ٹھوس وجہ ہے ایک بچی مدراس میں پیدا ہوتی ہے۔ چھ سال کی عمر تک وہ نارمل رہتی ہے کہ اچانک وہ کہتی ہے میرا نام روپا نہیں میرا نام بسنتی ہے میں دلی کی رہنے والی ہوں میرا مکان فلاں مقام پر ہے میری اتنی اولاد ہے شہر محلہ رشتے ناطے سب بتاتی ہے اس کو دلی لایا جاتا ہے اور اس کی بتائی ہر بات درست ثابت ہوتی ہے۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں ایک چھ سال کی بچی جو کبھی مدراس سے باہر گئی ہی نہیں وہ دلی کے بارے میں بتا رہی ہے جو بتا رہی ہے وہ درست ہے۔ تم اس کو کیا کہو گے۔'' پروفیسر نے پوچھا۔

''آپ یہ تو مانتے ہیں کہ دنیا میں رب کائنات کی طاقت کے علاوہ بھی ایک طاقت اپنا کام کر رہی ہے اور وہ طاقت شیطان کی ہے آپ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے یہ کام شیطان کرتا ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''نہیں میں یہ نہیں کہتا، میں آپ کی دلیل کو رد بھی نہیں کرتا۔ میں نے اپنی سوچ کے مطابق پوچھ تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''دیکھو دوست یہ دنیا بڑی عجیب اور انوکھی جگہ ہے اور ہندوستان کی سرزمین ویسے ہی پراسر مانی جاتی ہے یہاں پر آنکھ سے دیکھا بھی جھوٹ ہوتا ہے اور نہ دیکھا سچ مانا جاتا ہے۔ پتھر کو تراش ایک شکل دی جاتی ہے وہی تراشنے والا اپنی بنائی شکل کو پوجتا ہے اور اپنی مرادیں پاتا ہے کوئی بتا ہے کہ یہ کیا ہے کیوں ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''آپ ہی اس کی وضاحت کریں۔'' میں نے کہا۔

''دیکھو دینے والا تو ایک ایشور ہی ہے تم اس کو خدا کہتے ہو اس کے روپ بدل رہے ہیں نام بدل رہے ہیں کہیں پر وہ شیوا ہے کہیں پر وشنو اور کہیں پر برہما ہو گیا ہے۔ کہیں خدا ہے کہیں گوڈ ہے میری ذاتی رائے ہے کہ اگر یہ رنگ الگ ہوتے تو یہ دنیا ختم ہو چکی ہوتی۔''

''یہ سب نام صرف خدا کے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''تم اس کو خدا کہہ لو میں ایشور کہتا ہوں دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔'' اور پروفیسر کھڑا ہو گ

''اچھا جوان پھر ملاقات ہو گی تم ایک اچھے اور ذہین طالب علم ہو، مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی پروفیسر اور موہن لال چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

میں نے ایک دن اس سے کہا۔ ''کنول ہمارا معاشرہ ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ ہم مادر پدر آ ہو جائیں۔''

''تم اب بھی ڈرتے ہو، تم کو تو پوری آزادی میرے باپ نے دے رکھی ہے۔'' وہ بولی۔

''اور وہی آزادی اعتماد کا دوسرا نام ہے میں ان کے اعتماد کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا

''میں چاندنی ہوتی تو تم کیا کرتے۔'' وہ بولی۔

''چاندنی ایک شادی شدہ عورت تھی اس میں اور تم میں فرق ہے میرے کردار کا امتحان مت لو'' میں نے کہا۔

''تو پھر مجھ سے شادی کر لو۔'' وہ فوراً بولی۔

''یہ بھی اتنا آسان نظر نہیں آتا جتنا تم نے آسانی سے کہہ دیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم یہ چاہتے ہو کہ..... میری شادی کسی اور سے ہو جائے۔'' وہ بولی۔

''ہرگز نہیں چاہتا۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر اس کا کچھ حل تو نکالو۔'' وہ بولی۔

''ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا تم کو انتظار کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں انتظار تو کر سکتی ہوں مگر کچھ حد تو ہو۔'' وہ بولی۔

''محبت کرنے والے کسی حد کے اندر نہیں رہتے اگر ہماری قسمت ایک ساتھ لکھی ہے تو حالات خود بخود سازگار ہو جائیں گے اور اگر نہیں لکھی تو سازگار حالات بھی خراب ہو جائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''دیکھو راجن میں نے جب بے ہوشی کے بعد آنکھ کھولی تھی تو تم میرے سامنے تھے۔ تم چاندنی کے محبوب تھے، چاندنی کی محبوبیت یہ تھی کہ اس نے تم کو اپنا شوہر مان لیا تھا اس نے تم کو کئی سال پرکھا، جان کیا کہ تم واقعی وہی ہو کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خود کو تمہارے حوالے کر دے اور تم اس کے پتی نہ ہو یہ اس کے کردار کی عظمت تھی اور تمہاری بلندی یہ تھی کہ تم نے اس کو حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی تم اس کے امتحان میں پورے اترے مگر اس کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ وہ چلی گئی۔ تک میں نے تم کو اس وقت دیکھا جب تم مجھ پر حاکم ہو سکتے تھے تم حکم چلانے کی پوزیشن میں تھے مگر تم پھر بھی محکوم رہے۔ تم نے حالت سے فائدہ اٹھانے کی کبھی کوشش نہیں کی تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں یہاں نہ ہوتی تمہاری کردار کی بلندی نے مجھے جھکا دیا ہے میں تمہارے کام آنا چاہتی ہوں۔ میں تم پر اپنا تن من وارنا چاہتی ہوں۔ میں نے آتے ہی پتاجی سے کہہ دیا تھا کہ میں حیدر کو چاہتی ہوں میں اس کو نہیں چھوڑ سکتی ہے اور اس کے درمیان کبھی کوئی نہ آئے اگر کوئی آیا تو میں حیدر کی طرف ہوں گی یہ صرف تمہارے کردار کی بلندی اور شرافت کی وجہ سے تھا۔ میرا یہی احترام آہستہ آہستہ محبت کی شکل اختیار کر گیا ہے اور برملا اس کا اعتراف کرتی ہوں کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔'' کنول نے نظریں جھکا لیں۔

''تم نے میری بہت بڑی الجھن ختم کر دی ہے میں نے بھی تم سے محبت کی ہے مگر میری محبت میں اور تمہاری محبت میں ذرا سا فرق ہے میں نے تم کو چاہنے کے لئے محبت کی ہے پانے کے لئے نہیں تم ملو یا نہ ملو مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے میں تم کو چاہتا ہوں اور چاہتا رہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر سن لو مجھے بھی دنیا کا کوئی قانون تم کو چاہنے سے نہیں روک سکتا۔'' وہ بولی۔

''محبت قربانی مانگتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں ہر قربانی کے لئے خود کو تیار کر چکی ہوں۔ محبوبہ اپنے محبوب کی محکوم رہ کر ہی خوش ہوتی ہے اور تمہارے قدموں میں رہنا چاہتی ہوں تمہارے حکم پر چلنا چاہتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''تو پھر وقت کا انتظار کرو۔'' میں نے کہا۔

''میں سو سال بھی انتظار کرنے کو تیار ہوں کیونکہ جو اطمینان مجھے چاہئے تھا تم نے دے دیا ہے۔'' وہ بولی۔

☆.....☆.....☆

موہن لال نے جو کردار ادا کیا تھا وہ صرف اس کے ذہن کی پیداوار نہیں تھا۔ بھگوان داس اس میں برابر کا شریک تھا۔ گردھاری ٹرسٹ کی کروڑوں کی جائیداد اور کاروبار پر بھگوان داس کی نظر تھیں۔ مگر اس کو حاصل کرنے کا طریقہ کار اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ طریقہ کار اس وقت سمجھ جب وہ حیدر سے ملے۔ راجن اور اس کی بیوی چاندنی کی کہانی ان کے سامنے آئی۔ حیدر کو راجن بنا ان کو مشکل نظر نہ آیا۔ مگر یہ کام ان کے اکیلے کے بس کا نہ تھا۔ اس لئے موہن لال کو ملانا پڑا اور موہن لال نے سب تیاریاں کر کے حیدر کی دعوت کر دی اور حیدر کو راجن بنانے کے کام کا آغاز کر دیا موہن داس ایک کائیاں آدمی تھا اس نے حیدر کے فوٹو کچھ اس طرح بنوائے کہ کسی کو اندازہ نہ ہو سکا پھر ایک ہوشیاری اس نے یہ کی کہ حیدر کو پونا میں بلایا گیا۔ اور اس وقت بلایا گیا جب تمام انتظامات پور تھے۔ دعوت میں دو چار اخباری رپورٹرز کو بھی دعوت دی گئی راجیش کو باپ کے سارے پلان کا پتہ تھا مگر کنول اس پروگرام سے ناواقف تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ بھگوان داس کو اس پر بھروسہ نہ تھا۔ اس اصول تھا کہ کسی عورت کو راز کی بات بتانے کا مقصد ہوتا ہے راز فاش کرنا۔ اس کو حیدر کے ساتھ گھومنے پھرنے کی اور ہر قسم کی آزادی بھی اس لئے دی گئی تھی کہ وہ حیدر کو مصروف رکھے گی۔ چ کردار جوان میں شامل ہوا وہ پنڈت پروفیسر کا تھا وہ ایک پڑھا لکھا زمانہ شناس آدمی تھا اس نے شا ہونے سے پہلے ہی سب سودے بازی کر لی تھی۔ بنیوں کے ساتھ ساجھی داری کوئی آسان کام نہیں ا اس نے ہر پہلو پر خوب غور کر لیا تھا۔ وہ مندر میں بیٹھ کر دان دکھشنا لینے والا پنڈت نہیں تھا۔ وہ موہ لال اور بھگوان داس کے خاندانی نیچر کو خوب جانتا تھا خوب ٹھوک بجا کے وہ ان کے ساتھ شامل تھا۔

یہ سارے حصہ دار ایک بہت بڑے ہوٹل میں جمع تھے۔ یہ خفیہ میٹنگ تھی کسی کو پتہ نہیں تھا کہ لوگ کہاں ہیں چاروں الگ الگ آئے تھے اور سیدھے اس کمرے میں آ گئے تھے۔ جب کورم ہو گیا تو پنڈت نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ ''لڑکا جیسا نظر آتا ہے ویسا نہیں ہے دھرم کے بڑے ناز معاملات پر اس کی نظر جاتی ہے۔ اس کا برین واش کرنے میں وقت لگے گا مگر ہو جائے گا۔''

''ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔'' موہن لال نے کہا۔

''ہر کام کرنے کا طریقہ ہوتا ہے کسی پے چیدہ بیماری کا علاج بھی ڈاکٹر کرتا ہے تو وقت لیتا

ایک دن میں تو علاج نہیں ہوتا۔ جلد بازی کام بگاڑ بھی دیتی ہے لالہ جی۔'' پنڈت نے کہا۔

''آخر کچھ پتہ تو چلے کہ کتنا وقت تم کو چاہئے۔'' راجیش نے کہا۔

''یہ تو آپ کو پتہ ہے کہ لڑکا مسلمان ہے اور یہ بات بھی دھیان میں رکھنا کہ مسلمان اپنے دھرم سے بہت محبت کرتا ہے چاہے وہ نام کا مسلمان ہو مگر دھرم کے خلاف ایک شبد بھی وہ برداشت نہیں کرتا۔ فوراً جذباتی ہو جاتا ہے۔ میری نظر میں ان کی کمزوری صرف عورت ہوتی ہے۔ ہندوستان پر جن مسلمان بادشاہوں نے راج کیا وہ سب عورت سے متاثر نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اور اس طرح عورت ان کی کمزوری بن جاتی ہے۔ ہمارے پاس بھی ایک مہرہ ایسا ہے اس کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے حیدر جب کنول کی محبت میں پوری طرح غرق ہو جائے گا۔ یعنی جب لوہا گرم ہوگا تو اس وقت ہماری چوٹ اس کو ہر طرف موڑ سکے گی۔'' پنڈت نے کہا۔

''اس کے لئے تمہارے پاس کچھ پروگرام ہے۔'' بھگوان داس نے پوچھا۔

''ہاں پروگرام ہے۔ مگر اس کو اپنے پروگرام سے دور رکھنا ہے۔''

''وہ دور ہی رہے گی تم پروگرام بتاؤ۔'' موہن لال بولا۔

''کنول کے دل میں غیر محسوس طریقہ پر یہ بات بٹھائی جائے کہ حیدر ہی اس کا ہونے والا پتی ہے۔ اس کو یہ بھی بتایا جائے کہ یہ حیدر نہیں راجن ہے جب وہ یہ بات قبول کرے گی تو اس کا درمیانی حجاب خود بخود ختم ہو جائے گا اور وہ نازک لمحات میں خود کو دور نہیں کرے گی۔'' پنڈت نے کہا۔

راجیش نے کہا۔ ''پروفیسر آپ ان دونوں کو نہیں جانتے کراچی میں یہ دونوں ایک ساتھ ایک گھر میں اکیلے رہتے تھے اور لوگ ان کو میاں بیوی سمجھتے تھے۔ مگر دونوں اپنی حد سے نہیں بڑھے۔ ان دونوں کے کردار بڑے مضبوط ہیں دونوں جوان تھیں کراچی میں دونوں کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ ان کو کون روک سکتا تھا کچھ بھی کرتے رہتے نہ آتے انڈیا مگر میں شاباشی دیتا ہوں حیدر کو کہ وہ اس کو یہاں پر لے کر آیا آج بھی وہ خود کو اس کا رکھوالا کہتا ہے حالانکہ چاندنی نے سب کچھ اس کے نام کر دیا تھا اس سے دو باتیں اس کے کردار کی سامنے آتی ہیں ایک تو اس کی کمزوری عورت نہیں ہے دوسرے وہ دولت کا لالچی نہیں ہے۔ اب آپ بتائیں پروفیسر صاحب کہ اب ان حقائق کی روشنی میں آپ کیا کریں گے؟''

''میں حجت کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو تمہاری بات میں بہت وزن ہے کمزور کردار کے آدمی کو اپنی لائن پر لانا مشکل نہیں ہوتا مگر کردار کے بلند کو اس کے اصولوں سے ہٹانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر انسان کے بہت روپ ہیں انسان کو بھگوان نے عجیب چیز بنایا ہے

اسے نہ بگڑتے دیر لگتی ہے نہ بنتے دیر لگتی ہے۔ شریف بدمعاش ہو جاتے ہیں اور بدمعاش پل بھر میں وہ کام کر جاتا ہے جو سو شریف نہیں کر پاتے۔ مگر ان سب کاموں کے لئے حالات بنانے پڑتے ہیں۔ گندم کی فصل بونی ہے تو اسی حساب سے ہل چلانا ہوگا اسی حساب سے محنت کرنا ہوگی۔ آپ کے سامنے ایک ٹارگٹ موجود ہے تو پلان بھی اسی حساب سے کرنا ہوگا یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ شیر کے شکار پر جائیں اور لومڑی کے شکار کا سامان لے جائیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ایک مضبوط کردار کا مسلمان ہے اس کے کردار کو ہی نشانہ بنانا ہوگا۔ اس کے ذہن سے کردار کی عظمت کو ختم کرنا ہے وہ اس سے دست بردار ہو جائے تو سارے کام آسان ہو جائیں گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''اس کا طریقہ کیا ہوگا؟'' بھگوان داس نے پوچھا۔

''ہم کئی محاذ اس کے خلاف کھولیں گے۔'' پنڈت نے جواب دیا۔

''وہ کس طرح؟'' موہن لال بولا۔

[[ایک محاذ ہوگا محبت کا، اس سے ہر شخص اپنائیت اور محبت کا اظہار کرے گا، اختلاف رائے نہیں کرے گا۔ ایک محاذ ہوگا عیش و عشرت کا، اس کو ایسی پارٹیوں میں لے جایا جائیگا جہاں پر حسن و مستی اور حسن کے جلوے عام ہوں۔ پھر اس کو شراب اور عورت کی طرف مائل کیا جائے گا، اگر وہ اس منزل پر آ گیا تو وہ خود راجن بن جائے گا۔ اس کام میں ہم سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ کنول کو آگے رکھنا ہوگا اس کے ذہن میں یہ بات ڈالنا ہوگی کہ جب تک حیدر رہے گا تمہارا نہیں ہوگا، راجن ہوگا تو تمہارا غلام بن جائے گا۔''

''اور اگر پھر بھی حیدر علی ہی رہا تو.....'' راجیش نے پوچھا۔

''میں جانتا ہوں تم اس کے کردار کی روشنی میں یہ سوال کر رہے ہو مگر تم چنتا نہ کرو اگر یہ نسخہ بھی کارگر نہ ہوا تو پھر ایک آخری علاج میرے پاس ہے۔'' پروفیسر پنڈت نے کہا۔

''اس آخری علاج کے بارے میں کچھ بتاؤ۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''وقت سے پہلے نہیں، اول تو اس کی ضرورت ہی شاید نہ پڑے اور اگر پڑ گئی تو بتانے سے اس کی افادیت میں کمی آ جائے گی اس لئے نہیں بتاؤں گا بس یہ سمجھو کہ وہ تیر خطا جانے والا نہیں ہے۔'' پنڈت بولا۔

''اب تم کام کے آغاز کے بارے میں بتاؤ۔'' موہن لال نے پوچھا۔

''بہت آسان ہے۔ بمبئی شہر میں تاج ہوٹل ہے جہاں پر روز ہی پارٹیاں ہوتی رہتی ہیں۔ وہاں پر ہماری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے، حسن کے جلوے بھی عام ہیں شراب، کباب بہت ہے۔ بے

حجابیاں بھی ہیں، بے باکی بھی ہے کسی نہ کسی پارٹی میں روز اس کو لے جایا جائے، اگر پارٹی نہ ہو تو خود کوئی پارٹی کر لی جائے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم کو پتہ ہے تاج میں پارٹی کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔'' موہن لال بولے۔

''مجھے پتہ ہے لالہ جی مگر خالی دکان میں کون آتا ہے، پہلے دکان کو بناتے ہیں مال بھرتے ہیں سجاتے ہیں ہزاروں خرچ کر کے پھر گاہک کا انتظار کرتے ہیں اور تب کہیں جا کر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ فلم فائی نسر، ڈائریکٹر کی ضرورت کے مطابق خرچ کرتا ہے اور فلم تیار ہوتی ہے، چلتی ہے تب لگایا سرمایہ واپس آتا ہے، فائی نسر، ڈائریکٹر کی ضرورت پوری نہ کرے تو ڈائریکٹر کیا کرے گا وہ بھی فیتہ لپیٹ کر فائی نسر کے ہاتھ میں دے دے گا اور پھر فلم کا کیا بنے گا اس کو کون چلائے گا، ڈائریکٹر کا نام ڈوبا اور فائی نسر کا روپیہ ڈوبا، دونوں کا حساب برابر اگر یہ کرنا ہے تو ابھی لڑکی اکیلے میں ہے پھیرے نہیں ہوئے، یہاں سے بارات واپس جا سکتی ہے۔ اس پروڈکشن میں جو خرچ ہوگا وہ آپ دونوں حضرات کریں گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سب ہم کو منظور ہے جو خرچ ہوگا وہ بھی کریں گے اس کے علاوہ ایک بہت بڑا خرچ اور بھی ہے تمہاری نظر اس پر نہیں ہے۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''میں صرف وہ کروں گا جو کام میرے سپرد ہے، پوری ایمانداری سے کروں گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''اور اگر کبھی کامیابی نہ ملی تو سب روپیہ ڈوب گیا۔'' موہن لال بولے۔

''ہاں ایسا بھی ہوتا ہے ڈائریکٹر ایک فلم بناتا ہے، فائی نسر بھی دل کھول کر روپیہ لگاتا ہے، ہیرو، ہیروئن بھی ٹاپ کے لیتا ہے، میوزک بھی اچھا ہوتا ہے، ہر چیز اول درجے کی ہوتی ہے اور فلم بری طرح پٹ جاتی ہے، فلم اچھی ہوتی ہے۔ خیال بھی عمدہ ہوتا ہے مگر پھر بھی نہیں چلتی۔'' پنڈت نے کہا۔

سب خاموش ہو گئے تو پنڈت نے پھر کہنا شروع کر دیا۔ ''کچھ پریسنٹ تو آپ کو ناکامی کا مارجن رکھنا ہی ہوگا ہماری کوشش اور محنت میں کمی نظر آئے تو ہماری لگام آپ کے ہاتھ میں ہے ہی۔'' پنڈت نے کہا۔

''اس کام کا آغاز کس طرح کیا جائے۔'' موہن لال بولے۔

''راجن کو ایک ارب پتی مشہور کرنا پڑے گا۔ یہ کام ہم سب مل کر کریں گے اخبارات میں انٹرویو دیں گے اور راجن ثابت کریں گے کچھ اخبارات کو اس سلسلے میں خریدنا پڑے گا وہ میں کر لوں گا اخبارات تو اشتہارات کے بھوکے ہوتے ہیں..... راجن کی مشہوری ایک ارب پتی کے طور پر جب ہو

جائے گی تو پھر اس کا تعارف فلمی دنیا سے کرائیں گے۔ فلمی دنیا کی حسینائیں راجن کو بڑی آسانی سے اپنی لائن پر لے جائیں گی۔ یہ تو تم سب مانو گے کہ کمزوریاں ہر انسانی فطرت کا حصہ ہوتی ہیں کوئی انسان خامیوں سے مبرا نہیں ہوتا۔ حیدر کا کردار بھی ہمارے سامنے ہے اگر ہمارا دشمن بندوق لے کر آ گیا ہے تو ہم غلیل لے کر تو اس کے سامنے نہیں جائیں گے۔ ضروری ہے کہ بندوق سے کوئی بڑی چیز ہمارے پاس تب ہو تو مقابلہ کر سکیں اور دشمن کو متاثر کریں گے۔ یہ تو ہم سب مانتے ہیں کہ حیدر ایک اعلیٰ درجے کا انسان ہے اور مسلمان بھی ہے پھر اس کو اپنی لائن پر لانے کے لیے اعلیٰ درجے کی پلاننگ کرنا ہوگی۔ بمبئی میں میرے بہت دوست ہیں ان کا تعلق فلمی دنیا سے ہے۔ میں ان سے ملوں گا، راجن سے ایک آدھ فلم بنانے کا اعلان بھی کرائیں گے۔ اس کے بعد فلمی لوگ خود بخود اس کی طرف راغب ہو جائیں گے اور کام ہمارا کریں گے۔''

''مگر اس سے پہلے راجن کو ارب پتی مشہور کرنا ہے تاکہ اس کی بات میں وزن ہو۔'' راجیش۔ کہا۔

''ہاں یہ بات درست ہے مگر میں کہہ چکا ہوں کہ یہ کام اخبارات کریں گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''اخبارات کس نقطہ پر زور دیں گے۔'' موہن لال نے پوچھا۔

''راجن کو گردھاری آف انڈسٹری کا مالک ثابت کریں گے اور وہ سب ثبوت نمایاں طور پر چھاپیں گے جو کہ موہن لال جی نے بنائے ہیں ان میں اگر کچھ کمی ہے تو اور بہتر کر لیا جائے۔'' پنڈت نے کہا۔

''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہی قانونی طور پر ایک مرے ہوئے آدمی کو مالک کس طرح تسلیم کیا جائے گا۔ قانون میں تو میرے خیال میں ایسی کوئی شک نہیں ہے اور نہ ہی اس سے پہلے ایسی کوئی مثال ہے۔''

راجیش نے بڑے سوچ بچار کے بعد سوال اٹھایا۔

''بے شک یہ درست ہے کہ قانونی طور پر یہ آسان کام نہیں ہے۔ مگر عدالت بھی ہندوستان کی ہے اور یہاں کا قانون بھی اپنے گھر کا ہے، ہر ہندو آواگون پر یقین رکھتا ہے۔ قانون کچھ بھی کہے دھرم کو تو نہیں جھٹلا سکتا۔ دھرم کی رو سے ہر عدالت کو قائل کیا جا سکتا ہے۔ اگر عدالت دھرم کو الگ کر کے فیصلہ کرے گی تو دھرم کے کرتا دھرتا خاموش تو نہیں رہیں گے۔ اس کام کے لیے بھی ہم کو تیار رہنا ہوگا، اخبارات کو ساتھ رکھنا ہوگا، ان ہی اخبارات کے ذریعہ ہم اتنا پرچار کریں گے کہ راجن ایک

چمتکار کی شکل میں عوام کے سامنے آئے گا۔ آپ جانتے ہیں جو پنڈت مندر میں بیٹھا ہے وہ تو ایسے موقعوں کی تلاش میں ہی رہتا ہے، پورا شہر بلکہ دیش ہمارے ساتھ ہوگا کیونکہ ہم دھرم کو آگے رکھیں گے اور خود دور رہیں گے، دھرم کے نام پر جنتا ہمارا ساتھ ضرور دے گی۔'' پنڈت نے وضاحت کی۔

''پلان تو بہت زوردار ہے مگر لگتا ایسا ہے کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہوگا جتنا کاغذ پر نظر آتا ہے پلان بنانے میں اور عملی طور پر کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالا ہے تو منتر بھی پڑھنا ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''سب اس پر راضی ہیں تو کام شروع کریں۔'' بھگوان داس بولے۔

''ہاں سب کی رائے ضروری ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ابھی ایک بات رہ گئی ہے۔'' موہن لال بولے۔

''بتائیے کیا بات رہ گئی ہے؟'' راجیش نے پوچھا۔

''ابھی تو صرف خرچ ہے، میں اور بھگوان داس اس پروجیکٹ کے فائی نسر ہیں جو خرچ ہوگا کریں گے، پنڈت تم ایک پلانر یا ڈائریکٹر کی حیثیت کے مالک ہو اور راجیش تمہارا نائب ہے۔ تم دونوں کی اس وقت کیا حیثیت ہوگی جب ہم کامیاب ہو جائیں گے۔'' موہن لال نے کہا۔

پنڈت نے کہا۔ ''ڈائریکٹر تو ایک طرح سے ملازم ہوتا ہے وہ کام کرتا ہے اس کو نفع نقصان سے غرض نہیں ہوتا وہ ایک طے شدہ معاوضہ وصول کرتا ہے۔ یہی پوزیشن نائب کی ہوتی ہے۔ اب آپ بتائیں کیا معاوضہ طے کرتے ہیں۔''

''ہاں دیکھو بات ہوئی نا صاف صاف۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''ہم تم کو ایک لاکھ روپے دیں گے۔'' موہن لال نے کہا۔

''تو پھر آپ کسی اور سے کام کروالیں۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' موہن لال نے کہا۔

''میری ضرورت زیادہ ہے، میں پہلی قسط پانچ لاکھ لوں گا اور ہر مہینہ ایک لاکھ لوں گا، جب کام ختم ہو جائے گا تو بڑھیا سی نوکری گردھاری انڈسٹری میں لوں گا، میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کام میں لگ جاؤں گا تو میرے اخراجات بھی بڑھ جائیں گے، میرے بیوی، بچے بھی ہیں ان کو بھی خرچ دینا ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''یہ کچھ زیادہ نہیں ہے پروفیسر.....'' بھگوان داس بولے۔

''ابھی آپ کو ایسا لگ رہا ہے..... اربوں روپے کی انڈسٹری جب تمہارے ہاتھ آ جائے گی تو یہ

اونٹ کے منہ میں زیرہ لگے گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''مگر بات تو ابھی کی ہے۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''میں جانتا ہوں شری موہن لال اور شری بھگوان داس دونوں کم حیثیت کے مالک نہیں ہیں۔'' پنڈت نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا تو پہلی قسط میں کچھ گنجائش نکالو.....'' بھگوان داس بولے۔

''اپنی پرانی عادت سے آپ لوگ مجبور رہو مگر یہ کوئی پیاز کی خریداری نہیں ہے یہ دماغ کی خریداری ہے، نہیں منظور تو منع کر دیں میں اپنا بوریا بستر مدراس کے لئے باندھ لیتا ہوں مگر اس کے بعد آپ میرے پروگرام پر عمل نہیں کریں گے، آپ کوئی دوسرا راستہ اپنائیں گے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو تالے کی چابی میرے ہی پاس ہے، یہ بات دھیان میں رکھنا۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم بھی کمال کرتے ہو، تم کو کل چیک مل جائے گا۔'' موہن لال بولے۔

''اب اور کچھ باقی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''میری طرف سے کچھ باقی نہیں رہا۔'' پنڈت نے کہا اور یہ میٹنگ ختم ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

میں اس کو نہیں جانتا تھا صرف اس کو ایک دفعہ پارٹی میں دیکھا تھا۔ میں راجیش کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک وہ میرے سامنے آ کھڑی ہوئی، بڑی جسیم، بلند بالا اور حسین عورت تھی بڑا دلکش سراپا تھا اس کا اس نے بتایا اس کا نام ماہ پارہ ہے اور فلموں میں ہیروئن آتی ہے۔

میں نے کہا۔ ''آپ کو ہیروئن ہی آنا چاہئے۔''

وہ اٹھلا کر بولی۔ ''راجن بابو آپ بھی خوب بناتے ہیں، میں ہمیشہ سے ہیروئن نہیں آ رہی پہلے چھوٹے چھوٹے کردار کرتی تھی بڑی محنت کے بعد یہ مقام ملا ہے۔''

راجیش نے اٹھ کر ماہ پارہ کو کرسی دی اور کہا۔ ''آپ بیٹھ جائیں کھڑی کیوں ہیں۔''

ماہ پارہ نے شکریہ ادا کیا اور بیٹھ گئی۔ راجیش نے کہا۔ ''راجن بابو یہ بہت مشہور ہیروئن ہیں۔''

پھر وہ بولی۔ ''میں تو سب کے ساتھ کام کرنے پر تیار ہوں مگر فلم تو ڈائریکٹر بناتا ہے اس کی مرضی ہی چلے گی۔''

''آج کے دور میں فلم مکمل کمرشل چیز بن گئی ہے کوئی ذرا سا بھی رسک نہیں لیتا اس لئے ایسا ہے۔'' میں نے کہا۔ تو وہ بولی۔ ''میں نے سنا ہے آپ کسی فلم کا اعلان کرنے والے ہیں۔''

''میں تو فلم کی الف بے نہیں جانتا بالکل زیرو ہوں۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے درست سنا ہے یہ نہیں بتائیں گے راز کی بات ہے میں نے آپ کو بتا دی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''مجھ سے بھی آپ چھپا رہے ہیں۔'' وہ کرسی قریب کر کے بولی۔

''راجیش نے اعلان کیا ہو گا مجھے واقعی اس کا پتہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ اور راجیش الگ الگ کب ہیں۔'' وہ بولی۔

''فکر نہ کریں جب کہانی لکھوائیں گے تو آپ کے سراپے کو ذہن میں رکھیں گے۔'' میں نے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں راجن بابو کی فلم میں صرف ماہ پارہ ہی ماہ پارہ نظر آئے گی۔'' راجیش نے کہا۔

''مجھے یہی امید تھی مگر میرے ساتھ ہیرو ذرا دیکھ کر رکھنا ہو گا۔'' وہ اعتماد سے بولی۔

''ظاہر ہے آپ کے ساتھ آپ کے جوڑ کا ہیرو لیا جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے اب چلتی ہوں۔'' اور وہ چلی گئی اس کے جانے کے بعد میں نے کہا۔

''بھئی تم نے یہ اونٹنی کہاں گلے باندھ دی۔''

''ارے یہ اونٹنی نہیں ہے۔ بمبئی کی حسین عورتوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔'' راجیش بولا۔

''ہو گی مگر اس کے لئے تو ہیرو بھی اسپیشل بنوانا ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''لیکن تم یہ دیکھو اس کی شخصیت میں کس قدر بانکپن ہے اگر عورت حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بانکپن بھی رکھتی ہو تو وہ آدمی کے دل اور دماغ کو ایک لمحے میں تاراج کر ڈالتی ہے تم کو پتہ نہیں ہے۔ بڑے بڑے ہیرو اس کو اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتے ہیں مگر فلم میں اپنے ساتھ ہیروئن نہیں بناتے شاید ان کو بھی احساس کمتری ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''ہماری ہیروئن فلم میں کیا کرتی ہے۔ ہیرو کے ساتھ عشق کرتی ہے ناچتی ہے۔ ایک دو غمگین گانے گاتی ہے اور پھر ہیرو سے شادی کر لیتی ہے اس کام کے لیے اتنی بھاری بھرکم کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کام تو ایک نازک سی شرمیلی سی جس کے چہرے پر غم کے سائے ہر وقت منڈلاتے ہوں اور فلم کی آخری ریل تک روتی رہے اور پھر سہاگ رات کا سین، فلم ختم.....''

''بات تمہاری ٹھیک ہے۔ گلے پڑ رہی تھی آسرا تو دینا تھا کسی نہ کسی وقت کام آ جائے گی۔'' راجیش نے کہا۔

''بلاوجہ آسرا دینا درست نہیں ہے میں صاف بات کرنے کا عادی ہوں۔'' میں نے کہا۔

فلمی دنیا کے ریت رواج ہماری دنیا سے الگ ہیں۔ ہماری دنیا کے ریت رواج یہاں پر نہیں

چلتے۔ یہاں کی ہر چیز نقلی ہوتی ہے۔ محل نقلی، لباس نقلی، بات چیت نقلی، وعدے اور پیار بھی نقلی، رشتے ناطے تک نقلی، تم بتاؤ کون سی چیز اصلی ہے، اس لئے لوگوں کے اصل چہرے چھپ گئے ہیں اور نقلی چہرے ہمارے سامنے ہیں ان پر اگر کوئی اصلی چہرہ نظر بھی آ جائے تو بھی اس کے اصلی ہونے میں شبہ ہوتا ہے۔ اس رسم کو ہر نیا آنے والا نبھاتا ہے اور خود بھی اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو ایک آدھ ریل ہی بناپاتا ہے اور اس کا بور یا گول ہو جاتا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''پھر تم مجھے اس چکر میں کیوں ڈال رہے ہو؟'' میں نے کہا۔

''تم نہیں جانتے، مگر یہ سچ ہے کہ تم بہت مشہور ہو چکے ہو تمہارا نام جس کام میں آئے گا وہ ضرور کامیاب ہوگا۔''

راجیش نے کہا۔ ''وہ کس طرح میں نے پوچھا؟''

''راجن ایک دیومالائی کردار بن گیا ہے۔ اس کردار نے تمہارا وزن بڑھا دیا ہے۔'' راجیش بولا۔

''مگر میں خود کو کسی کام میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ مجھے تو ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہی ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''یہ تم نے کیسے سوچ لیا، کنول کے کاغذات منظور ہو چکے ہیں وہ ہندوستان میں رہ سکتی ہے اور تمہارے کاغذات جمع کرا دیئے ہیں۔'' راجیش نے کہا۔

''یہ سب تم نے اندر ہی اندر کر لیا۔ مجھے نہیں بتایا'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کنول کو سب پتہ تھا وہ تم کو سرپرائز دینا چاہتی تھی اس لئے نہیں بتایا۔'' راجیش نے کہا۔

''مجھے جانا ضروری ہے۔ وہاں پر کروڑوں کی جائیداد خرد برد ہو جائے گی۔'' میں نے کہا۔

''اس کی فکر نہ کرو سب انتظام کر دیا گیا ہے تمام آمدنی بینک میں جمع ہو رہی ہے۔'' وہ بولا۔

''یہ کس طرح ہوا تعجب ہے؟ کراچی میں اپنے کچھ آدمی ہیں۔'' وہ بولا.....

''میں جانتا تھا، تم کنول کے بغیر ادھورے ہو اس لئے تمہارے رہنے کا بھی بندوبست کیا ہے اس میں ہمارا کچھ فائدہ نہیں ہے، کنول میری بہن ہے، مجھے اس کی خوشی ہر طرح عزیز ہے تم کنول کو عزیز ہو تو پھر مجھے کیوں عزیز نہ ہوگے بات صرف اتنی سی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''تمہاری بات درست ہے، میں کنول کے بغیر ادھورا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم کوئی فکر نہ کرو تم راجن ہو اور راجن ارب پتی آدمی ہے۔ بڑے فائدے کی خاطر کچھ نقصان بھی کرنے پڑے تو کرتے ہیں کراچی کی جائیداد کی کیا حیثیت ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''راجن کی دولت کا حق دار میں خود کو نہیں سمجھتا۔'' میں نے کہا۔

''تم ہی حقدار ہو کیونکہ تم حیدر نہیں راجن ہو یہ بات دوسری ہے کہ تم کو خود سے اپنا پچھلا جنم یاد نہیں آیا جس طرح کنول کو یاد آ گیا تھا اور وہ چاندنی بن گئی تھی۔'' راجیش نے دلیل دی۔

''میری عقل کام نہیں کرتی یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میری بات سنو! کنول بھی کنول نہیں ہے وہ چاندنی ہے اور تم اس کے پچھلے جنم کے پتی راجن ہو سب کو پتہ ہے تم دونوں میاں، بیوی رہ چکے ہو اسی لئے تم کو اور کنول کو ہر طرح آزادی ہے۔ ورنہ ہم لوگ اور یہاں کا معاشرہ اتنا آزاد خیال نہیں ہوا ہے کہ تم دونوں کو یوں آزاد چھوڑ دیا جاتا۔'' راجیش نے کہا۔

''میں اب سوچتا ہوں شاید میں نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم کو ہر حال میں آنا تھا اس لئے کہ یہ فیصلہ اوپر ہوا تھا تم نہ آنا چاہتے تو بھی ضرور آتے۔ ہر فیصلہ انسان کا نہیں چلتا کچھ فیصلے اوپر ہوتے ہیں اور وہی پتھر کی لکیر ہوتے ہیں اس کے بعد جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی اوپر والے کی مرضی سے۔'' راجیش نے کہا۔

''انسان کتنا بے بس ہے، میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔'' میں نے کہا۔

''کسی کا سوچا پورا نہیں ہوتا، ہوتا وہ ہے جو وہ نہیں سوچتا۔'' راجیش بولا۔

''تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر وہ کرتے رہو جو سامنے آ رہا ہے اس سے منہ نہ موڑو قسمت کی دیوی کبھی کبھی انسان پر مہربان ہوتی ہے تمہاری حیثیت ایک پارس پتھر کی ہے جس کو چھو جاؤ گے سونا بن جائے گا، فلم انڈسٹری لیا تم ہر لائن میں کامیاب ہو سکتے ہو، سب جانتے ہیں کہ تم ایک ارب پتی آدمی ہو تم کو کریڈٹ پر کروڑوں روپے صرف زبان ہلانے پر مل سکتا ہے۔ دو چار دھانسو قسم کی فلموں کا اعلان کرتے ہیں اور بمبئی کے ٹاپ کے ہیرو، ہیروئن سائن کرتے ہیں۔'' راجیش نے کہا۔

''اور اگر میں راجن نہ بن سکا تو روپے کی واپسی کس طرح ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

''اگر فلم کامیاب ہو گئی تو واپسی خود ہو جائے گی نہ ہوئی دوسری بنائیں گے۔'' راجیش بولا۔

''دوسری کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''وہی فائی نانسر دے گا جس نے پہلے دیا تھا.....'' وہ بولا.....

''اور اگر اس نے نہ دیا تو پھر۔'' میں نے پوچھا۔

''تو وہ خود پھنسا رہے گا ہمارا کیا جائے گا۔'' راجیش بولا۔

''جب یہ سب لکھا جا چکا ہے تو کر دو اعلان مگر یاد رکھو یہ سب کچھ تم ہی کرو گے۔'' میں نے کہا۔

''گھنٹی تو مجھ ہی کو باندھنی پڑے گی حالانکہ میں بھی کھلاڑی نہیں ہوں۔ سب سے پہلے تو ایک شاندار دفتر بناتے ہیں اور اس پر بورڈ لگا دیتے ہیں۔ راجن پروڈکشن کا۔''

اور اس طرح ایک نئی جگہ پر ایک نہایت شاندار دفتر بنایا گیا اور اس پر راجن پروڈکشن کا بورڈ لگ گیا۔ راجیش نے اسٹاف بھی رکھ لیا، میری ایک سیکریٹری بھی رکھ لی اور فلمی دنیا کے لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ کراچی کا حیدر علی جس کے پاس فیس دینے کے پیسے نہیں ہوتے تھے جو ایک دس فٹ کی مخدوش جھگی میں رہتا تھا اور پوسٹ آفس کے باہر خطوط لکھ کر اپنا خرچ پورا کرتا تھا۔ بمبئی شہر میں ارب پتی مشہور ہو گیا۔ میں نے کوئی محنت نہیں کی تھی میرے بارے میں کوئی فیصلہ میرا نہیں چلا کبھی وہ نہیں ہوا جو میں نے سوچا۔ ہوا وہ جو میں نے کبھی نہیں سوچا تھا میں بمبئی شہر میں ارب پتی کہلاؤں گا ایسا تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اب میرے پاس ایک مصروفیت تھی حالانکہ کام میں کچھ نہیں کرتا تھا۔ میرے آنے سے پہلے ہی میرا کوئی نا کوئی منتظر ضرور ہوتا تھا آج ایک بہت بڑے شو میں ڈائریکٹر مسٹر موہن گپتا منتظر تھے۔ میں دفتر میں داخل ہوا تو انہوں نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا اور بولے۔

''صبح صبح آنے کی معافی چاہتا ہوں۔ میں نے سوچا آپ بڑے آدمی ہیں۔ مصروف ہوں گے اس لئے پہلے وقت میں ملاقات کر لوں آپ کو برا تو نہیں لگا۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں آپ آئے بڑی نوازش فرمائیں کیسے آنا ہوا۔'' میں نے کہا۔

''کل کشور ساہو صاحب کی مہورت تھی کچھ لوگ بتا رہے تھے کہ آپ بھی کوئی پروڈکشن شروع کرنے والے ہیں۔''

موہن گپتا نے کہا۔ ''ارادہ تو ہے لیکن ابھی اعلان نہیں کیا۔'' میں نے کہا۔ ''پھر بات آپ تک کیسے پہنچ گئی۔'' میں نے پوچھا۔

''ارے صاحب تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں آپ نے اتنا بڑھیا دفتر بنایا ہے اسٹاف رکھا ہے یہ صرف نمائش تو نہیں فلم تو آپ ضرور بنائیں گے۔'' وہ بولے۔

''اندازہ آپ کا درست ہے مگر فلم بنانے سے پہلے اچھے ہنرمند جمع کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں میرے کریڈٹ پر چار، چھ کامیاب فلمیں ہیں مارکیٹ میں موہن گپتا کا نام بکتا ہے آپ کے ادارے میں تو مجھے اور پرلگ جائیں گے۔'' وہ بولے۔

''گپتا جی بات یہ ہے کہ یہ سب کام راجیش بابو کرتے ہیں وہی فیصلہ کریں گے، میں آپ کا نام

لکھ لیتا ہوں آپ کے نام پر ضرور غور کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''اب تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا، ہر قسم کے لوگ آنے لگے، کہانی لکھوائی گئی، یہ سارے انتظامات راجیش نے کئے۔ اس لائن میں راجیش کا تجربہ نہیں تھا مگر وہ پوری محنت سے کام کر رہا تھا۔ میں نے اس کے کسی کام میں مداخلت نہیں کی، میرا کام دستخط کرنا تھا اور رات کو کنول کے ساتھ کسی نہ کسی پارٹی میں جانا۔ اور دن میں کسی ہیروئن کے ساتھ میٹنگ۔

راجیش نے کام شروع کر دیا تھا۔ مہورت بڑے شاندار طریقے پر کیا تھا۔ میں نے فیتہ کاٹ کر کام کا آغاز کر دیا تھا مگر مجھے پتہ نہیں تھا کہ فلم کا ڈائریکٹر کون ہے؟ کاسٹ کیا ہے؟۔ میوزک ڈائریکٹر کون ہے؟ میں نے پوچھا نہیں تھا اور راجیش نے بتایا بھی نہیں تھا۔

اب میں روز ہی کسی نہ کسی پارٹی میں مدعو ہوتا تھا۔ مگر میرے ساتھ کنول نہیں ہوتی تھی کوئی ہیروئن ہوتی تھی کنول بھی کبھی کبھی ساتھ ہوتی تھی۔ میں رات رات بھر ہیروئن کے ساتھ رہتا کسی ہوٹل کے کمرے میں پڑا رہتا۔ میں بھی اسی تالاب کا مگرمچھ بن گیا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ میں شراب اور کباب کے نشے میں ڈوب گیا۔ کبھی کبھی مجھے اپنا ماضی یاد آ جاتا تھا مگر حقیقت کی دنیا میں خوابوں کو کون اہمیت دیتا ہے۔ میری بیوی کنول بھی خوش تھی میں نے اس کو بھرپور رفاقت دی تھی وہ میرے کاروبار سے واقف تھی اس نے کبھی میری مصروفیت پر اعتراض نہیں کیا۔

میں سیٹھ راجن تھا جس کے ایک اشارے پر لوگ لاکھوں روپے لے کر آ جاتے تھے۔ راجیش کی پہلی فلم کامیاب ہو چکی تھی موہن گپتا نے اپنی قابلیت دکھا دی تھی۔ مارکیٹ میں راجیش کا نام روشن تھا مگر سیٹھ راجن کا نام ہر اخبار اور میگزین میں روز آتا تھا۔ بڑے سے بڑا میگزین راجن پروڈکشن کے اشتہارات حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ سب کو یقین آ گیا تھا کہ یہ ادارہ ابھرتا ہوا نام ہے پہلی فلم کامیاب ہو چکی ہے اور کئی فلموں کے اعلان ہو چکے ہیں ہیروئن اور نئی لڑکیاں سیٹھ راجن کے اردگرد ہر وقت گھیرا ڈالے رہتی تھیں۔ موہن گپتا اتنا اچھا ڈائریکٹر نہیں تھا مگر یہاں پر اس کو فری ہینڈ ملا اور کامیاب کرانے کے گروں سے بھی وقف تھا اس لئے فلم کامیاب ہو گئی میں نے بھی وہ فلم دیکھی تھی فلم کی ہیروئن میرے پہلو میں موجود تھی اس نے اپنے بدن کے کرتب خوب دکھائے تھے۔ اس کے بدن کی خوب صورتی کو گپتا نے خوب استعمال کیا تھا۔ بڑی کمپنی کی بڑی پروڈکشن تھی بڑے نام تھے اور فلم کی پبلسٹی تھی ریڈیو پر مہینوں پہلے سے پبلسٹی ہو رہی تھی۔ سارے ہندوستان میں بڑے کروفر سے فلم کا ساتھ ریلیز کی گئی تھی پھر کامیاب کیوں نہ ہوتی اخبارات اور میگزین بھی تعریف کر رہے تھے کیونکہ ان کا بھی تو دھندا اشتہارات کے ذریعے تھا۔ حیدر علی گم ہو گیا تھا۔ سیٹھ راجن بہت آگے جا چکا

تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ مڑ کر کیا دیکھتا دس فٹ کی جھکی پوسٹ آفس کی فٹ پاتھ یہ سب اب میرے لئے قابل نفرت چیزیں تھیں میں تو چمکتے دمکتے بدن دیکھتا تھا۔ میرے اشارے پر دولت کے ڈھیر تھے میرے حکم پر چلنے والے بے شمار تھے حقیقت میں، میں نے مڑ کر دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

حیدر کے پاس کیا تھا بھوک افلاس اور کیا تھا اس کے پاس، راجن نے عزت دی دولت دی شہرت دی ایک سے ایک حسین میرے اشارے کی منتظر میرے چاروں طرف واہ واہ کے ڈھول بجانے والے ہر وقت موجود تھے۔ ڈوسانی نے ٹھیک کہا تھا میری لاٹری نکل آئی ہے۔ اگر وہ میرے پاس ہوتا تو کہتا ارے سالا تو تو مقدر کا سکندر ہے میں نہیں بولتا تھا تیری لاٹری نکل آئی ہے۔

☆.....☆.....☆

''میرا خیال ہے سجنو جس کام کا میں نے بیڑا اٹھایا تھا وہ پورا ہو گیا ہے۔''

پروفیسر پنڈت نے کہا۔ ''کسی حد تک تمہاری بات درست ہے پر تو ابھی قانونی طور پر کام ادھورا ہے۔''

بھگوان داس نے جواب دیا۔ ''جو کام باقی ہے وہ میرے کرنے کا نہیں تھا وہ کام آپ لوگوں کے کرنے کا تھا مجھے حیدر کو راجن بنانے کا کام سونپا گیا تھا وہ میں نے کر دیا۔'' پنڈت نے کہا۔

''مگر پنڈت جی ابھی بہت کچھ باقی ہے عدالت میں ثابت کرنا ہے کنول راجن کی بیوی بھی بن گئی مگر اصل معاملہ تو کورٹ کچہری کا ہے ابھی قانونی طور پر راجن گردھاری ٹرسٹ کا مالک تو نہیں ہے اس لئے کام ادھورا ہے ہم سب کو شانتی سے اور آگے بڑھنا ہے۔ تم نے اچھا کام کیا ہے بے شک کام اچھا کیا ہے یہ بھی بہت مشکل کام تھا اور بھگوان کی کرپا سے باقی بھی ہو ہی جائے گا مگر ضروری یہ ہے کہ جس طرح مٹھی اب تک بند ہے ویسی ہی رہے۔'' موہن لال نے کہا۔

''راجن اب بھی کروڑوں میں کھیل رہا ہے اس کا کاروبار پھیلا ؤ پر ہے ایک سے ایک فلم اس کے ادارے سے آ رہی ہے۔ بمبئی کے فائی نینس اس پر دھن لٹانے پر ہر وقت تیار ہیں دوسری طرف راجن گردھاری لال کے ٹرسٹ کا معاملہ ہے۔ اگر یہ معاملہ لمبا بھی ہوتا ہے تو بھی راجن گھاٹے میں نہیں ہے اس نے اپنے نام کا فائدہ خوب اٹھایا ہے اور اب وہ خود بھی ہر قسم کا کاروبار کر سکتا ہے اور اگر عدالت فیصلہ اس کے خلاف بھی کرتی ہے تو بھی اس کی صحت پر اس کا زیادہ اثر نہیں ہوگا۔

میری بات کو ذرا دھیان سے سنیں اور غور کریں راجن کے کاروبار کو اور پھیلانا ہوگا گردھاری ٹرسٹ بے شک بڑا نام ہے مگر راجن گردھاری بھی اس سے کم نہ ہوا گر عدالتی لڑائی میں ہم ہار جائیں تو

بھی ہمارے پاس ایک ترپ کا رڈ ہے اور وہ ہے حیدر کا پاکستانی ہونا۔ راجیش کو بہت ہوشیاری سے سب کاروبار پر نظر رکھنا ہے۔ شاید کہ اس کو یہ سب سنبھالنا پڑے۔'' پنڈت نے کہا۔

''واہ پروفیسر کہاں تک تم نے سوچ لیا۔ کامیاب نہ بھی ہوئے تو بھی نقصان کا ڈر نہیں رہا۔ یہ بتاؤ تم کھاتے کیا ہو؟'' بھگوان داس نے ہنس کر مذاق کیا۔

''میں وہ کھاتا ہوں جو آپ لوگ نہیں کھاتے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ارے پنڈت ہو کر بھی نہیں باز آتے۔'' وہ بولے۔

''اصل کھانے کی چیز تم لوگوں نے چھوڑ رکھی ہے اسی لئے ہماری آنے والی نسل کمزور ہو رہی ہے۔ پرکھوں کے زمانے کی کتنی باتیں ہم میں رہ گئی ہیں ارے اپنی آنے والی پیڑیوں کو مضبوط کرو اور وہ کھاؤ جو ساری دنیا کھاتی ہے ہمارے سارے مویشی پڑوسی کھا جاتے ہیں۔ بات کہاں چلی گئی میں معافی چاہتا ہوں۔'' پنڈت نے کہا۔

''اب ذرا قانونی جنگ کی طرف آ جائیں۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''میں کہہ چکا ہوں کہ میرا کام ختم ہو گیا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''مگر کام تو ادھورا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''اس کو آپ لوگ پورا کریں اچھے اچھے وکیلوں کا ایک پینل بنائیں ان کے سامنے سارے حالات رکھیں، اخبارات اور دھرم کے ذمہ داروں کو اپنے ساتھ ملائیں راجن کے بارے میں بڑے پیمانے پر پبلسٹی کرائیں مگر یہ سب اس طرح ہو جیسے اخبارات خود سے کر رہے ہیں۔ راجن کا یا کسی کا اس میں ہاتھ نہیں ہمارے لیڈر تو بکاؤ ہیں۔ دو چار سے راجن کے حق میں بیان دلواؤ آگے دھرم کور کھا جائے یہی ہتھیار ہے جس کا توڑ ہماری کسی عدالت کے پاس نہیں ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''ہم نے تمہارے ہر مشورے پر عمل کیا ہے اور ہر کام تمہارے پروگرام کے مطابق کرتے آئے ہیں تم کو بھی ہمارے ساتھ ہی رہنا ہے سب مل جل کر اس نیا کو پار لگائیں گے۔'' بھگوان داس بولے۔

''اصل بات یہ ہے لالہ جی کہ میرا گزارہ ایک لاکھ میں نہیں ہوتا آخر میں بھی انسان ہوں آخر اپنے فائدے کا مجھے بھی تو حق ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''بولو تم کیا چاہتے ہو؟'' موہن لال بولے۔

''دو لاکھ ماہانہ، باقی وہی شرط ہے جو پہلے تھی۔'' پنڈت نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم کو دو لاکھ ملیں گے۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ سب کا بہت شکریہ اب میں چلتا ہوں۔'' اور پنڈت اٹھ کھڑا ہوا۔

پنڈت کے جانے کے بعد بھگوان داس نے کہا۔ ''اس کے پر زیادہ نہیں پھیل گئے ہیں۔''

''اب کیا کریں تم نے سنا نہیں کہ جب بلی بھیگ جاتی ہے تو چوہے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں ہماری پوزیشن ابھی ایسی نہیں کہ پنڈت سے بگاڑ پیدا کریں۔'' موہن لال نے کہا۔

''بگاڑ تو ہم کسی سے بھی نہیں کر سکتے دو چار لاکھ کی خاطر ہم اپنا پروگرام تو خراب نہیں کریں گے۔ آخر شکاری ہانکا کرنے والوں کو کچھ تو دینا ہی ہے۔'' بھگوان داس نے کہا۔

دھندے کا کیا حال ہے بتاؤ؟ موہن لال نے پوچھا۔

''چوکھا ہے راجن کے نام پر لکشمی دیوی مہربان ہے کام زوروں پر ہے۔ اگر یہی حال ایک دو سال اور رہا تو گردھاری ٹرسٹ کے سامنے ہم ہی ہوں گے۔ سارا لین دین میرے پاس ہے راجن تو چیک پر دستخط کرنے کی مشین ہے میں نے اس کو ایسا جکڑ لیا ہے کہ میرے بغیر وہ ہل نہیں سکتا۔'' راجیش نے کہا۔

''اور کنول کا کیا حال ہے۔'' موہن لال نے پوچھا۔

''اب راجن کا دھیان ایک طرف نہیں ہے۔ وہ پھول پھول منڈلانے والا بھنورا بن چکا ہے۔ یہ بات کنول کو پتہ ہے مگر وہ یہ بھی جانتی ہے کہ حیدر کو راجن بنانے میں یہ سب برداشت کر رہی ہے۔'' راجیش نے کہا تو بھگوان داس بولے۔

''مگر کنول کو راجن کے قریب ہی رہنا چاہئے۔''

''وہ رہتی تو ہے مگر اتنی شدت نہیں جتنی کے پہلے تھی۔'' راجیش نے کہا۔

''اس کی وجہ کیا ہے کیا اس کا دل کنول سے بھر گیا ہے یا کنول میں کچھ کمی ہو گئی ہے۔'' بھگوان داس نے پوچھا۔

''بات صرف اتنی ہے کہ شام ہوتے ہی اس کے چاروں طرف فلمی پریاں منڈلانے لگتی ہیں اور اس کے ہوش و حواس اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں پھر وہ کنول میں اور گلاب میں فرق نہیں رکھتا یعنی اصل اور نقل میں فرق نہیں رہتا۔'' راجیش نے کہا۔

''بھئی راجیش خوب کام کیا تم نے۔'' موہن لال بولے۔

''تم چنتا نہ کرو میں بھی آپ ہی لوگوں کا چیلا ہوں راجن کو بڑا اسٹمپ بنا دوں گا۔'' راجیش بولا۔

''بھگوان داس اب عدالتی کام شروع ہو جانا چاہئے۔ راجن کے برین واش کا کام تو ختم ہوا اچھے وکیلوں کا ایک بڑھیا سا پینل بناؤ کیونکہ یہ کیس جب عدالت میں آئے تو پورے ملک میں ا

کے چرچے ہوں اس لئے ضروری ہے کہ ہم تیاری بھی اسی انداز کی کریں۔'' موہن لال نے کہا۔

''ہاں تمہاری بات ٹھیک ہے میں بھی کوشش کرتا ہوں اور تم بھی نظریں دوڑاؤ..... اور پنڈت کو بھی فون کر دو اور اخبارات کا کیا حال ہے؟'' بھگوان داس بولے۔

''میں نے اس کا سارا انتظام کر دیا ہے۔ جو اخبار اشتہار لینے آتا ہے اس کو راجن کی خبر چھاپنا ہوتی ہے۔ اس کو دیو مالائی بنانے کی پوری کوشش جاری ہے وہ لوگ جو کچھ چھاپتے ہیں اس کی تردید ہماری طرف سے یا راجن کی طرف سے نہیں ہوتی اس لئے وہ بات ٹھیک مانی جاتی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''گردھاری ٹرسٹ کے لوگوں کا رویہ کیا ہے؟'' موہن لال نے پوچھا۔

''مالک تو کوئی ہے نہیں سب ملازم لوگ ہیں سب ہی اس کوشش میں ہیں کہ راجن کو خوش کر دیں تاکہ اگر یہ ایم ڈی قرار دے دیا جائے تو ان کے پاس پلس پوائنٹ ہو۔ یہ سب ایک اشارے کے ہیں۔ ان کے بارے میں فکر نہیں ہے۔'' راجیش نے جواب دیا۔

''یہ تو ٹھیک ہے مگر بزرگوں نے کہا ہے کہ کاٹنے والے کتے بھونکتے نہیں ہیں اور بھونکنے والے کاٹتے نہیں، لہٰذا ہوشیاری دونوں سے ضروری ہے۔ کیا پتہ دونوں کب بدل جائیں۔'' موہن لال نے کہا۔

''یہی تجربے کی باتیں ہیں چاچا جو میں آپ سے سیکھتا ہوں۔'' راجیش بولا۔

''اب تم ایسا کرو کچھ دن کے لئے راجن کو بمبئی سے دور کرو۔'' بھگوان داس بولے۔

''کیوں اس کی ضرورت کیا پڑ گئی؟'' راجیش نے پوچھا۔

''دیکھنا یہ ہے کہ اس کے بغیر دھندہ کیسا چلتا ہے اگر کبھی اس فلمی دھندے سے راجن کا نام نکل جائے تو کیا فرق پڑے گا، پارٹیاں تمہارے نام پر سودا کریں گی؟'' بھگوان داس نے کہا۔

''ابھی تو راجن کا ہی نام چلے گا، وہ کہیں پر بھی ہو، میرا نام دوسرے نمبر پر ہی رہے گا۔'' راجیش بولا۔

''مگر میں تمہارے نام کو ایک نمبر دیکھنا چاہتا ہوں۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''ابھی اس میں کچھ وقت لگے گا۔ مگر آپ فکر نہ کرو یہ سب ہمارا ہی ہو گا۔'' راجیش نے کہا۔

''تیرے منہ میں گھی شکر۔'' بھگوان داس خوش ہو کر بولے۔

''خوب گھی شکر باپ بیٹے ایک دوسرے کو کھلاتے رہو ایک آدھ بتاشہ ہماری طرف بھی اچھالا دو۔'' موہن لال نے کہا۔

''ارے لالہ جی آپ کیوں چنتا کرتے ہیں جو ہانڈی پک رہی ہے آپ بھی تو اس میں برابر کے شریک ہیں۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''مگر یہ ہانڈی بانس پر پک رہی ہے آنچ بہت دور ہے اب آنچ کو قریب کرنے کی کچھ کرو۔'' موہن لال نے کہا۔

''چاچا جی فکر نہ کریں۔ بھگوان نے چاہا تو اب زیادہ دور منزل نہیں ہے اور اب تو بھینس دودھ بھی دینے لگی ہے جو خرچہ کھانے پر ہوتا ہے وہ دودھ سے پورا ہو ہی جائے گا اور جو بچے گا وہ ہوگا نفع منافع۔'' راجیش نے کہا۔

''تیری بات کھوپڑی میں ٹھیک سے بیٹھ گئی ہے۔'' موہن لال بولے۔

☆.....☆.....☆

میں جس راہ کا مسافر بن چکا تھا اس راہ کے دیگر مسافروں نے مجھے اتنا بگاڑ دیا تھا کہ میں اپنے مطلب کی شے تلاش کرتا رہتا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ میں جتنا اس طرف جاتا تھا اتنی ہی میری حوصلہ افزائی ہوتی تھی میرے سر پر ہر وقت عورت کو سوار کیا جا رہا تھا۔ میں شاید اس کو محسوس نہ کرتا مگر زیادتی ہر چیز کی بری ہوتی ہے ہر کام کا ایک حد ہوتا ہے اور اسی زیادتی نے مجھے ذرا سا چوکنا کر دیا تھا۔ میں اب ہر وقت جذبات کے اندھے کنوئیں میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا تھا۔

کنول کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لئے میں نے بمبئی سے باہر جانے کا پروگرام بنالیا اور کنول کو لے کر دلی روانہ ہوگیا۔ راجیش کو بھی میں نے عین وقت پر بتایا۔

وہ حیران ہو کر بولا۔ ''یہ اچانک کیا پروگرام بنالیا بتایا تو ہوتا۔''

''بس کنول نے کہا اور میں چل پڑا تم فون کر کے دلی میں کمرہ بک کرادو ہم لوگ ٹرین سے جائیں گے۔''

میں نے کہا تو وہ حیرت سے بولا۔ ''ٹرین سے تو پریشانی ہوگی۔''

''کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور ہاں دلی میں کمرے کے ساتھ گاڑی بمعہ ڈرائیور کے بھی بک کر لینا۔'' میں نے کہا۔

''یہ سارا پروگرام کنول نے بنایا ہے مجھے ایسا لگتا ہے۔'' وہ بولا۔

''ہم دونوں نے بنایا ہے۔'' میں نے کہا۔

اور ہم دونوں ٹرین میں سوار ہوگئے۔ فرسٹ کلاس کا کمپارٹمنٹ بک کرالیا گیا تھا۔ بہت دن کے بعد ایسا ہوا تھا کہ میں کنول کے ساتھ تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس کی رعنائیوں میں زیادہ فرق نہیں آ

تھا۔ وہ میرے قریب آ کر بولی۔ ''تم تو مجھے بھول ہی گئے تھے۔ پھر اچانک میرا خیال کس طرح آ گیا۔''

''جو تم ہو وہ کوئی نہیں ہو سکتی۔'' میں نے جذباتی ہو کر کہا۔

''تم کو میں بھول نہیں سکتی تم چاہے جس کے پہلو میں چلے جاؤ، رہو گے میرے ہی کیونکہ میں چاندنی ہوں تمہارے جنم جنم کی ساتھی۔'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ اس وقت میرے سر پر محبت کا جن سوار تھا، میں نے کہا۔

''تم میری زندگی ہو، خواہش ہو، آرزو ہو، میری طاقت ہو، میری تمنا ہو۔''

یہ سن کر وہ مسکرائی اور بولی۔ ''اب تم شاعر بھی بن گئے ہو۔''

''میری طرف سے تم بدگمان نہ ہو امیرا کاروبار ہی ایسا ہے کہ اس کو بجا کر ٹھوک کر دیکھنا ہوتا ہے بعد میں کھوٹا ہوا تو نقصان ہوتا ہے۔ میں نے بات بنائی۔

''میں نے کب تم پر اعتراض کیا ہے کیونکہ میں جانتی ہوں تم ہر جنم میں صرف میرے ہو۔'' وہ بولی۔

ہم دونوں محبت کے کنویں میں اتر چکے تھے اور ٹرین پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ کنول کتنے غیر محسوس طریقہ پر میری بیوی بن گئی۔ نہ پھیرے ہوئے نہ نکاح ہوا اور کنول بیوی بن گئی اور میں نے بھی اس کو بیوی تسلیم کرلیا۔ میرا ذہن شاید سو رہا تھا۔ میں اپنی کیفیت کیا بیان کروں کیا غلط کیا ٹھیک تھا مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی میں ایسا محسوس کرتا تھا جیسے میرے ذہن کی رسیاں کھول دی گئی ہیں مگر ہر وقت ایسا نہیں تھا۔ کئی دفعہ مجھے لگا کہ شاید میں سو رہا ہوں اور جو کچھ ہو رہا ہے عالم خواب میں ہے مگر ہر بار میرے پہلو میں مجھے ہر بار کنول ملی جو مجھے کراچی سے لائی تھی۔ جس نے میری زندگی کا رخ موڑ دیا تھا۔ مجھے بمبئی کا امیر آدمی بنا دیا تھا۔ میرے نام پر لاکھوں کا کاروبار ہو رہا تھا۔ اب میرے دماغ کی رسیاں ڈھیلی ہو رہی تھیں میں نے سوچا۔ ''یہ عورت جو میرے پہلو میں پڑی ہے وہ کون ہے یہ وہی ہے جو کراچی کے پوسٹ آفس میں میرے پاس آئی تھی؟ ہاں یہ وہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس عورت نے مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندی پر پہنچایا ہے۔ میں نے اس کو کیا دیا ہے میں نے اس کے ساتھ کیا ناانصافی نہیں کی۔ اس نے کبھی شکایت نہیں کی۔ میں ہی قصوروار ہوں۔'' میں نے خود سے کہا۔

''اب کیا کروں؟'' میں نے پھر خود سے کہا۔

''اس سے شادی کرلو۔'' اندر سے آواز آئی۔

ہاں یہ ٹھیک ہے دلی میں سب سے پہلا کام یہی کرنا ہوگا۔

اور دلی پہنچتے ہی کنول کو کہا۔

''تم کو پتہ ہے میں یہاں کیوں آیا ہوں؟''

''مجھے کیا پتہ بتاؤ گے تو پتہ چلے گا۔'' وہ بولی۔

''میں تم سے شادی کرنے یہاں آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ کام تو تم بمبئی میں بھی کر سکتے تھے وہاں کیا پریشانی تھی۔'' وہ بولی۔

''تھی پریشانی تم بھول جاتی ہو تم ہندو دھرم کو مانتی ہو اور میں ہندو نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ارے تم بھول گئے تم راجن ہو سیٹھ راجن۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''دنیا کی نظر میں میں بے شک ہوں مگر اندر سے اب بھی حیدر ہوں۔'' میرے دماغ کی رسیاں پوری طرح کھل چکی تھیں تو میں نے کہا۔

''آہستہ بات کرو..... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں؟''

''میرے لئے تو تم جو بھی ہو میرے ہو مگر کسی اور کو اس کی بھنک بھی نہیں پڑنا چاہئے۔'' وہ بولی۔

''نہیں پڑے گی بھنک تم کل تیار ہو جانا وکیل کے پاس چلیں گے۔''

اور دوسرے دن ہم نے کورٹ میرج کر لی۔ یہ کام اتنی خفیہ طریقہ پر کیا کہ وکیل نے بھی ہمیں ایک عام پریمی جوڑا ہی سمجھا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم اچانک پھر حیدر کیسے بن گئے۔'' کورٹ سے واپسی پر کنول نے پوچھا۔

''دیکھو کنول صرف تم ہو جس کو میں اپنی اندر کی بات بتا سکتا ہوں۔ یہ تو تم جانتی ہو۔ مجھے دولت کا لالچ نہیں ہے۔ میں تمہارا ہوں مگر اندر سے میں خود کو نہیں بدل سکا سب نے مجھے راجن اور پھر سیٹھ راجن بنا ڈالا ہے۔ مجھے گرھاری انڈسٹری سے بھی دلچسپی نہیں ہے میں یہ سب کچھ تم لوگوں کی خاطر کر رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بمبئی میں میری کیفیت کیسی ہو جاتی ہے کہ میں تم سے بھی بے گانہ سا ہو جاتا ہوں۔ میں تم سے شرمندہ ہوں میں نے تمہاری محبت کا بدل تم کو کچھ نہیں دیا۔'' میں نے شرمندگی سے کہا۔

''بمبئی میں مجھے تمہاری مصروفیت کا پتہ تھا راجیش نے بتایا کہ یہ کاروباری بات ہے اور کچھ نہیں ہے۔ مگر میں عورت ہوں عورت کا دل بڑا کمزور ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ سمجھ کر بھی اپنے مرد کو آنچل میں باندھ کر رکھنا چاہتی ہے۔ مگر تمہارے مسائل اور وقت کی ضرورت نے مجھے خاموش کر دیا تھا۔ میں بھی چاہتی تھی کہ تم راجن بن جاؤ ایک بڑے آدمی کہلاؤ تم کو راجن بنانے کو کیا کچھ کیا گیا وہ بھی میں نے

دیکھا ہے مگر تم بمبئی چھوڑتے ہی حیدر بن گئے۔'' کنول نے کہا۔

''میں اب بھی راجن ہوں مگر تم کو بتا رہا ہوں کہ اندر سے اب بھی میں حیدر ہی ہوں تم کو حیدر قبول ہے اس کا اندازہ مجھے کورٹ میں کرنا تھا تم نے مجھے قبول کر لیا اور میرے لئے یہ بہت ہے۔ اب ساری دنیا مجھے چاہے راجن کہے مجھے اس کی پرواہ نہیں، مجھے زبردستی کوئی مندر تو نہیں لے جا رہا، کہہ رہا ہے کہتا رہے۔'' میں نے کہا۔

☆.....☆.....☆

''اب تو میرا کام ختم ہو گیا ہے۔ مجھے مدراس جانے دو۔'' پنڈت نے کہا۔

''کام کب ختم ہوتا ہے پنڈت جی یہ تو زندگی کے ساتھ لگا ہے۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''دیکھو لالہ ہمارا تمہارا معاملہ یہاں تک ہی تھا میں نے اس کا دماغ پھیر دیا۔ وہ کٹر مسلمان تھا اب اس کو پتہ نہیں کہ وہ کیا ہے۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ اس کام پر مجھے کتنی محنت کرنا پڑی ہے اور تم ہو کہ بات کو آگے ہی آگے بڑھائے چلے جا رہے ہو۔ اب مجھے اجازت دے دو۔'' پنڈت نے کہا۔

''آپ تو ناحق ناراض ہو گئے آپ کو تو ہم خوش کر کے بھیجیں گے۔'' موہن لال بولے۔

''تو پھر بہانہ بازی کیوں ہو رہی ہے مجھ سے اس کا دماغ پھیرنے تک کی بات ہوئی تھی میں نے حیدر کو پاکستان دھکیل دیا اور راجن کو اس کے شریر میں ڈال دیا، میں نے تو اپنا کام کر دیا تھا۔'' پنڈت نے کہا۔

''یہ کون کہتا ہے کہ تم نے اپنا کام نہیں کیا، ہماری پچھلی بیٹھک میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ عدالتی کارروائی کی تیاری کی جائے گی اور آپ کو ایک کے بجائے دو لاکھ روپے ماہانہ ملیں گے۔ عدالت میں جانے کی کاغذی تیاری پوری ہونے والی ہیں وکیلوں کا پینل کام کر رہا ہے یہ ایک اہم نوعیت کا کیس ہے اب تک ہندوستان کی تاریخ میں کسی مرے آدمی نے اپنی حق ملکیت کے لئے دعویٰ نہیں کیا ہے اور کسی کو اتنی زیادہ مدت تک اپنا پچھلا جنم یاد بھی نہیں رہا۔ ہم چاہتے ہیں کہ راجن خود اعلان کرے کہ اس کو اپنا پچھلا جنم یاد ہے اور اپنے بارے میں عدالت کے روبرو اس کے سوالات کے جوابات دے، ظاہر ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ کی گرفت اس کے ذہن پر سخت ہو ذرا سی غلط بات پورے کیس کو خراب کر سکتی ہے۔ پنڈت جی یہ اربوں کا کھیل ہے اس کھیل پر کروڑوں خرچ ہو چکے ہیں آپ کو آپ کے حکم کے مطابق دیا جا رہا ہے ہم کو آگے بھی آپ کی ضرورت ہے آپ کس طرح بیچ میں چھوڑ کر جا سکتے ہیں کیا اس میں آپ کا فائدہ نہیں ہے۔ رہی آپ کی ضرورت تو وہ ہم گلے گلے پوری کرنے کو تیار ہیں۔'' بھگوان داس رسان سے بولے۔

''چلو ٹھیک ہے تم جیسے لوگوں کو چھوڑنا بھی تو آسان نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''آگے کا پروگرام بتاؤ۔'' موہن لال نے کہا۔

''اب ذرا ضرورت احتیاط کی ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''احتیاط کس قسم کی۔'' بھگوان داس بولے۔

''راجن کو مسلمانوں سے زیادہ میل جول نہیں رکھنا ہے۔ کسی مسجد یا کسی درگاہ پر نہ جائے۔ زیادہ سے زیادہ مصروف رکھا جائے اور ہر وقت عورت اس کے سر پر سوار رہے کنول اس کو اکیلا نہ چھوڑے۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں پوری بات سمجھ نہیں سکا۔'' موہن لال بولے۔

''لالہ جی بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ حکیم ڈاکٹر علاج تو کر دیتے ہیں مرض بھی چلا جاتا ہے مگر پرہیز جاری رہتا ہے بد پرہیزی سے دوبارہ بیماری پلٹ جاتی ہے۔ بس یہ سمجھو کہ یہ بیماری اسی قسم کی ہے۔'' پنڈت نے وضاحت کی۔

''ہاں اب کچھ سمجھ میں بات آئی ہے۔'' بھگوان داس بولے۔

''اچھا اب چلتا ہوں، گھر سے خط آیا ہے، پانچ لاکھ شام تک آجائیں تو بھیج دوں۔'' پنڈت نے کہا۔

''آپ کو چیک دے دوں مگر کل اتوار ہے پرسوں روپے ملیں گے۔'' موہن لال نے کہا۔

''نہیں مجھے نقد روپیہ چاہئے۔'' پنڈت نے کہا۔

''اتنا روپیہ نقد کون رکھتا ہے پنڈت جی۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''کچھ موہن جی کے پاس ہوگا کچھ تم کرلو اور کم پڑے تو راجن کے دفتر سے لے لو پورا ہو جائے گا۔'' وہ بولا۔

''راجن کے دفتر سے تو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ راجیش پونا گیا ہے اور راجن کنول کے ساتھ دلی گیا ہوا ہے۔ بھگوان داس نے کہا۔

''کیا کہا راجن دلی گیا ہوا ہے۔ پنڈت جیسے چیخ کر بولا۔

''ہاں اس میں اتنے پریشانی ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت تو بہت ہے مرواد یا تم نے ارے وہ نہ جانے کتنے دریا پار کر گیا میری محنت ہی ختم ہوگئی۔ ارے اس کے دماغ کو جس لائن پر میں نے رکھا تھا وہ تو سب گڑبڑ ہوگئی۔ پھر سے محنت کرنا پڑے گی اگر وہ کہیں جا رہا تھا تو مجھے تو بتایا ہوتا۔'' پنڈت نے کہا۔

''آپ نے اس کے باہر جانے پر کب پابندی لگائی تھی۔'' موہن لال بولے۔

''ہاں میری یہ غلطی تھی مگر مجھے اس کے باہر جانے کا گمان نہیں تھا۔'' پنڈت نے کہا۔

''تو پھر اس میں ہماری کیا غلطی؟'' بھگوان داس نے کہا۔

سب گڑبڑ ہوگئی اب پھر سے اس کے آنے پر کام شروع کرنا ہوگا۔ پہلے اس کی کھوپڑی پر کنٹرول کرنا ہوگا اب آپ کیس میرے کہنے پر کورٹ لے کر جائیں گے انتظار کرنا ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''یہ تو بہت بڑی گڑبڑ ہوگئی۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''اس کا اپائے تو کرنا ہی پڑے گا۔ اس کو جلد از جلد بمبئی بلواؤ تاکہ کام شروع کر سکوں۔'' پنڈت نے کہا۔

''وہ دونوں تو سیر سپاٹے کو گئے ہیں اتنی جلدی تو نہیں آئیں گے۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''آپ کوشش کریں شاید آ ہی جائیں۔'' پنڈت نے کہا۔

''کوشش کر لیتے ہیں مگر ان کا آنا مشکل نظر آتا ہے کیوں کہ دلی کے بعد وہ متھرا ایک دو دن رکیں گے یا ترا کریں گے پھر آگرہ تاج محل دیکھنے جائیں گے اس کے بعد کنول کا پروگرام ہردوار جانے کا بھی ہے سب بتا کر گئی ہے۔ اب اگر ہم کوئی بہانہ بازی کرتے ہیں تو شک شبہ تو ہوگا۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''ٹھیک ہے تو سب کام ٹھپ ہی رہیں گے جو کچھ ہوگا، ان کے آنے پر ہی ہوگا۔'' پروفیسر پنڈت نے کہا۔

''اب تو مجبوری ہے کیا ہو سکتا ہے آپ یہ بتاؤ کیا اس کا دماغ تمہارے کنٹرول سے باہر ہو گیا ہے؟''

''آپ کی سمجھ میں شاید میری بات نہ آسکے مگر آپ نے سوال کر دیا ہے تو بتاتا ہوں کہ یہ صرف ارادے کی قوت ہے ارادے کی قوت دو طرح کی ہوتی ہے ایک قوت خیر اور ایک قوت شر۔ انسان کی قوت ارادی ایک ریڈیو سیٹ کی طرح کام کرتی ہے، ریڈیو سیٹ کی سوئی کو اگر مطلوبہ نمبر پر لگایا جائے تو فضا میں پھیلی ہوئی آواز کی لہروں کو قبول کر لیتی ہے اور وہ آوازیں ہم ترتیب وار سن لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر قوت ارادی کو مناسب تربیت دی گئی تو وہ کسی کو بھی اپنے غیبی اثر میں لے آتی ہے اور اپنی مرضی اور منشا کے مطابق اس کے دماغ کو استعمال کرتی ہے۔ مگر اس کے لئے کچھ پابندی بھی ہے۔ پابندی یہ ہے کہ معمول زیادہ دور نہ ہو، ہو سکتا ہے وہ یہ صرف میری مجبوری ہو مجھ سے زیادہ ماہر ہوں ان کے لئے ایسی پابندی نہ ہو۔'' پنڈت نے کہا۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کسی سے بھی کچھ بھی کروایا جاسکتا ہے۔'' بھگوان داس بولے۔

''ہوسکتا ہے آپ یوں سمجھ لیں کہ انسان کا ہر عضو اپنے تحفظ کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے۔ پیاس لگتی ہے پانی تلاش کرتے ہیں پانی ضرورت کا تدارک ہوتا ہے ضرورت پوری نہ ہو تو موت واقع ہوجاتی ہے۔ فطرت تکمیل کی طرف صرف اشارہ کرتی ہے راہ نمائی کرتی ہے کرنا تو خود پڑتا ہے اور اگر پانی نہ پیا جائے کسی وجہ سے تو موت ہوتی ہے، انسانی اعضاء کو اپنے اشارہ پر چلانا ہی قوت ارادی کا کرشمہ ہے یہ کام معمولی نہیں ہے عامل بھی خطرے میں رہتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ قوت ارادی رکھنے والا اس کو بھی باندھ سکتا ہے۔ عامل بھی معمول بن سکتا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''کام خطرناک ہے۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''مگر لالہ جی جو کام کرنے ہوتے ہیں وہ تو کرنا پڑتے ہیں میں زیادہ دور نہیں جاسکتا وہ بمبئی آئے گا تو پھر سے کچھ کروں گا ابھی وہ میرے کنٹرول سے باہر ہے وہ خود کو حیدر کہے یا راجن میں اس کے منہ اور دماغ دونوں پر کنٹرول نہیں کرسکتا، آپ یہ بتائیں کنول اس کو کس صورت میں پسند کرتی ہے۔ حیدر کی صورت میں یا راجن کی صورت میں۔'' پنڈت نے پوچھا۔

''راجن تو وہ بمبئی آکر بنا ہے کنول تو اس کو کراچی سے پسند کرتی آئی ہے تو ظاہر ہے حیدر کی صورت میں ہی پسند کرتی ہے۔'' بھگوان داس نے جواب دیا۔

''یہ اور مشکل ہوگئی کنول کی طرف سے ہمیں کسی مدد کی امید نہیں رکھنا چاہئے۔'' پنڈت نے کہا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے وہ آخر میری بیٹی ہے ہندو جاتی کی ہی طرف داری کرے گی اگر حیدر راجن کے روپ میں آئے گا تو یقینی طور پر وہ خوش ہوگی۔'' بھگوان داس نے کہا۔

''اس کے آنے تک سارے پروگرام روک دیں۔ اب میں چلتا ہوں اس کے آنے پر مجھے اطلاع کردیں۔

☆.....☆.....☆

دلی کی آب و ہوا راجن کو بڑی راس آئی اس کو جب بھی راجن کے نام سے مخاطب کیا گیا اس کو یہ نام اجنبی سا لگا حیدر اندر تھا مگر جاگ رہا تھا۔ ''میں تم کو اگر کہوں کہ مجھے تم حیدر کے نام سے پکارو تو۔'' میں نے کنول سے پوچھا۔

''پکار لوں گی میرے لئے اس سے کیا فرق پڑے گا۔'' وہ بولی۔

''انسان کو بعض اوقات بڑے سخت مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے اسی کا نام زندگی ہے۔ بمبئی میں تم نے میرے رویہ اور کردار کے بارے میں ضرور کچھ سوچا ہوگا۔ مگر میں اس کی وضاحت کرنے سے قاصر

ہوں تم کو دکھ ہوا ہوگا میں جانتا ہوں جو کچھ ہوا میں کوشش کروں گا کہ پھر نہ ہو۔'' میں نے کہا تو کنول بولی۔

''تم جس کاروبار میں ہو اس کے بھی کچھ تقاضے ہیں کچھ ضروریات ہیں میری طرف سے تم بے فکر رہو مجھ پر تمہاری طرف سے بدگمانی نہیں ہوگی کیونکہ میں نے تم سے محبت کی ہے، محبت میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے بہت کچھ دینا پڑتا ہے، محبت صرف دینے کا نام ہے کچھ لینے کا نام نہیں ہے۔'' کنول نے کہا۔

''تمہارے خیالات کتنے بلند ہیں تمہاری سوچ کتنی پاک ہے میں ہی بدنصیب ہوں کہ تمہاری وہ قدر نہ کرسکا جس کی تم مستحق ہو۔'' میں نے کہا۔

''تم میرے ہوگئے۔ مجھے منزل مل گئی اب اور کہاں جانا ہے۔'' کنول بولی۔

ابھی دور جانا ہے۔'' میں نے کہا۔

یہاں سے آگرہ جائیں گے محبت کی یادگار دیکھیں گے۔ کاش میں بھی شاہ جہاں جیسا کچھ کرسکوں۔'' میں نے کہا۔

''شاہ جہاں نے دنیا کے لئے ایک یادگار محبت چھوڑی ہے تم کیا چھوڑو گے۔''

''اگر تم تعاون کرو گی تو ضرور چھوڑوں گا۔'' میں نے کہا۔

''کوئی کنول محل بنواؤ گے۔'' کنول نے کہا۔

''نہیں میرا ارادہ ایک محل نہیں کئی محل بنانے کا ہے اس لئے تم کو تکلیف اٹھانا ہوگی پورے نو ماہ، یہ سوچ کر ذرا پریشان ہوتا ہوں، محل میرا ہوگا مگر اس کی تعمیر تم کو کرنا پڑے گی اور۔'' میں نے کہا۔

کنول نے شرم کے مارے گردن جھکادی کچھ بولی نہیں تو میں نے کہا۔'' کچھ تو کہو کیا ارادہ ہے۔''

میں کیا جواب دوں، میں عورت ہوں ماں بننا ہر عورت کا خواب ہوتا ہے وہ ماں بننے کے معاملے کو عقل اور جذبات دونوں سے سوچتی ہے۔'' کنول نے جواب دیا۔

''تو اس کا مطلب ہوا تم تیار ہو۔'' میں خوشی سے بولا۔

''میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہوگی کہ میں نے جس کو چاہا اس کی اولاد کو بھی جنم دوں دوسری خوشی یہ کہ اولاد کے حوالے سے اپنے پتی کو ایک نئی محبت اور ایک نئے رشتے سے باندھوں گی تیسری یہ کہ اولاد کے ذریعہ تمہارا نام چلے گا اور تمہارا سب کچھ میری یا تمہاری اولاد کو ملے گا۔ اس کے علاوہ بھی ہزار ہا خوشیاں اولاد کے پیدا ہونے کے بعد مجھے اور تم کو ملیں گی اولاد کی تمنا ہر شادی شدہ

عورت کو ہوتی ہے۔'' کنول نے کہا۔

''مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی آج کے ماڈرن دور میں بہت سی باتیں اور سوچیں بدل رہی ہیں۔ مگر تمہاری سوچ اب تک وہی ہے جو ایک ہندوستانی عورت کی سوچ ہے۔'' میں نے کہا۔

''تاج محل دیکھو ایسا ہے کہ یہ کل بن کر تیار ہوا ہے اور آج ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ان دونوں میاں بیوی کی محبت کی خوشبو ہر طرف مجھے اڑاتی محسوس ہوتی ہے۔'' کنول نے جواب دیا۔

''سینکڑوں سال گزر گئے مگر اس خوشبو میں کمی نہیں آئی یہ ہے محبت کی پائیداری۔'' میں نے کہا۔

''اگر محبت سچی ہو تو پائیدار ہی ہوتی ہے۔'' کنول نے کہا۔

''میں اگر کہیں کا بادشاہ ہوتا تو ایک تاج محل اور دنیا میں ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''انسان جن چیزوں کو پسند کرتا ہے کیا وہ پانی پر بنتے اور تیرتے بلبلوں کی طرح نہیں ہوتے ان بلبلوں کو پکڑا نہیں جا سکتا صرف دیکھا جا سکتا ہے۔ انسانی خواہشات کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ ہم زندگی بھر ان خواہشات کے سراب میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ہم اور ہماری خواہشات دو متوازی دریا کے کنارے ہیں جو کبھی آپس میں نہیں ملتے۔ خواہشات کا صحرا تو ایسا ہے جہاں سایہ نہیں ملتا تاکہ انسان پل دو پل کے لئے سستا ہی سکے۔ اس لئے تم اپنی اس خواہش کو بھول جاؤ تمہاری محبت کا تاج محل میرے دل میں ہے اور اگر پیٹ میں آ جائے گا تو بھی میرا کیا جائے گا اور کنول زور سے ہنس پڑی۔

''تم نے تو پورا فلسفہ بیان کر دیا اور تاج محل پیٹ کے اندر آ سکتا ہے یہ بھی بتا دیا واہ بہت خوب۔''

''اب کہاں کا ارادہ ہے۔'' کنول نے پوچھا۔

''میرا ارادہ تو یہیں تک تھا آگے تم اگر یاترا کرنا چاہتی ہو تو ہر دوار چلتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''تم کو میں نے بتایا نہیں میری طبیعت کچھ بھاری سی ہو رہی ہے متلی سی بھی ہو رہی ہے اور زیادہ نہ خراب ہو جائے تم ایسا کرو جہاز کی سیٹ کرا لو واپس چلتے ہیں۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک تمہاری مرضی، دلی سے جہاز ملے گا گاڑی بھی دلی کی ہے تو واپس دلی چلتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ اور پورے ایک ماہ کے بعد ہم بمبئی کے لئے روانہ ہو گئے۔

بمبئی آتے ہی میں کنول کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گیا۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد جواب دیا۔

''خوش ہو جائیں مسٹر راجن آپ صاحب اولاد ہونے والے ہیں۔''

یہ خوش خبری چھپی نہ رہی اور مبارک بادیں آنے لگیں۔ ''ہم تو بولتا ہے صاحب جی کہ ابی تم کوئی اچھا بڑا پروجیکٹ بناؤ یہ آلتو فالتو کام چھوڑ دو خوشی کا ٹائم ہے۔'' بھٹناگر صاحب بولے۔

''آپ بولو کیا بنائیں۔'' میں نے پوچھا۔

''کوئی کلاسیکل چیز ہونا چاہئے۔'' وہ بولے۔

''آپ کو پتا ہے یہ بہت مہنگا سودا ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم پیسہ کا واندہ مت کرو نی ہم جو ہے تمہارے لئے کچھ بھی کرے گا۔'' بھٹناگر بولے۔

''کوئی شاہی زمانے کی فلم بنائیں کیا کریں۔'' میں نے کہا۔

''بناؤ اور جلدی بناؤ پہلے سے پہلے مارکیٹ میں ڈالو۔'' وہ بولے۔

''مغلیہ دور میں ہزاروں کہانیاں ہیں۔ آپ کی نظر میں کوئی ایسی کہانی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

ارے یار تم یہ بتاؤ کیا سارے مغل بادشاہوں کے لڑکے ہی ہوتے تھے۔ ان کی لڑکیاں نہیں تھیں اور اگر تھیں تو وہ تاریخ میں کیوں نہیں پھر ان کی شادیاں کن لوگوں سے ہوئیں نہیں ہوئیں تو ان کے دامادوں کے کیا نام تھے ان کی اولادیں تھیں نہیں تھیں یہ سب تاریخ میں نہیں ہے ہم ایسی ہی کسی شہزادی کی کہانی لے سکتے ہیں اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ کوئی ہم کو تاریخ دکھا کر غلط ثابت نہیں کر سکے گا دوسرے ہم اپنی مرضی کی کہانی ڈال سکیں گے۔'' بھٹناگر نے بتایا۔

''تو پھر اس کے لئے کیا ضروری ہے کہ شاہی دور کی کہانی بنوائی جائے۔ کوئی بھی کہانی لی جا سکتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر اس میں محلات اور شاہی کروفر تو نہیں آئیں گے۔'' بھٹناگر بولے۔

اچھا آپ ایسا کریں کوئی ایسی کہانی تیار کروائیں پھر بیٹھ کر بات کریں گے اچھی ہوئی تو فلم بنائیں گے مگر ایک بات یاد رکھیں اس قسم کی فلمیں بنانے والے ڈائریکٹر کم ہیں۔''

کیدار شرما اچھا ڈائریکٹر ہے مگر وہ سوشل فلموں کا اچھا ڈائریکٹر ہے۔ مغلیہ دور کی فلم بنانا اس کے بس کی بات نہیں ہے آپ اگر ان کو لینا چاہیں گے تو میرے ادارے سے وہ فلم نہیں بنے گی۔'' میں نے کہا۔ ''میں کسی کامیاب اور سمجھدار ڈائریکٹر کے لئے کچھ کرتا ہوں۔'' اور بھٹناگر چلے گئے۔

بمبئی آتے ہی میرا دماغ پھر اسی لائن پر آ گیا میں پھر رات رات بھر فلمی اور غیر فلمی لڑکیوں کے ساتھ رہنے لگا۔ سارا کاروبار تو راجیش کرتا تھا۔ کئی کئی فلمیں سیٹ پر تھیں ریلیز ہو رہی تھیں مگر اب تک کوئی فلم بری طرح نہیں پٹی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارا ایک ادارہ پبلسٹی کا بھی تھا۔ وہ کمزور فلم کی بھی

اتنی اچھی پبلسٹی کرتا تھا کہ فلم چل جاتی تھی اور گھاٹا نہیں ہوتا تھا۔

ایک ہیروئن تھی اس کا نام مالتی تھا۔ وہ اب تک میرے ادارے کی کسی فلم میں نہیں آئی تھی۔ وہ تھی کچھ مغرور، انڈسٹری میں نام تھا اس کے پاس لوگ خود چل کر جاتے تھے۔ پھر وہ ہمارے پاس کیوں آتی۔

ایک دن اس کے سیکریٹری کا فون آ گیا۔ بولا۔

''میڈم آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔''

''میں نے کہا آج سورج کدھر سے نکلا تھا۔''

''میں مطلب نہیں سمجھا سر۔'' وہ بولا۔

''ارے آج آپ کی میڈیم کو ہمارا خیال کس طرح آ گیا۔'' میں نے کہا۔

''آپ بمبئی میں نہیں تھے انہوں نے پہلے بھی آپ کو یاد کیا تھا۔''

''اچھا چلو مان لیا، جب دل کرے فون کر کے آ جائیں۔'' میں نے کہا۔

''آج شام کو تاج میں پارٹی ہے آپ آئیں گے۔'' وہ بولا۔

''اچھا وہ شریف الدین کے لڑکے کا ولیمہ ہے آؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''وہ آپ سے وہیں پر ملاقات کریں گی۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے میں ساڑھے نو بجے تک پہنچ جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

رات نو بجے میں تاج کے بہت بڑے ہال میں موجود تھا ہر طرف شہر کے معززین نظر آ رہے تھے ان میں فلمی دنیا کے چیدہ چیدہ لوگ بھی تھے۔

''اتنا اچھا پارٹی اور سیٹھ راجن نہیں ہم یہ سوچتا تھا۔'' چھوٹانی سیٹھ نے کہا۔

''آپ نے یاد کیا میں آ گیا۔'' میں نے کہا۔

''ابھی تم کو ہم بتائیں گا وہ مالتی دیوی تم کو پوچھتی تھی۔'' وہ بولا۔

''ہاں میں نے اس کو وقت دیا تھا۔'' میں نے کہا۔

تو آؤ ہمارے ساتھ وہ ادھر لان میں ہے اور میں چھوٹانی کے ساتھ لان میں آ گیا۔

سبز گھاس پر کرسیاں لگی تھیں اور مالتی وہاں موجود تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو کھڑی ہو گئی اس کی نرگسی آنکھوں میں شوخی تھی۔ لبوں کے گداز پر سحر انگیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی اس کے انداز میں دلربائی تھی وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں اور جسمانی مقناطیسی کشش لئے تھی۔ وہ بڑی پروقار اور بردبار نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ اس طرح وا ہوئے کہ یاقوت کی قاشوں کے درمیان آبدار موتیوں کی چمک نظر

آنے لگی۔ میں نے اس کے حسین سراپے پر گہری نظر ڈالی۔

اس کے سراپے اور سج دھج نے مجھے متاثر کیا۔ میں نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ ''آپ کو میرا انتظار کرنا پڑا ہوگا۔''

''تو کیا ہوا ایسا تو ان معاملات میں ہوتا ہے۔'' اس کی خوب صورت آواز آئی۔

اس نے پہلو بدلہ بدن کی لچک نے اور ستم ڈھایا۔ وہ کسی شاخ گل کی طرح لچکیلا بھی تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی مسکراتے ہوئے اس کے ہونٹوں میں خفیف سی لرزش پیدا ہوتی تھی۔ جسے دیکھ کر میرے پورے بدن میں ایک مخمور کن جذبہ تیرنے لگا تھا۔ اس کے جسم کی ہر جنبش جذبات خیز تھی۔ اس کی نظریں میری نظروں کے تعاقب میں تھیں اس نے اپنے بارے میں جو اندازے لگائے تھے وہ پورے ہو رہے تھے۔ اس کی شخصیت نے مجھے متاثر کر دیا تھا اس کی تیاری کامیاب تھی۔ ''میں نے سنا ہے آپ کوئی بڑا پروجیکٹ کرنے والے ہیں۔'' وہ بولی۔

''بہت سے ہیں آپ کس کی بات کر رہی ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''بھٹنا گر سیٹھ کچھ ذکر کر رہے تھے۔'' وہ بولی۔

''ابھی کچھ نہیں ہے بھٹنا گر نے مجھ سے ذکر کیا ہے میں نے ان کو کہانی لکھوانے کا کہا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہوئی تو پھر ڈائریکٹر کی تلاش ہوگی اور پھر کام آگے بڑھے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے اب تک کسی مغل شہزادی کا پارٹ ادا نہیں کیا ہے بھٹنا گر نے وعدہ کیا ہے کہ ہیروئن وہ مجھے ہی لیں گے آپ کا کیا خیال ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''آپ سے بڑھیا ہیروئن تو پوری انڈسٹری میں نہیں ہے۔ آپ تو پیدائشی ہیروئن ہیں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر وعدہ رہا۔'' وہ مسکراہٹ کے تیر برساتی ہوئی بولی۔

''آپ حکم کریں لکھ کر دے دوں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر پہلے اس پروجیکٹ کو کریں۔'' وہ پھر بولی۔

''میں صرف آرڈر کرتا ہوں آپ کو پتہ ہے کام تو ادارہ کرتا ہے راجیش بابو کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر میری خاطر حکم کر دیں۔'' وہ بولی۔

''آپ کی خاطر بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ پارٹی کے بعد آپ کی کیا مصروفیت ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میں رات کی شوٹنگ نہیں کرتی اس لئے فارغ ہوں۔'' وہ بولی۔

''کیوں! رات کی شوٹنگ کیوں نہیں کرتیں؟'' میں نے پوچھا۔

''بس نہیں کرتی۔'' وہ بولی۔

''ہمارے ساتھ بھی نہیں۔'' میں نے برجستہ کہا۔ وہ مسکرائی اس کی یہی مسکراہٹ اس کے تمام حسین سراپے کی جان تھی۔ وہ بولی کچھ نہیں۔ ''تو پھر ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کا انتظار آپ کی دھرم پتنی کرتی ہوں گی۔''

''فلمی لوگوں کی دھرم پتنیاں ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتیں۔'' میں نے کہا۔

میری فلمی زندگی میں نہ معلوم کتنی عورتیں آئی تھیں میں ایک طرح سے اچھی طرح عورت شناس ہو گیا تھا۔ مگر مالتی پہلی عورت تھی جس نے مجھے زندگی کے ایک زاویے سے متعارف کرایا تھا میں اس کا دیوانہ ہو رہا تھا۔ کب صبح ہو گئی پتہ ہی نہ چلا۔

صبح آ کر میں نے سب سے پہلے بھٹناگر کو فون کیا اور پروجیکٹ شروع کرنے کے بارے میں آرڈر کر دیا۔ اور دوسرے پروجیکٹ کو لیٹ کر دیا۔ میں مالتی کے زلف میں الجھ گیا۔ نئے پروجیکٹ کی وہ ہیروئن تھی۔ وہ سیٹھ راجن کی منظور نظر بھی تھی۔ اس کے کہنے سے کہانی میں کاسٹیوم میں بڑی بڑی تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ اس کا کہا مانا گیا چھ مہینے میں فلم تیار ہو گئی اور بڑے کروفر سے جیسا کہ ہمارا دستور تھا ریلیز کی گئی اور اس کا جو حشر ہونا تھا ہوا۔ مگر مالتی کا جادو مجھ پر چلتا رہا۔

چند مہینے کے بعد کنول نے مجھے باپ بنا دیا۔ اس نے میری نسل آگے چلانے کے لئے مجھے ایک بیٹے کا تحفہ دیا۔ اور میں مالتی کے سحر سے نکل کر کنول کے گرد گھومنے لگا۔

☆.....☆.....☆

''اب کیا پروگرام ہے۔'' موہن لال نے پروفیسر پنڈت سے پوچھا۔

''آپ بتائیں اب حالات کیا ہیں؟'' پنڈت نے پوچھا۔

''وکیلوں کے پینل نے تیاری کر لی ہے۔'' بھگوان داس نے بتایا۔

''راجن کے بارے میں رپورٹ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی عورت کے زلف کا اسیر ہو گیا ہے جو کہ نام تو ہندو رکھتی ہے مگر وہ ہندو نہیں ہے۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ میرٹھ کی ایک بہت مشہور طوائف تمیزن بائی کی چھوٹی لڑکی ہے وہ طوائف ہے خوب دولت بمبئی میں کماتی ہے اس کے ساتھ ایک بوڑھا بھی رہتا ہے اصل خرابی وہی ہے اس بوڑھے نے راجن کو دیکھا ہے اور مالتی کو بتایا ہے کہ راجن کچھ اور ہے اس سے ہوشیاری کی ضرورت ہے مالتی اس کی ہر بات غور سے سنتی ہے اور اس پر عمل بھی کرتی

ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ بوڑھا کہیں عین وقت پر کوئی کام نہ دکھا دے عدالت میں کیس کرنے سے پہلے یہ سارے کانٹے چننا ضروری ہیں۔'' پنڈت نے کہا۔

''وہ بوڑھا کیا کوئی جادو سحر کرتا ہے اس کو کس طرح پتہ چل گیا۔'' موہن لال نے پوچھا۔

''مسلمانوں کا کچھ اور ہی طریقہ ہے مجھے اس کا پتہ نہیں ہے اور حیرت بھی ہے کہ طوائف کے گھر میں ایسا آدمی۔'' پنڈت نے حیرت سے کہا۔

''پھر اس کا علاج کیا ہے؟'' بھگوان داس نے پوچھا۔

''اب راجن باپ بن گیا ہے کنول اس کو باندھ سکتی ہے۔'' وہ بولا۔

''تو پھر انتظار کرنا پڑے گا؟ زیادہ نہیں جلدی پتہ چل جائے گا۔'' پنڈت بولا۔

مالتی کا نشہ اتر رہا تھا۔ عورت جب تک پراسرار رہتی ہے مرد کو اپیل کرتی ہے مگر جب آشکار ہو جاتی ہے بے اثر ہو جاتی ہے مالتی ادارے کے لئے بھی نقصان کا باعث ہوئی تجارتی نقطہ نگاہ سے بھی اس سے نقصان کا باعث تھا۔ اس نے کتنے ہی فون کئے میں نے جواب نہ دیا تو ایک دن وہ خود آ گئی اور بولی۔ ''کیا بات ہے سیٹھ اب تو آپ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔''

''تم جانتی ہو کتنا بڑا پروجیکٹ فلاپ ہوا ہے ادارے کی پہلی فلم فلاپ ہوئی ہے بھٹناگر کی حالت خراب ہے اگر میں اس میں وقت نہیں دوں گا تو دوسرے پروجیکٹ کس طرح پورے ہوں گے اس لئے وقت نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہوا سیٹھ تم مجھے نظر انداز کر دو گے۔'' وہ بولی۔

''اب کیا کیا جائے میرے ڈائریکٹرز میں سے تو کوئی تم کو سائن نہیں کرے گا۔'' میں نے کہا۔

فلمیں تو فیل ہوتی رہتی ہیں تم اپنے دل کی بات کرو۔'' وہ بولی۔

''اب میں زیادہ وقت تم کو نہیں دے سکتا۔'' میں نے کورا جواب دے دیا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ سیٹھ تم کون ہو؟ ہندو تو تم ہو نہیں۔'' وہ بولی۔

''تم کو یہ شبہ کیوں ہوا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''دیکھو راجن سیٹھ میں نے تم کو پورا دیکھا ہے تمہارا پور پور میری نظر میں ہے۔ تم ہندو نہیں ہو۔'' وہ بولی۔

''تمہارا شبہ ہے، تم کو میری پوری کہانی پتہ نہیں ہے۔ ہندوستان کے اور خاص طور سے بمبئی کے ہر ے اخبار میں میری کہانیاں چھپتی رہتی ہیں میں پیدا ہو کر چالیس بیالیس سال پہلے مر چکا تھا۔

اب یہ میرا دوسرا جنم ہے تم کو یقین نہیں تو کسی اخبار کو فون کر کے پوری کہانی پتہ کر لو اور سنو یہ جو

میری بیوی اس جنم میں ہے وہی پچھلے جنم میں تھی۔'' میں نے کہا۔

''یہ کسی آنے والی فلم کی کہانی آپ نے سنائی ہے۔'' وہ بولی۔

''تم مذاق سمجھتی ہو میری بات کو۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''نانا غصہ نہ کرنا پریم کرنے والے ایسا نہیں کرتے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اب تم جاؤ اور خیال رکھنا کہ اب مجھ سے کبھی مذاق نہ کرنا۔'' میں نے کہا۔

''تم کتنا بدل جاؤ گے میں نے اندازہ نہیں کیا تھا۔ میرے استاد نے تم کو دیکھ کر کہا تھا تم جو ہو وہ نظر نہیں آتے میں نے ان کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دی تھی۔ خیر میں پتہ چلالوں گی کہ تم کون ہو؟ اسی بمبئی میں میرے بھی قدر دان ہیں۔ تم اگر سیٹھ ہو تو ہم بھی ہاتھ پیر رکھتے ہیں۔'' اور وہ چلی گئی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ میں کنول اور بچے کے ساتھ بہت خوش تھا کاروبار راجیش چلا رہا تھا۔ ایک دن ایک ڈی ایس پی رینک کا پولیس آفیسر میرے دفتر آ گیا اور آتے ہی بولا۔ ''میں آپ کے بارے میں تحقیقات کرنے آیا ہوں جو پوچھوں اس کے ٹھیک ٹھیک جوابات آپ دیتے جائیں اگر غلط بات کریں گے تو پھر اس کا بھی آپ کو جواب دینا ہوگا۔'' وہ بولا۔

''فرمائیے کیا پوچھنا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ کا نام کیا ہے۔'' وہ بولا۔

''میرا نام راجن ہے۔''

''اور باپ نام گوپی چند۔''

''آپ کی پیدائش۔'' وہ بولا۔

'بمبئی۔'' میں نے کہا۔

''آپ کے بارے میں اخبارات میں بہت لکھا گیا ہے کیا آپ وہی راجن ہیں۔'' وہ بولا۔

''جی ہاں میں وہی ہوں۔''

آپ چالیس سال پہلے کراچی میں مر چکے ہیں یہ سچ ہے اور پھر بمبئی میں دوبارہ پیدا ہو گئے ہیں۔'' وہ بولا۔

آپ کے پاسپورٹ کی پیدائش سلطان پور لکھی ہے اور یہ پاکستانی پاسپورٹ ہے۔

''سلطان پور ہندوستان میں ہے پھر آپ پاکستانی پاسپورٹ لے کر یہاں آئے اور نام بھی حیدر علی ولد منصب علی لکھا ہے اس کی ذرا وضاحت کریں۔''

''میری پیدائش تو سلطان پور کی ہے میں پارٹیشن میں پاکستان چلا گیا تھا اور پھر پاکستانی پاسپورٹ پر بمبئی آیا۔'' میں نے کہا۔

''دیکھئے آپ خود اپنے بیان کو جھٹلا رہے ہیں۔ آپ نے کہا آپ بمبئی میں پیدا ہوئے۔ پھر سلطان پور میں کون پیدا ہوا۔'' وہ بولا۔

''سلطان پور میں حیدر پیدا ہوا اور بمبئی میں راجن پیدا ہوا۔'' میں نے جواب دیا۔

''بہت خوب تو گویا یہ دونوں الگ الگ ہیں۔'' وہ بولا۔

''ہاں یہ دونوں الگ الگ ہیں مجھے جب تک پتہ نہیں تھا کہ میں راجن ہوں تو میں حیدر تھا۔ بمبئی آ کر مجھے پتہ چلا کہ میں حیدر نہیں راجن ہوں تو میں راجن بن گیا اور پھر مجھے آہستہ آہستہ اپنا پچھلا جیون یاد آتا گیا اور میں راجن ہوتا گیا میرے پچھلے جنم کی دھرم پتنی بھی مجھے مل گئی اور میں بہت خوش ہوں۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''مسٹر راجن یا حیدر یہ کسی فلم کی کہانی تو ہو سکتی ہے مگر حقیقی دنیا میں آپ کی یہ من گھڑت کہانی نہیں چلے گی۔ آپ ایک پاکستانی ہیں اور پاسپورٹ پر آئے جس کی ویزا کی میعاد ختم ہو چکی ہے اس جرم کے تحت میں آپ کو گرفتار کر سکتا ہوں۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ کل تک ہندوستان سے نکل جائیں یہ رعایت ہے جو میں آپ کو دے رہا ہوں۔'' اور وہ چلا گیا۔

میں نے کنول کو فون کر کے سارے حالات بتائے اس نے بھگوان داس کو بتایا اور یہ بات شام سے پہلے پہلے سب کو پتہ چل گئی۔ ان سب کی ہنگامی میٹنگ بھی ہوئی مگر کچھ نہ ہو سکا اور سویرے ہی وہ آفیسر آ گیا اس کے پاس میرا پاسپورٹ بھی تھا جو کہ کاغذات کے ساتھ جمع کرایا گیا تھا۔ اس نے وہ میرے ہاتھ میں دیا اور بولا گیارہ بجے کراچی کی فلائٹ ہے اس کے ٹکٹ میں آپ کو ایئر پورٹ پر دلوادوں گا چلئے، میں نے بچے کو پیار کیا کنول کو گلے لگایا اور بھگوان داس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گیا آگے وہ ڈی ایس پی بیٹھا تھا راستہ بھر خاموشی رہی ایئر پورٹ پر میں نے بھگوان داس سے کہا۔ ''آپ ناامید نہ ہوں میں بہت جلد واپس آؤں گا راجیش کو کہیں سب کچھ اسی طرح چلاتا رہے۔ میری بیوی بچے کا خیال رکھنا۔'' اور میں کراچی کے لئے روانہ ہو گیا۔ انسان کیا کیا پروگرام بناتا ہے اور ہوتا کیا ہے میرے ساتھ تو اکثر یہی ہوتا رہا ہے۔

☆.....☆.....☆

ایک سال کے بعد میں واپس آیا تھا۔ پورا فلیٹ دھول مٹی میں اٹا ہوا تھا۔ بلڈنگ کے لوگوں کو جب یہ پتہ چلا کہ میں آ گیا ہوں تو بظاہر تو وہ خوش ہی ہوئے مگر اندر سے شاید خوش نہ تھے کسی نے کرایہ

جمع نہیں کرایا تھا ان کے خیال میں مالک مرکھپ گیا تھا اور وہ کرایہ دینے سے آزاد ہو چکے تھے سب سے پہلے انور میاں دکاندار آئے گلے لگ گئے بولے۔

''ارے میاں آنکھیں ترس گئیں آپ کہاں چلے گئے تھے۔''

''انڈیا گیا ہوا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''انڈیا میں اتنی دیر کون رکنے دیتا ہے۔'' وہ بولے۔

''میں رکنے کی کوشش میں تھا مگر نہ رک سکا اور وہ کنول بیٹی کہاں ہے۔'' وہ بولے۔

''اس کے ماں باپ وہیں تھے اس لئے اس کو رکنے کی اجازت مل گئی میرا تو نہ یہاں کوئی عزیز ہے نہ وہاں تھا اس لئے پلٹ کر آنا پڑ گیا۔'' میں نے کہا۔

''اچھا ہی ہوا میاں غیروں سے اپنے ملک میں تو آ گئے۔ اب کیا ارادہ ہے۔'' وہ پھر بولے۔

''ارادہ کیا ہوگا یہیں رہیں گے اور ہاں آپ ذرا مہربانی یہ کریں کہ میں آ گیا ہوں سب کی طرف جو ہے اس کا حساب میرے پاس آ کر کر لیں۔'' اور انور میاں خاموشی سے چلے گئے۔ گھر کی صفائی کروائی اور فریج وغیرہ چیک کرایا۔ سب سامان ٹھیک تھا الماریوں کے تالے بدلوائے الماریوں میں کنول کے اور میرے کپڑے ویسے ہی رکھے تھے۔ سب کاغذات وغیرہ بھی موجود تھے۔ اس کام سے فراغت پا کر میں دکانوں کی طرف چلا گیا۔ دکانداروں نے خوش دلی سے استقبال کیا پھر میں نے ان سے بھی حساب کرنے کو کہا اور چلا آیا۔

وکیل صاحب کے پاس کوٹھی پر گیا تو وکیل صاحب مل گئے بولے۔ ''تم بتائے بغیر ہی چلے گئے میں نے ہر ماہ کا کرایہ تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیا ہے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ ''وکیل صاحب آپ ہی ایک ایسے ہیں جس نے یہ کام کیا ہے باقی تو شاید میرے نہ آنے کی دعائیں کر رہے تھے۔''

''ہم وکیل ہیں قانونی باتوں کو سمجھتے ہیں آپ اس بنگلے کے مالک ہیں یہ بہت بڑی قیمتی جائیداد ہے میں اس پر قبضہ کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکتا دوسرے یہ بے ایمانی کی بات ہوگی۔ دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہیں کوئی روز دعا کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مریں تاکہ وہ قبریں تیار کریں اور زیادہ کمائے، ڈاکٹر آدمیوں کے بیمار ہونے کی دعائیں کرتا ہے اور ہم وکیل بھی اپنی روزی کی دعا کرتے ہیں۔ دینے والا ہر ایک کو اس کی ضرورت کا دیتا ہے جو جس طریقے سے مانگتا ہے اسی طریقہ پر اس کو مل جاتا ہے۔ پھر کسی کا حق کیوں مارا جائے۔'' وکیل صاحب نے جواب دیا۔

''دوسرے روز میں پھر صدر گیا تو اس بلڈنگ کا مالک مل گیا۔ بولا۔

تم اچھے وقت آیا حیدر بابو ہم تم کو بہت ڈھونڈا پتہ چلا تم انڈیا گیا ہے ابھی تم آ گیا تو بات کر لو۔ یہ بلڈنگ تم دیکھ رہے ہو ختم ہو گیا ہے سب دکان والا راضی ہے ہم اس کو گرا کر دوسرا نیا بلڈنگ ادھر بنائے گا تم کو تمہارا دونوں دکان جتنا بڑا دکان اسی جگہ ملے گا تم ہاں بولو تو کل سے کام شروع۔'' وہ بولا۔

میں نے کہا۔ ''میرا پورے سال کا کرایہ دکانداروں پر باقی ہے وہ دلوا دو، دوسری بات یہ کہ میں اب دکان خود کروں گا کسی کو کرائے پر نہیں دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''ارے یہ کون سا مشکل کام ہے یہ لوگ اڑی کرے گا تو ہم تم کو پورا سال کا کرایہ دے گا۔'' وہ بولا۔

''تو ٹھیک ہے ایگریمنٹ کرو اور کام شروع کرو۔'' میں نے کہا۔

اور کام شروع ہو گیا، مجھے کرایہ مل گیا۔

بلڈنگ کے کچھ لوگ کرایہ دے گئے تھے کچھ نے وعدے کئے تھے مگر میں ان پر زیادہ زور نہیں دے رہا تھا کیونکہ سب ہی بال بچے دار لوگ تھے۔ میں ڈوسانی کی طرف چلا گیا۔ ڈوسانی ایک بینک میں ملازمت کر رہا تھا۔ آنے والا تھا میں اس کے انتظار میں رک گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ آ گیا۔ آتے ہی پھٹ گیا۔ ''ارے سالہ کدھر مر گیا تھا۔'' وہ حسب عادت بولا۔

''انڈیا گیا ہوا تھا۔'' میں نے کہا۔

''ابے ایک سال تک کیا کر رہا تھا انڈیا میں۔'' اس نے پوچھا۔

''فلمیں بنا رہا تھا بمبئی میں۔'' میں نے کہا۔

''ابے کیا لمبی لمبی چھوڑ رہا ہے۔ سچ بتا۔'' وہ بولا۔

''جو کہہ رہا ہوں وہی سچ ہے تو اخبار پڑھتا ہے تو کبھی انڈیا کے اخبار پڑھلے وہاں کے ہر میگزین میں میری فوٹو اور میری کہانیاں چھپتی رہتی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اب بھی بات سر پر سے گزر گئی پیارے۔'' وہ گردن ہلا کر بولا۔

''تجھے پتہ ہے نا کہ کراچی میں مجھے ایک لڑکی ملی تھی تو، تو نے کہا تھا تیری تو لاٹری نکل آئی ہے یاد ہے تجھے۔''

میں نے پوچھا تو وہ بولا۔ ''اچھی طرح یاد ہے۔''

اور میں نے اس کو پوری کہانی سنا ڈالی۔ وہ اتنی غور سے سن رہا تھا کہ چائے ٹھنڈی ہو گئی۔

''اور پھر میں واپس آ گیا راجن انڈیا رہ گیا اور حیدر کراچی آ گیا۔'' میں نے کہا۔

''کوئی بات نہیں وہ تیرے لئے اتنا چھوڑ گئی ہے کہ ساری زندگی کو کافی ہوگا۔'' ڈوسانی بولا۔

''اب تیرا کیا ارادہ ہے۔'' وہ پھر بولا۔

''ارادہ کیا ہے صدر کی دکانیں ٹوٹ گئی ہیں بلڈنگ دوبارہ بن رہی ہے دکانیں ملیں گی تو وہیں پر کچھ کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''مگر سیٹھ راجن تو اب بھی بمبئی سے جتنا روپیہ چاہے منگوا سکتا ہے۔'' وہ بولا۔

''نہیں میں یہ نہیں کروں گا خود محنت کروں گا اور کماؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''ابے تیری بیوی ہے ایک بچہ بھی ہے تو کروڑوں کا مالک ہے لے سکتا ہے۔'' وہ بولا۔

''اگر زندگی رہی تو شاید ان سے ملاقات ہو جائے مگر میں اب خود سے انڈیا نہیں جاؤں گا وہاں میرا مذہب خطرے میں پڑ گیا تھا، پتہ نہیں بمبئی میں مجھے کیا ہو جاتا تھا میں سب کچھ بھول کر وہی کرتا تھ جو وہ لوگ مجھ سے کہتے تھے مجھے کبھی اپنے مذہب کا خیال نہیں آتا تھا میں صرف عورت اور دولت کا غلام بن جاتا تھا۔ دلی میں میری یہ کیفیت نہیں تھی ایسا لگتا تھا جیسے میرے دماغ کی لگامیں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں۔ میں بمبئی نہیں جاؤں گا، یہاں آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ پولیس آفیسر امیر دشمن نہیں دوست تھا۔'' میں نے کہا۔

''اور تیری بیوی تیرا انتظار کرے گی۔'' وہ بولا۔

''ہماری شادی کورٹ میرج تھی وہ تو خود بخود ختم ہو جائے گی۔''

''پھر تو ایسا کر بیٹا کہ کراچی میں شادی کر لے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے ایک تو تیرا ذہن بمبئی سے دور ہو جائے گا دوسرا تیرے منہ جو خون لگ چکا ہے اس کے لئے ادھر ادھر منہ نہیں مارے گا۔'' ڈوسانی زور سے ہنس کر بولا۔

''ٹھیک ہے کرتے ہیں کچھ۔''

وہ ڈیوٹی کے بعد روز ہی شام کو میرے پاس آ جاتا تھا۔ میرے گھر سے اس کے گھر کا فاصلہ ہ کتنا تھا۔ ایک دن آ کر وہ بولا۔ ''تیرے لئے ایک بہت ہی اچھی لڑکی میں نے تلاش کر لی ہے۔''

''کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تو عثمان کو تو جانتا ہی ہے اپنے ساتھ ہی کالج میں پڑھتا تھا اس نے کامرس لی تھی تو اس کو بنیا کہ کرتا تھا۔'' ڈوسانی نے پوچھا۔

''ہاں یاد آ گیا کرکٹ بھی کھیلتا تھا وہی نا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں وہی اس کی ایک بہن ہے اس سے بہت چھوٹی ہے میں نے اس کو دیکھا ہے بچپن سے میں اس کو دیکھ رہا ہوں مجھے بھی وہ بھائی جان کہتی ہے وہ جوان ہو گئی تو عثمان نے اس کی شادی کر دی تھی مگ

شاید وہ چھ سات مہینے کے بعد بیوہ ہو گئی تھی اس کا شوہر پورٹ پر کام کرتا تھا جہاں کرین سے بھاری سامان اتارا جاتا ہے ایک دن کسی کرین کی خرابی کی وجہ سے ایک بہت بھاری بوری اس کے اوپر گر گئی اور رضیہ بیوہ ہو گئی عمر میں تجھ سے چھوٹی ہی ہو گی بہت نیک اور سگھڑ لڑکی ہے بیوہ ہے تیرا گھر بھی بس جائے گا اور ثواب بھی ملے گا۔'' حمید نے بتایا۔

''تو نے دیکھا ہے طبیعت کی کیسی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''غریب گھرانے کی لڑکی ہے اور نہایت فرمانبردار ہے۔'' حمید نے کہا۔

''تو میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے جو کچھ تجھے پتہ ہے سب اس کو اور عثمان کو بتا دینا اگر وہ سب کچھ جاننے کے بعد میرے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوں تو میں تیرے ساتھ ایک دو دوستوں کے پاس چلا جاؤں گا نہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے نہ دھوم دھام کروں گا عثمان کو کہہ دینا گرمی کا موسم ہے ایک ایک بوتل کافی ہو گی، عثمان کو زیر بار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اور اس طرح رضیہ میری بیوی بن گئی۔

یوں تو کنول بھی میری بیوی تھی مگر بمبئی کے جس ماحول میں وہ میری بیوی تھی وہ ماحول ہندو معاشرے کا ماحول تھا میری مصروفیت کچھ اور تھیں کاروبار کچھ اور تھا وہاں پر میں گھریلو زندگی نہیں دیکھتا تھا کنول کی محبت مجھے حاصل تھی دولت کی فراوانی تھی وہاں کے مسائل دوسرے تھے وہاں کے طور طریقے دوسرے تھے۔ رضیہ بے شک غریب گھرانے کی تھی۔ عثمان سرکاری دفتر میں کام کرتا تھا لگی بندھی آمدنی تھی۔ اس کے دو بچے تھے، بیوی تھی، سرکاری مکان میں رہتا تھا۔ اس نے رضیہ کو میٹرک تک پڑھا دیا تھا اور شادی کر دی مگر چھ مہینے کے بعد ہی وہ بیوہ ہو کر پھر بھائی کے در پر آ گئی۔

میں نے پہلے روز ہی رضیہ کو بتا دیا۔ ''میری ایک ہندو بیوی بمبئی میں رہتی ہے۔ میرا ایک لڑکا بھی ہے مگر وہ پاکستان نہیں آئے گی یہ فلیٹ اور پوری بلڈنگ اس نے ہی میرے نام کی تھی میری زندگی بنانے میں اس نے بہت ہاتھ بٹایا تھا میں تو جھونپڑی میں رہتا تھا۔ تم اس سے بدگمان نہ ہونا۔ عورت دوسری عورت سے خوامخواہ بھی جلتی ہے اور سوتن سے تو اور شدید جلتی ہے۔ میں تم سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔'' میں نے کہا۔

وہ بولی۔ ''اگر وہ آ بھی گئی تو میں اس کی خدمت بھی کروں گی تم کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔''

''تم میری بیوی ہو تم خدمت گار نہیں ہو میں کام کرنے والی عورت کا انتظام کر دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے ہم دو ہی تو ہیں کون سا زیادہ کام ہو گا میں خود کر لوں گی بلاوجہ خرچ

بڑھے گا اور سنا ہے یہ عورتیں چوریاں بھی کرتی ہیں کون ان کو دیکھتا رہے گا۔" وہ بولی۔

"میں تمہاری سہولت کے لئے کہہ رہا تھا۔" میں نے کہا۔

اور رات کا کھانا رضیہ نے خود بنایا۔ وہ یوپی کے شہر بدایوں کی رہنے والی تھی۔ کھانا پکانا اور اس کو پیش کرنے کے فن سے خوب واقف تھی۔ میں نے بمبئی میں ایک سے ایک بڑے ہوٹل میں کھانا کھایا تھا تاج میں تو اکثر کھاتا ہی رہتا تھا مگر خدا گواہ ہے کہ رضیہ کے ہاتھ کا کھانا کچھ انوکھا ہی ذائقہ رکھتا تھا شاید اس میں اس کی محبت کے مصالحے زیادہ تھے میں نے اس کی تعریف کی تو وہ شرما کر بولی۔ "میری اماں مرحومہ بہت لذیذ کھانے بناتی تھیں..... میں نے ان سے ہی سیکھا ہے۔"

"مگر آئندہ تم ایسا کھانا نہ بنانا۔" میں نے کہا۔

"آپ کو پسند نہیں آیا۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"اگر تم ایسا ہی کھانا مجھے کھلاتی رہو گی تو میں پھول کر گوپ بن جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

وہ زور سے ہنس پڑی وہ شکل صورت کی اچھی تھی رنگ بھی گورا تھا مگر غربت کے گرم تھپیڑوں نے اس پر اثرات چھوڑے تھے مگر اس ہنسی نے اس کو حسین بنا دیا تھا۔ وہ ہنستی ہوئی مجھے بہت اچھی لگی تھی میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم ہر وقت ہنستی رہا کرو مجھے تمہاری ہنسی بہت اچھی لگتی ہے۔"

"آپ سے میری التجا ہے کہ میں بھی انسان ہوں مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے ایسا ہو جائے تو آپ مجھے معاف کر دینا۔" وہ بولی۔

"اصل میں حالات لگام کھینچ کر انسان کو تپش دلاتے ہیں اور بات انسان کے بس سے باہر ہو جاتی ہے اور وہ غصہ کرنے لگتا ہے، یہی غصہ انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا کر شیطان بنا دیتا ہے۔ میں بھی اس سے پرہیز کروں گا اور تم بھی کرنا حالات جو ہوں میرا کام میں کروں گا اور تم اپنی ڈیوٹی کرنا یہی میرا اور تمہارا آئندہ زندگی کا معاہدہ ہے۔" میں نے کہا۔

اور اس نے سر جھکا کر اس کا اقرار کیا۔

زندگی کی گاڑی ایک پٹڑی پر آ گئی، ایسی پٹڑی پر جس میں دور دور کراسنگ نہیں تھی کوئی لوپ لائن نہیں تھی اس لائن پر پہلا اسٹیشن ایک لڑکے کی شکل میں آیا۔ میرے فلیٹ میں دن نکل آیا۔ رضیہ ایک بھرپور گھریلو عورت ثابت ہوئی اس نے گھر کا انتظام کچھ اس طرح چلایا کہ مجھے اندازہ ہوا کہ گھر صرف ایک عورت کے دم ہے جس گھر میں عورت نہیں وہ مکان تو ہے مگر گھر نہیں ہے۔ وہ صبح اذانوں پر بیدار ہو جایا کرتی تھی آہستہ آہستہ اس نے مجھے بھی اس وقت اٹھنے کا عادی بنایا یہ کام اس نے اتنی مہارت سے کیا کہ مجھے اندازہ ہی نہ ہو سکا اس نے کہا اتنی جلدی اٹھ جاتے ہو تو پھر کچھ نیک کام بھی کرنا چاہئے

میں ایک پارہ پڑھتی ہوں تم مسجد چلے جاؤ نماز پڑھو اور میں نماز کا پابند ہوتا چلا گیا۔ اس نے نہ صرف خود تمام کام کئے جو ایک مسلمان عورت کو کرنا چاہئے بلکہ مجھے بھی نماز کا عادی بنا دیا۔ اکبر کے بعد نبیلا پیدا ہوئی اور میرا گھرانا مکمل ہو گیا۔ حمید کی بیوی کے ساتھ رضیہ کی بڑی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ ایک دوسرے کے گھروں میں جانا آنا تھا۔ حمید کی پوری فیملی مجھے اور رضیہ کو جانتے تھے۔ فرمائش کر کے رضیہ کے ہاتھ کے کھانے کھانے آتے تھے اور رضیہ سب کی خاطر کرتی تھی۔

حمید کہا کرتا تھا۔ "ابے تو بڑا لکی ہے تیری زندگی بنانے میں عورت کا بڑا ہاتھ ہے۔ ابے اب جو تجھے بیوی ملی ہے وہ بھی نصیب والوں کو ملتی ہے تیرے گھر کو جنت بنا دیا ہے رضیہ بہن نے۔"

میں نے جواب دیا۔ ایسا ہونے میں اصل ہاتھ تیرا ہے۔ "میاں یہ سب نصیب کے کھیل ہیں۔ انسان اگر آنے والے وقت کے بارے میں جان لے تو سارے جھگڑے ہی ختم ہو جائیں، تم بمبئی میں شاہانہ زندگی گزار رہے تھے کیا تم نے موجودہ زندگی کے بارے میں سوچا تھا مجھے یقین ہے کبھی خیال بھی نہیں آیا ہو گا تم کو کیا کسی کو بھی نہیں آ سکتا۔ پھر حالات نے رخ بدلا اور تم پلٹ آئے۔ یہاں پر ایک نئی زندگی تمہارا انتظار کر رہی تھی تمہارا رضیہ کے ساتھ لکھا گیا تھا تم سوچو یہ پروگرام انسان بنا سکتا ہے۔ انسان کی نظر صرف سامنے کی چیزیں دیکھتی ہے۔ مگر قدرت کی نظریں ہر طرف دیکھتی ہیں۔ قدرت کے فیصلے ہی دیرپا اور اچھے ہوتے ہیں۔ تم کو وہ پولیس آفیسر یاد ہو گا جس نے تم کو بمبئی سے نکال باہر کیا تھا اس وقت وہ تم کو اپنا دشمن نظر آتا ہو گا۔ مگر ایمانداری سے بتاؤ اب تم اس کو دعائیں دیتے ہو کہ نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"تو نے درست کہا، میں اس کو اب دعائیں دیتا ہوں۔ میں اس زندگی اور اس زندگی کا موازنہ کرتا ہوں تو وہ زندگی مجھے مصنوعی اور کاغذی لگتی ہے ان لوگوں نے مجھے شہزادوں کی مانند رکھا تھا مگر وہ بے وجہ نہیں تھا ان کو دولت نظر آ رہی تھی وہ مجھ پر خرچ اس لئے کر رہے تھے کہ میرے ذریعے ان کے پاس ایک بڑی چلتی ہوئی انڈسٹری آنے والی تھی اس بڑے نام کی آڑ میں انہوں نے کروڑوں کا کاروبار کر لیا تھا۔ گھاٹے میں وہ نہیں رہے، اس بڑے نام کو انہوں نے کیش کرا لیا ہے، میں نہیں ہوں گا تب بھی کاروبار تو جم چکا ہے، میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے وہاں پر کوئی یاد کرتا ہو گا مگر میں اپنے بچے کو ضرور یاد کرتا ہوں جسے میں صرف چند ماہ کا چھوڑ کر آیا ہوں۔" میری آواز میں خود بخود اداسی اتر آئی۔

"ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ قدرت کے کھیل نرالے ہیں وہی تم کو اس سے ملوائے گی۔" حمید نے کہا۔ صدر کی بلڈنگ بن گئی میری دکانیں مجھے ایگریمنٹ کے مطابق مل گئیں۔ میں نے قبضہ حاصل کرتے ہی ان دونوں کو بنانا شروع کیا ایک دکان میں ٹیلرنگ اور ایک میں کلاتھ اسٹور

اس سلسلے میں حمید نے میری بہت مدد کی۔ دکانیں بنتے ہی میں نے کپڑے کی خریداری شروع کر دی کچھ کپڑا انفقداور ستار بھائی نے کریڈٹ پر دلوادیا اور دکان پوری بھر دی گئی۔

اور اب اس سے بہت کم درجے کا میرا کاروبار خدا اور رسول ایک سوٹ کا ماسٹر اور ایک زنانے کام کا ٹیلر ملازم رکھ لیا گیا۔ دو سیلز مین بھی رکھ لئے اور جو دکان کے لئے ضروری تھا وہ سب کچھ کر لیا اور صدر کی مسجد کے مولوی صاحب کو بلا کر رسم بسم اللہ ادا کر دی گئی یہ کام بعد نماز جمعہ ہوا مٹھائی تقسیم کی گئی قرآن خوانی ہوئی اور ہفتہ سے باقاعدہ کاروبار شروع کر دیا۔ انسان کے اندر ایک چیز ہوتی ہے اس کو سب احساس کہتے ہیں۔ میں اس کو مشین کہوں گا۔ یہ سب کچھ بتاتی ہے اطمینان قلب فراہم کرتی ہے اور حرام حلال کے بارے میں بتاتی ہے۔ مگر ضرورت یہ ہوتی ہے کہ ہم اس کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ مجھے یہ احساس اس لئے نمایاں طور پر ہوا کہ بمبئی میں کروڑوں کا کاروبار میرے اشارے پر ہو رہا تھا مگر مجھے اس کے فائدے پر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی تھی نقصان پر رنج نہیں تھا۔ یہ اس لئے تھا کہ یہ کاروبار سودی اور حرام تھا۔ اس میں لگا ہوا روپیہ سود پر آیا تھا اور سود پر ہی دیا جا رہا تھا اس کاروبار سے فحاشی اور عیاشی کے دروازے کھلتے تھے نیکی کا دور دور پتہ نہ تھا۔

کے بنائے اصولوں پر تھا میرے احساسات نے اطمینان قلب پیدا کر دیا تھا۔ اس میں میری ازدواجی زندگی کا بھی عمل دخل تھا۔ وقت کا پہیہ گھومتا رہا اکبر کو اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ میں روز اس کو اسکول پہنچاتا تھا اور دوپہر کو واپس لاتا تھا۔ دو گھنٹے کو دکان بھی بند رہتی تھی نماز اور کھانے کا وقفہ ہوتا تھا۔ میری دکان کا ہر کارکن نماز کا پابند تھا۔

عثمان بھائی کی لڑکی کی شادی کا کارڈ آیا ہے۔'' دوپہر کے کھانے پر رضیہ نے بتایا۔

''کب ہے شادی۔'' میں نے پوچھا۔

''ایک جمعہ تو کل ہے اس سے اگلے جمعہ کو ہے۔'' وہ بولی۔

''تو پھر تم تیاری کرلو اور لڑکی کا معاملہ ہے اس کے لئے کیا کرو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے کچھ نہیں سوچا عثمان بھائی کے ہاں پہلی شادی ہے۔ آپ بتائیں کیا کرنا ہے۔'' وہ بولی۔

''ارے بیگم صاحبہ مالک آپ ہیں جو آپ کو اچھا لگے کر لینا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں میں اپنی مرضی سے نہیں کروں گی۔'' وہ بولی۔

''اچھا ایسا کرو لڑکی سے پوچھ لو جو چیز اس کو پسند ہو وہ اس کو لے جا کر خرید کر دے دو۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ بہتر ہے میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔'' وہ بولی۔

''اور ہاں تم بھی اپنی شاپنگ کر لینا اور بچوں کی تیاری بھی کر لینا تمہارے پاس پیسے تو ہیں یا اور دے دوں۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں عثمان بھائی کے گھر کل جاؤں گی پتہ کر آؤں گی۔'' وہ بولی۔

میرے سکون کے تالاب میں پہلا پتھر گرا اور دور تک اس کی چھینٹیں گئیں۔

آپریٹر نے کہا۔ ''آپ کی بمبئی سے کال ہے۔'' اور پھر کنول کی آواز آئی اتنے عرصہ کے بعد بھی میں اس کی آواز پہچان گیا۔ ''کون راجن بول رہے ہو۔'' وہ بولی۔

''نہیں میں کسی راجن کو نہیں جانتا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے تم راجن ہو۔'' وہ بولی۔

''میں حیدر ہوں راجن تو بمبئی ایئر پورٹ پر رہ گیا تھا وہیں تلاش کرو۔'' میں نے کہا۔

''اچھا تو میں حیدر سے بات کر لوں گی تم کیسے ہو۔'' وہ بولی۔

''بہت اچھا ہوں تم ٹھیک ہو۔'' میں نے اخلاقاً کہا۔

''ہاں زندہ ہوں۔ تم نے اپنے بیٹے کا نہیں پوچھا۔'' وہ بولی۔

''بتاؤ وہ کیسا ہے؟'' میں نے کہا۔

''دوسرا راجن لگتا ہے۔'' وہ بولی۔

''راجن کا نام مت لو۔'' میں نے کہا۔

''معاف کرو دوسرا حیدر لگتا ہے ہو بہو تم جیسا ہے۔'' وہ بولی۔

''میری نشانی سمجھ کر اس کی پرورش کرنا اور ایک درخواست تم سے کروں مانو گی۔ میں نے کہا۔

''تم درخواست نہیں اب بھی مجھے حکم دے سکتے ہو، میں تمہاری بیوی ہوں۔'' وہ بولی۔

''تم میرے بیٹے کو ہندو نہ بنانا وہ ایک مسلمان کی اولاد ہے بے شک اس میں تمہارا خون بھی شامل ہے۔'' میں نے کہا تو وہ بولی۔

''میرا وعدہ ہے مگر تم یہاں کے ماحول کو جانتے ہو یہاں کی تعلیم کو جانتے ہو اندر تو میں دیکھ لوں گی مگر باہر کا میں کیا کروں اس پر اپنے ماما اور نانا کا بہت اثر ہے۔'' وہ بولی۔

''تو پھر تم اس کو تعلیم کے لئے باہر بھجوا دو۔'' میں نے کہا۔

''مگر اس سے بھی تمہارا مقصد پورا نہیں ہوگا۔'' وہ بولی۔

''ہندو معاشرے سے تو بچے گا۔'' میں نے صاف کہا۔

''ہندو معاشرے سے تو بچ جائے گا مگر عیسائی معاشرے کا تو عادی ہو جائے گا۔'' وہ بولی۔

''زیادہ برائی سے بچنے کے لئے کم برائی کو اپنانا پڑتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں کوشش کروں گی کہ تمہاری بات پر عمل کروں۔'' وہ بولی۔

''تم اپنا خیال رکھنا۔'' میں نے کہا۔

''تم میرا خیال نہیں رکھو گے۔'' وہ بولی۔

''میں تمہارے لئے دعا کر سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں تم سے ملنے کو بے چین ہوں۔'' وہ بولی۔

''میں ہندوستان نہیں آ سکتا۔'' میں نے کہا۔

''اچھا میں پھر فون کروں گی اور پروگرام بتاؤں گی۔'' اور وقت ختم ہو گیا لائن کٹ گئی۔

کنول نے ایک لفظ بھی شکایت کا نہیں کہا تھا اور میں نے بھی کوئی معذرت نہیں کی تھی اور اس نے بھی مفاہمت کا کوئی لفظ نہیں کہا تھا صرف ملنے کی بے چینی کا ذکر کیا تھا۔ اس کی بے چینی اپنی جگہ درست تھی، کیا میں اس کے لئے بے چین ہوا تھا؟ کیا میں نے اس کو یاد کیا تھا؟ کیا میں اب تک اس کے دیئے کو نہیں کھا رہا؟ کیا اس نے اپنی املاک کا پوچھا تھا؟

میں چکرا گیا تھا۔ میں نے آنے کے بعد کنول کو کبھی یاد نہیں کیا تھا؟ وہ میرے لئے بھولی بسری ایک کہانی تھی۔ میں اس کے لئے بے چین نہیں ہوا کبھی یاد کا جھونکا آیا بھی تو ایک طرف سے آیا تو دوسری طرف سے نکل گیا۔ میں اس کی بیساکھیوں کے سہارے کھڑا تھا یہ بات اپنی جگہ درست تھی میں نے اب تک کیا کیا تھا۔ میری حیثیت تو آج بھی دس فٹ جھگی والی تھی اور وہ بھی اب نہیں رہی تھی۔ حیدر علی تم سخت ناکارہ آدمی ہو تم نے اب تک بیساکھیوں پر زندگی بسر کی ہے تم کچھ نہیں ہو کنول اگر یہ سب واپس مانگ لے تو پھر کیا ہو گا نہ گھر نہ کاروبار؟ میرا دماغ نہ جانے کہاں کہاں دوڑیں لگانے لگا میں نے پریشانی میں وضو کیا اور مسجد کی طرف چلا گیا۔ مغرب میں اب وقت تھا مگر میں نماز پڑھنے لگا اپنی پریشانیوں سے نجات کی نماز۔

مغرب کے بعد میں نے اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کی اور گھر آ گیا عورت اپنے شوہر کو بہت دور تک دیکھتی ہے اس کے چہرے کے بدلتے رنگ کوئی محسوس نہیں کرتا مگر بیوی کی نگاہوں سے نہیں چھپتے رضیہ نے آتے ہی پوچھا۔

''خیریت ہے کوئی خاص بات.....''

''نہیں خاص کیا ہو گی..... کاروباری بات ہے کیا بتاؤں۔'' میں نے ٹالا۔

''میں تمہاری بیوی ہوں تم کاروباری معاملے پر اتنے پریشان کبھی نظر نہیں آئے۔ تم نہ بھی بتاؤ گے تو بھی دل کے بھید بیوی سے نہیں چھپتے بیوی چہرہ دیکھ کر اپنے شوہر کو پڑھ لیتی ہے میں اسرار نہیں کرتی کہ مجھے بتا دو مگر یہ ضرور کہوں گی کہ اگر بتا دو گے تو بھی تم پچھتاؤ گے نہیں۔'' رضیہ نے کہا۔

میں نے اس سادہ سی عورت کی طرف دیکھا جس کا نام رضیہ تھا وہ میری بیوی تھی۔ وہ صرف میٹرک پاس تھی ہائی سوسائٹی سے دور تھی اس نے کبھی اخبار بھی پورا نہیں پڑھا تھا۔ مگر اس کے عقل و ہوش کے جملوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ اس کو احوال دل بتا دوں اور میں نے کنول کے فون کا تمام حال بتا دیا اور کمال ہوا کہ یہ بتاتے ہی میرے دل کا بوجھ اتر گیا جیسے قلی کے سر سے بوجھ اتر جاتا ہے۔

رضیہ نے بڑے صبر اور تحمل سے میری پوری بات سنی اور پھر بولی۔ ''آپ بس اتنی سی بات سے پریشان ہو گئے۔'' وہ بولی۔

''میں تمہاری وجہ سے پریشان تھا تم نہ جانے میرے بارے میں کیا خیال کرو گی کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ پہلے اپنے بارے میں سوچتا ہے اور عورت تو اس سے آگے اپنے بچوں کی طرف بھی دیکھتی ہے ان کے مستقبل اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ اگر وہ خود غرضی کا شکار ہوتی ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے تم بھی ایک عورت ہو تم بھی اسی انداز میں سوچ سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔

''میں بھی فطرت کے اصولوں سے پرے نہیں ہوں۔ مگر میں سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا نہیں ہوئی ہوں۔ میں نے گرمی سردی کا مزا لیا ہے۔ میں حالات کی جس چکی سے گزر کر تمہارے قدموں میں آئی ہوں۔ انہوں نے مجھے بڑا سخت جان بنا دیا ہے میں تمہارے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکتی ہوں۔ میں فٹ پاتھ کی جھونپڑی میں بھی تمہارے ساتھ خوش رہوں گی۔ تم میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ اپنے دل پر بوجھ نہ ڈالو کنول اگر آ بھی جائے تو بھی تمہارے رویے اور طرز عمل میں تم کو فرق نہیں ملے گا۔ محبت صرف دیتی ہے لیتی کچھ نہیں۔'' وہ بولی۔

''تم نے درست کہا مجھے محبت نے دیا ہے لیا کچھ نہیں۔'' میں نے کہا۔

''جو محبت طلب کرے وہ محبت نہیں خود غرضی کہلاتی ہے۔'' وہ بولی۔

''تم کو میں نے شاید نہیں بتایا کہ یہ فلیٹ اور پوری بلڈنگ کنول کی ہے اس نے میرے منع کرنے کے باوجود میرے نام کر دی تھی اس کے علاوہ کراچی میں کروڑوں کی جائیداد ہے وہ بھی میرے نام ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ محبت نے مجھے دیا ہی ہے لیا کچھ نہیں۔

''تم کنول سے محبت کرتے تھے۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''بڑی عجیب کہانی ہے تم کو شاید یقین نہ آئے۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری ہر بات کا مجھے یقین ہے بتاؤ۔'' وہ بولی۔

''کراچی میں کنول اکیلی رہتی تھی۔ وہ اس وقت کنول نہیں چاندنی تھی۔ میرے نزدیک چاند آئی تھی کنول کو میں نہیں جانتا تھا۔ چاندنی خود میرے پاس آئی تھی چاندنی ایک شادی شدہ عورت تھی مگر صرف ذہنی طور پر جسمانی طور پر وہ ایک لڑکی تھی۔ کنول لاڑکانہ میں پیدا ہوئی اور چھ سال کی عمر میں اس کو اپنا پچھلا جنم یاد آ گیا اور وہ کراچی اپنے باپ کو لے کر آ گئی اس وقت اس کی عمر انیس بائیس سال تھی میں کالج میں پڑھتا تھا میری عمر بھی اٹھارہ انیس سال تھی میری ماں کے انتقال کے بعد وہ مجھے اس فلیٹ میں لے آئی اور اس نے مجھ پر نوازشیں کرنا شروع کر دیں اور تمام جائیداد جو کنول کے نام پر تھی میرے نام کر دی میں اس وقت کچھ سمجھ نہ سکا۔ مگر اس کے کردار کی میں داد دیتا ہوں کہ نہ وہ میرے قریب آئی اور نہ میں نے اس کے قریب ہونے کی کوشش کی اور پھر اچانک وہ پھر کنول بن گئی اور کنول مجھے بمبئی لے گئی پھر میں نے کنول سے کورٹ میرج اور راجن بننے تک سب حالات اور واپسی سب بیان کر دی۔''

''چاندنی کے بعد کنول بھی تم سے محبت کرتی تھی اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ اس نے کنول بننے کے بعد بھی تم سے اپنی جائیداد کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔''

''میں نے از خود اس کو واپس کرنا چاہا تھا مگر اس نے نہیں مانا اور ہم بمبئی چلے گئے تھے۔'' میں نے کہا۔

''پھر تم کو کیا خدشہ ہے تم عورت کو نہیں جانتے عورت کا دل بڑا نرم و نازک ہوتا ہے اس کے دل کے اندر صرف ایک عورت اپنا بسیرا کرتی ہے وہ نقش اول اس کی زندگی کے آخری سانس تک اس کے ساتھ رہتا ہے وہ عورت کسی پیشے سے ہو کسی ماحول میں ہو کسی مذہب کی ہو اس نقش کو نہیں مٹاتی۔ وہ اس کو حاصل نہ بھی ہو تب بھی اور حاصل ہو تب بھی اگر حاصل نہیں ہوا تو بھی یہ نقش اول اس کے دل کے نہاں خانے میں رہتا ہے وہ اس کو دیکھتی ہے اور خوش ہو لیتی ہے۔ اس کا اظہار زندگی بھر نہیں کرتی بہت دفعہ تو یہ ہوتا ہے جس کا نقش اس کے دل میں ہوتا ہے اس نقش کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔''

''مگر میں اب کیا کروں اس نے ملنے کا اظہار کر دیا تو میں کیا کروں گا۔''

''اس میں کیا پریشانی ہے تم اس سے ضرور ملنا اگر وہ کراچی آنا چاہے تو بھی آنے دینا۔ میں خود اس کا استقبال کروں گی اس کی خدمت کروں گی کیوں کہ اس نے تمہاری خدمت کی ہے اس نے تم کو چاہا ہے اس کی چاہت کا جواب چاہت ہی ہے نفرت نہیں ہے۔ اگر میں کسی کو اس کا حق دلانے کے لئے قدم بڑھاؤں تو میرا دل کیا اس بات سے خوش نہیں ہو گا تم نے جس صاف گوئی سے سب کچھ بتایا

ہے کیا پھر میرا فرض نہیں کہ میں تمہارا ساتھ دوں۔'' رضیہ نے کہا۔

رضیہ کا یہ ایک نیا روپ میرے سامنے آیا تھا میں اس کو صرف گھر دار عورت سمجھتا تھا مگر اس میں بات کو اتنی دور تک سمجھنے کی صلاحیت ہو گی میرا اندازہ نہیں تھا اس نے میرے دل پر سے سارا بوجھ اتار دیا تھا۔ میں نے مسکرا کر رضیہ کو دیکھا اور صرف یہ کہا۔ ''تم بہت عظیم ہو۔''

وہ مسکرائی اور باورچی خانے میں چلی گئی۔

میں نے رضیہ کے آخری سوال پر غور کیا، کیا میں کنول سے محبت کرتا تھا؟ یا کرتا ہوں؟

میں نے اپنے دل کو ٹٹولا محبت کیا ہے کیا یہ صرف ایک لطیف خیال ہے۔ کیا یہ ایک وقتی جذبہ ہے؟ جو قربت سے پیدا ہوتا ہے اور دوری سے ختم ہو جاتا ہے۔ اب میں عمر کے اس دور میں ہوں جہاں کچھ سوچ سکتا ہوں سمجھ سکتا ہوں چاندنی یا کنول نے میری زندگی میں بڑی تبدیلی کی ہے مگر میں نے اپنی زندگی میں کب عیش و عشرت کی خواہش کی تھی وہ تو کسی نہ کسی بہانے مجھے ملتا گیا کبھی چاندنی کے ذریعے کبھی کنول کے ذریعے ان کو اگر مجھ سے محبت تھی تو اس میں میرا کیا قصور میں اگر راجن کا ہمشکل تھا تو میں کیوں قصوروار میں نے تو کنول کے ساتھ رہنا نہیں چاہا تھا میں تو اس کی امانت واپس کرنا چاہتا تھا۔ وہ شاید حالات کا تقاضا تھا۔ ابھی بہت کچھ باقی ہے کھیل ختم نہیں ہوا۔ اگر میں یہ کہوں کہ اب شروع ہوا ہے تو بھی کیا غلط نہ ہو گا۔

رضیہ ایک صابر عورت ہے وہ ایک مضبوط پہاڑ ہے مگر دل نہیں کرتا کہ اس کے دل کو ٹھیس پہنچاؤں میں کنول سے صاف کہہ دوں گا کہ اب وہ خانہ پر ہو گیا اب تمہاری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تم کوئی راجن تلاش کر لو میں حیدر ہوں صرف رضیہ کا حیدر اور اپنے بچوں کا باپ میرے خیالات کا لاوا بہتا رہا اذیت ناک یادیں محبت اور نفرت مطلب پرستی کی یادیں میرے ذہن سے نکل کر دماغ میں آتی رہیں اور پھر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ قدرت نے نیند بھی انسان کو کتنی بڑی نعمت دی ہے سونے کے بعد انسان کے جسم کو دماغ کو سکون ملتا ہے۔

ایک ہفتہ گزر گیا کنول کا فون نہیں آیا۔ رضیہ نے بھی اس کے بارے میں سوال نہیں کیا۔ پندرہ دن کے بعد کنول کا فون آ گیا دوپہر کا وقت تھا میں نماز کو اٹھنے والا تھا سب ملازم جا چکے تھے میں نے فون اٹھایا تو کنول کی آواز آئی۔ ''تم ٹھیک ہو۔'' وہ بولی۔

''ہاں ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم میرے فون کا انتظار کر رہے تھے۔'' کنول نے پوچھا۔

''تم نے کہا جو تھا۔'' میں نے کہا۔

''میں فون اس لئے نہ کرسکی کہ پتاجی کی حالت بہت خراب تھی اور دو دن ہوئے وہ پرلوک سدھار گئے۔'' اس نے روتے ہوئے بتایا۔

''کنول صبر کرو سب کو اپنے اپنے وقت پر جانا تو ہے ان کا وقت پورا ہوا وہ چلے گئے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے اس وقت تمہاری بہت یاد آئی تمہارا بیٹا بھی تم کو یاد کرتا ہے۔'' وہ بولی۔

''تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میں نے اس کا نام روشن رکھا ہے۔ تم اس کو روشن کے علاوہ کچھ بھی کہہ سکتے ہو یہاں پر تو سب اس کو روشن کمار کہتے ہیں۔'' کنول نے کہا۔

''میں کسی کو روک نہیں سکتا جو دل کرے کہتے رہیں۔'' میں نے کہا۔

''تم کیا کر رہے تھے۔'' وہ بولی۔

''میں نے صدر میں کپڑے کی دوکان کرلی ہے سب جا چکے تھے میں بھی نماز کے لئے اٹھ رہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تم نے نماز کب سے پڑھنا شروع کردی۔'' وہ بولی۔

''کنول میں بمبئی جانے سے پہلے بھی مسلمان تھا۔ بمبئی میں بھی مسلمان تھا تم نے نہیں کچھ لوگوں نے مجھے راجن بنا دیا راجن میں نہیں بن سکا بے شک لوگ راجن کہتے رہے مگر میں اندر سے مسلمان ہی رہا اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم سے پھیرے کرتا کورٹ میرج نہ کرتا۔ میں نے تم سے نکاح کرنے کو نہیں کہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں تمہارے دین دھرم کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر میں تم سے نکاح کی بات کرتا تو پہلے تم کو مسلمان ہونا پڑتا پھر نکاح ہوتا اور اگر تم انکار کردیتیں تو میرا کیا حال ہوتا میں کسی طرف کا نہیں رہتا۔ میرے اندر کا مسلمان کبھی کمزور نہیں ہوا تھا اور نہ انشاء اللہ ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تمہاری بات اچھی لگی انسان کو دیندار ہونا چاہئے۔''

''میری دین داری صرف اتنی ہے کہ میں اپنے رب کو پانچ وقت یاد کروں۔'' میں نے کہا۔

''یہ بھی بہت زیادہ ہے۔ میرا تو حال یہ ہے کہ سب کام کرتی ہوں مگر مندر نہیں جاتی۔'' وہ بولی۔

''روشن کیا کرتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''اسکول جاتا ہے صبح گاڑی لے جاتی ہے۔''

''راجیش کے کاروبار کا کیا حال ہے؟''

''تمہارا نام اتنا اونچا ہے کہ کاروبار خوب چل رہا ہے۔''

''تم اس کا کریڈٹ مجھے نہ دو راجیش میرے سامنے بھی وہی کرتا تھا اس کا ذہن خاندانی اروہاری ہے، چوہے کے بچے کو کون بل کھودنا سکھاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے تم سے ایک درخواست کی تھی۔'' میں نے کہا۔

''کون سی مجھے یاد نہیں۔'' وہ بولی۔

''روشن کو روشن دماغ ہی رکھنا اگر اس کو مسلمان نہ بنا سکو تو ہندو بھی مت بنانا۔'' میں نے کہا۔

''جو میرے ہاتھ میں ہوگا تو میں تمہارے جذبات کا ضرور خیال رکھوں گی مگر اس پر راجیش کا گہرا ہے اور ہاں راجیش نے شادی کرلی ہے۔'' وہ بولی۔

''کس سے شادی کی۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ ایک لڑکی راس کماری کے نام سے فلموں میں کام کرتی تھی اس کا اصلی نام الماس ہے۔ لمان ہے۔'' وہ بولی۔

''کیا وہ ہندو ہوگئی تھی۔'' میں نے پوچھا۔

''فلمی دنیا میں یہ نئی بات نہیں ہے میرا خیال ہے وہ ہندو ہوگئی تھی کیونکہ مندر وہ جاتی ہے۔'' وہ ل۔

''راجیش کو کہنا مجھے کبھی فون کرلے۔'' میں نے کہا۔

''کہہ دوگی کیا تمہارا دل مجھ سے ملنے کو نہیں کرتا۔'' کنول نے پوچھا۔

''میں اب دل سے کم اور دماغ سے زیادہ کام کرلیتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کام کسی سے لو مگر جو صورت دل کے اندر ہوتی ہے وہ تو نہیں نکلتی۔'' کنول نے کہا۔

''کچھ باتیں زبان پر نہ آئیں تو اچھا ہوتا ہے زبان پر آکر بے وزن ہو جاتی ہیں۔'' میں نے لہا۔

''تم وکیل ہو بات کو گھمانے میں، میں تم سے جیت نہیں سکتی۔'' وہ بولی۔

''تم دن بھر تو دکان پر گزارتے ہوگے شام کو اور رات کو تو تنہائی ستاتی ہوگی۔'' وہ بولی۔

''انسان اگر چاہے تو وہ تنہائی اور بے کار وقت کو کارآمد کرسکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم جواب نہیں دینا چاہتے تمہاری مرضی اب تم جاؤ اپنے رب کو یاد کرو میرے لئے بھی سکون کی ا مالرنا۔'' اور کنول نے فون بند کردیا۔

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور کھڑا ہوگیا۔ مگر میرے اعصاب پر سخت اضطرابی کیفیت طاری

تھی میں نے دل میں کہا یا اللہ مجھے ہمت دے میں بڑا کمزور آدمی ہوں میں کہاں جا رہا ہوں مجھے کا
پتہ اور میں بڑے کمزور قدموں سے مسجد کی طرف چل دیا۔ نماز کے بعد میں گھر چلا گیا بچے اسکول
آ چکے تھے رضیہ میرا انتظار کر رہی تھی مجھے دیکھتے ہی بولی۔ ''آج بڑی دیر کر دی۔''

''اٹھ رہا تھا کہ فون آ گیا۔'' میں نے کہا۔

''کس کا فون تھا۔'' وہ بولی۔

''کنول کا فون تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا کہتی تھی۔'' وہ بولی۔

''اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''بہت برا ہوا۔'' وہ بولی۔

''موت کی خبر تو باعث رنج ہی ہوتی ہے خواہ کسی کی بھی ہو۔'' میں نے کہا۔

''بچے کا کیا حال بتاتی تھی۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''اچھا ہے اسکول جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم اس کو اگر یہاں لے آؤ تو میں اس کو اپنے پاس رکھ لوں گی۔'' وہ بولی۔

تمہارا جذبہ اچھا ہے اور تم کن خدشات کے پیش نظر یہ کہہ رہی ہو میں وہ بھی سمجھ رہا ہوں مگر ا
ہونا قطعی ممکن نہیں ہے اور اگر کسی طور پر ممکن بھی ہوتا تو بھی میں کسی عورت سے اس کی اولاد چھیننا گ
کنول بے شک ہندو ہے مگر ماں تو ہے اس کو بھی اپنا بچہ اتنا ہی عزیز ہو گا جتنا کہ تم کو عزیز ہے تم کسی کا
بچہ دے سکتی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں میں اپنے بچوں کو خود سے جدا نہیں کر سکتی میں نے کس نقطہ نظر سے کہا تھا آپ اس پر
کریں۔'' وہ بولی۔

''یہ غلطی میری ہے میں سزاوار ہوں میرا بچہ اگر ہندو گھرانے میں پرورش پا رہا ہے تو میں گناہ
ہوں، میں اذیت کی کس منزل پر ہوں تم اس کا اندازہ کر سکتی ہو۔''

''تم خود پر بوجھ کیوں لادتے ہو ہونے والی بات تھی ہو گئی۔'' وہ بولی۔

''یہ کہا جا سکتا ہے مگر انسانی احساسات بھی کچھ ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ کے بچے آپ کے انتظار میں بھوکے بیٹھے ہیں۔'' وہ بولی۔

''تم ان کو وقت پر کھانا کھلا دیا کرو میرا کیا ہے دیر ہو ہی جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کی اولاد ہیں آپ ہی ان کو سمجھا دیں مجھ سے تو کہتے ہیں ابو کے ساتھ کھانے میں مزا

ہ۔'' وہ بولی۔

''اچھا پھر جلدی سے کھانا لگاؤ۔'' میں نے کہا۔

☆.....☆.....☆

تین دن کے بعد راجیش کا فون آ گیا۔ وہ بولا۔ ''راجن سیٹھ کیسے ہو؟''

''میں راجن نہیں حیدر بول رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میرے لئے تو وہی ہیں۔'' وہ بولا۔

''کاروبار کا کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت بڑھیا آپ کا لگایا ہوا پودا درخت بن گیا ہے اس کی شاخیں پورے بھارت میں پھیل رہی
ہیں۔

میں نے ہر سرکٹ میں آفس بنا دیئے ہیں اپنی فلمیں خود ریلیز کراتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''تم ترقی کرو مجھے خوشی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر جیجا جی میں آپ کو بھولا نہیں ہوں یہ سب آپ کے قدموں کی برکت ہے۔'' وہ بولا۔

''کبھی راجن کہتے ہو کبھی جیجا جی کہتے ہو بات کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ کا اور میرا رشتہ ہی ایسا ہے، میں مذاق تو کر سکتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''میں نے کبھی تمہاری بات کا برا مانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ایک آئیڈیا ذہن میں آیا ہے۔'' وہ بولا۔

''بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا۔

ہماری فلمیں مڈل ایسٹ اور پوری عرب ممالک میں چلتی ہیں۔ میں اس کو بھی ایک سرکٹ بنانا
ہتا ہوں وہ سرکٹ آفس وہاں کے تمام امور کو ڈیل کرے گا آپ انڈیا نہیں آتے نہ آؤ دبئی تو آ سکتے
اس آفس کو آپ دیکھ لو آدمی تو اور بھی رہیں گے مگر کاروبار آپ کے نام ہو گا۔'' وہ بولا۔

''میرے نام کاروبار کرو گے کس نام سے۔'' میں نے پوچھا۔

''راجن سیٹھ کا نام چلتا ہوا جانا پہچانا نام ہے اسی نام کی برکت سے یہ ادارہ اتنا بڑا ہوا ہے۔ آر
ام اب کامیابی کی ضمانت مانا جاتا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''میں معافی چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ناراض ہو گئے اچھا کاروبار کنول کے نام پر رکھ دیتے ہیں۔ آپ دبئی تو آ جائیں گے۔'' وہ

''تم روشن کے نام پر یہ دفتر قائم کرو تو شاید میں آ جاؤں۔'' میں نے کہا۔

''بیوی سے زیادہ بیٹے میں کشش ہے۔'' وہ بولا۔

''ارے ہاں میں بھول گیا شادی تم کو مبارک ہو۔'' میں نے کہا۔

''شکریہ آپ کو یاد تو آیا میں کہہ رہا تھا بیٹے سے زیادہ پیار ہے۔'' وہ بولا۔

''ابھی تمہاری اولاد نہیں ہوئی جب ہو جائے گی تو جواب تم کو مل جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے مجھے خود روشن بہت عزیز ہے تو پھر کروں انتظامات دفتر وغیرہ بناؤں، افتتا
آپ کو ہی کرنا ہوگا۔'' وہ بولا۔

''ایک شرط پر'' میں نے کہا۔

''وہاں مجھے کوئی راجن کے نام سے نہیں جانے گا نہ کہے گا میں حیدر ہوں اور حیدر ہی وہاں
گا۔''

''اور کوئی شرط ہو تو بتا دیں میں نے تو آپ کی شرطیں ماننا ہی ہیں۔'' وہ بولا۔

''ایک بات بتاؤ تم یہ خود کر رہے ہو یا کنول تم سے کروا رہی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آخر آ گئی تمہاری سمجھ میں، میں جانتا تھا کہ تم سے بات چھپانا مشکل ہے مگر کنول نے
درمیان میں مروا دیا ارے گرو تم نے ٹھیک سوچا ہے۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے کرو تیاری۔'' میں نے کہا۔

''شکریہ جیجا جی۔'' راجیش شرارت سے بولا اور فون رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

ایک مہینہ کے بعد راجیش کا فون آ گیا۔ بولا..... ''میں دبئی سے بات کر رہا ہوں۔ آفس
ہو گیا ہے ضروری آدمی، میں انڈیا سے لے آیا ہوں پرمٹ بھی بن گیا ہے مگر کاروبار شروع نہیں
افتتاح اور ہاں دفتر کا فیتہ آپ کو ہی کاٹنا ہے اب بتاؤ کب آ رہے ہو۔''

''یار تم نے بہت جلدی کر لیا سب کچھ.....'' میں نے کہا۔

''ارے یہ سب تو تیار تھا دفتر لیا ہوا تھا صرف آپ کی ہری جھنڈی کا انتظار تھا۔'' وہ بولا۔

''آج پیر ہے میں اگلے پیر تک آ جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''زندہ باد جیجا جی زندہ باد کنول اور روشن بھی تب تک آ جائیں گے۔'' وہ بولا۔

''اب تم اور زیادہ آدمی نہ لانا کمی ہوگی تو وہیں سے پورا کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''بہت اچھے گرو سستا کام کرو گے۔'' وہ بولا۔

''ارے یار زبان کا مسئلہ بھی تو ہوتا ہے دفتر میں عربی جاننے والے بھی ضروری ہیں۔'' میں نے کہا۔

''رہائش کا بندوبست ابھی تو ہوٹل میں کر دیتا ہوں۔ میں ایک دن پہلے فون کر لوں گا آپ پروگرام بتا دینا اور کچھ۔'' وہ بولا۔

''نہیں سب ٹھیک ہے۔'' اور اس نے فون رکھ دیا۔

میں نے رضیہ سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ اس کو سب پتہ تھا۔

''آج پھر راجیش کا فون آیا تھا۔'' میں نے رضیہ سے کہا۔

''کیا بات ہوئی؟'' وہ بولی۔

''وہ دبئی سے فون کر رہا تھا اس نے بتایا کہ سارے انتظامات ہو چکے ہیں مجھے ایک ہفتہ میں وہاں پہنچنا ہے کیونکہ وہ دفتر کا افتتاح مجھ سے کروانا چاہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو آپ تیاری کریں اور یہاں کے کاروبار کا کچھ انتظام کر جائیں۔'' وہ بولی۔

''میں نے آدمی رکھ لیا ہے اس کے علاوہ کپڑے کا حساب کتاب ستار بھائی کر دیں گے اور کپڑا بھی پہنچا دیا کریں گے ماسٹروں کو اور سیلز مینوں کے لئے ایک منیجر رکھ دیا ہے وہ حساب کتاب رکھے گا میں آتا رہوں گا کوئی فکر نہ کرنا۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تو صرف بچوں کی فکر ہے وہ تم کو یاد کریں گے۔'' وہ بولی۔

''بچے ہیں آہستہ آہستہ عادی ہو جائیں گے۔ تم نے پوچھا نہیں کہ کنول بھی وہاں آئے گی۔'' میں نے کہا۔

''اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے یہ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ اس کاروبار کی بانی ہی کنول ہے تم نہ بتاتے تو بھی میں سمجھ جاتی مگر یہ تو تمہاری ایمانداری ہے کہ تم نے سب کچھ بتا دیا ہے۔'' وہ بولی۔

''مگر میں پورا پورا ایماندار نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم وہ سب جانتی ہو جو کچھ مجھ پر گزرا ہے یا میں نے کہا ہے۔ مگر کنول تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی میں نے اس کو کچھ نہیں بتایا ہے اب تم مشورہ دو کہ تمہارے بارے میں اس کو بتاؤں کہ نہیں اور اگر بتاؤں تو کیا بتاؤں کیا نہ بتاؤں؟'' میں نے کہا۔

''ایمانداری تو تقاضہ کرتی ہے کہ اس کو بھی سب کچھ پتہ ہونا چاہئے۔'' رضیہ نے کہا۔

''ذرا میری بات پر غور کرو۔ ہندو معاشرے میں سوتن کا تصور بڑا بھیانک ہوتا ہے جبکہ مسلمان

معاشرے میں اتنی شدت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا نظریہ اور سوچ اپنی جگہ میں تم سے کم تعلیم یافتہ ہوں مگر یہ جانتی ہوں کہ انسان ایک غلطی کو چھپانے کے لئے دوسری غلطی کرتا ہے ایک جھوٹ نبھانے کو پھر جھوٹ کا سہارا لیتا ہے اور یہ جھوٹے ایک نہ ایک دن ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور سچ خود بخود سامنے آ کھڑا ہوتا ہے تم نے مجھ پر اعتبار کیا ہے تمہارے راز ہمیشہ میرے سینے میں دفن رہیں گے اب آگے بھی تم کسی جھوٹ کا سہارا نہ لینا کوئی بات کنول سے نہ چھپائیں جو کچھ ہوگا فوراً سامنے آجائے گا تم اندرونی کرب میں تو مبتلا نہیں رہو گے اور تمہارا سچ اس کے دل پر بھی اثر کرے گا۔ سچائی بہت طاقتور ہوتی ہے بے شک انسان اس کو سامنے لاتے گھبراتا ہے کیونکہ کچھ سچائیاں بڑی کڑوی ہوتی ہیں مگر اس کے دیرپا اثرات پر ذرا غور کریں تو فائدہ ہی نظر آتا ہے۔'' رضیہ نے بڑی بات نہایت سادا الفاظ میں بیان کردی اور مجھے بھی سچ کا درس دے دیا۔

میں نے کراچی کے کاروبار اور جائیداد کے کرائے وغیرہ کی وصولی کے انتظامات کئے اور پیر کو دوپہر ایک بجے دوبئی کے لئے پرواز کر گیا جانے سے پہلے میں نے اپنا پروگرام راجیش کو بتا دیا دبئی ایئرپورٹ پر جہاز سے اتر کر باہر آتے ہوئے سب سے پہلے میری نظر جس پر پڑی وہ کنول تھی اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا وہ دوڑ کر میری طرف آئی اور بے ساختہ لپٹ گئی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے میں نے اس کی آنکھوں کو رومال نکال کر صاف کیا تو وہ بولی۔

''بہنے دو میں نے ان پر بڑا ظلم کیا ہے ذرا سا بھی باہر نہیں آنے دیا۔

''خوشی کے موقع پر یہ کچھ اچھے نہیں لگتے۔'' میں نے کہا۔

''عورت تو ہر موقع پر آنسو ہی بہاتی ہے موقع خوشی کا ہو یا رنج کا۔'' وہ بولی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو میں شاید اب تک عورت شناس نہ بن سکا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''پانچ سال کے بعد ملے ہو تم کو احساس ہے۔'' وہ بولی۔

''پانچ سال گزر گئے۔'' میں نے کہا۔

''تم مرد ہو تم عورتوں کے حساب کو نہیں جانتے میں نے ایک ایک دن کا حساب رکھا ہے۔''

''اچھا حساب دان میرا بیٹا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ سامنے ماموں کے پاس کھڑا ہے۔'' وہ بولی۔

میں نے کنول کا ہاتھ پکڑا اور راجیش کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس ہی ایک پانچ سالہ گول مٹول سا لڑکا کھڑا تھا میں نے اس کو دیکھا اور پھر بے ساختہ اس کو گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگا۔ راجیش نے

آگے بڑھ کر کہا۔

''ہماری تو سنوائی ہی نہیں بیوی اور بیٹے سے فرصت ملے گی تو سالے کی باری آئے گی۔''

''میں نے بیٹے کو گود سے اتار دیا اور راجیش کو گلے لگا لیا۔

راجیش نے لڑکے سے کہا۔ ''روشن تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟''

''روشن نے معصومیت سے جواب دیا۔ ''آپ بتائیں تو پتہ چلے گا ماما۔''

''خوش ہو جاؤ یہ تمہارے ڈیڈی ہیں۔ تم بہت چھوٹے تھے جب یہ پاکستان چلے گئے تھے۔'' روشن نے کہا۔ ''میرے ڈیڈی اور ایک بار پھر میری گود میں آ گیا۔'' اور بولا۔

''آپ اب تو نہیں جائیں گے مجھے چھوڑ کر.....''

''نہیں جائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ممی آپ کو بہت یاد کرتی تھیں۔'' وہ کنول کی طرف دیکھ کر بولا۔

''مجھے پتہ ہے بیٹا مگر کیا کریں کچھ کام ایسے ہوتے ہیں کہ کرنا ہی پڑتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ممی کہہ رہی تھیں اب ہم لوگ یہاں ہی رہیں گے۔ آپ کے ساتھ۔'' وہ بولا۔

''وہ غلط کیوں کہیں گی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا اب چلو ساری رام کہانی ایئرپورٹ پر ہی کرو گے کیا۔'' راجیش نے کہا۔

اور ہم ہوٹل کراؤن میں آ گئے دو کمرے کا انتظام ہم دونوں کے لئے تھا راجیش کا کمرہ الگ تھا۔

شام چھ بجے افتتاح کا پروگرام تھا دبئی کے کچھ مقامی مہمان تھے کچھ بمبئی سے آئے تھے۔

میں نے فیتہ کاٹ کر اور ناریل پھوڑ کر افتتاح کر دیا اور اس کے بعد دروازے پر ہی درود شریف پڑھی اور ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے امتحان میں کامیاب کرنا میری اس حرکت کو مقامی لوگوں نے اور ان لوگوں نے جو بمبئی سے آئے تھے حیرت سے دیکھا۔ مگر کسی نے کچھ پوچھا نہیں۔ پارٹی کا پورا انتظام ایک بڑے ہوٹل میں ہوا تھا۔ آٹھ بجے یہ پروگرام ختم ہوا تمام مہمان چلے گئے تو راجیش نے کہا۔

''میں تو کل صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے چلا جاؤں گا دفتر میں ہر چیز موجود ہے پرنٹ بھی آ گئے ہیں اب جو کچھ یہاں ہوگا اس کے مالک آپ ہوں گے میں بمبئی سے آپ کو پرنٹ روانہ کرتا رہوں گا۔''

''آر پی فلمز کے بھی اور دوسری فلموں کے بھی ان کو ریلیز کرنا اور رقم وصولی یہ سب کام اسٹاف موجود ہے کرے گا میں روز ہی آپ سے رابطے میں رہوں گا۔'' اور اس نے کنول کو کہا۔

''میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا کچھ دیر لگی مگر کیا کرتا حالات ہی ایسے تھے میں نے ایک بہت اچھا فلیٹ تم لوگوں کے لئے خریدا ہے اس کی ڈیکوریشن ہو رہی ہے ایک ہفتہ آپ لوگ یہاں رہیں گے۔'' اور راجیش کھڑا ہو گیا۔ اب میں چلتا ہوں۔

''ماما آپ کل تو چلے جائیں گے آج میں آپ کے پاس رہوں گا۔'' روشن بولا۔

''تو پھر آ جاؤ میرے ساتھ اور وہ روشن کو لے کر چلا گیا۔

اس کے بعد ہم دونوں بھی ہوٹل روانہ ہو گئے۔

ہوٹل کے کمرے میں میں نے کنول کو غور سے دیکھا وہ آج بھی اتنی ہی حسین تھی اس کے فیگر میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اس کے چہرے کی جاذبیت آج بھی اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک انبساطی کیفیت طاری تھی۔ جیسے اس پر نشہ طاری ہو۔ اس کے گفتگو کرنے کے انداز میں ایک شرمگیں سا پہلو محسوس ہوتا جیسے اندرونی کیفیت کا عکس باہر آ رہا ہو ایک بیوی پانچ سال کے بعد اپنے شوہر کے پاس آتی ہے تو شاید اس کو گزرے لمحات اور آتے لمحات دونوں کا احساس ہوتا ہے اس کا احساس شاید اس برساتی ندی کا احساس ہوتا ہے جو صرف برسات کے موسم میں طغیانی پر ہوتی ہے اور سارے سال سوکھی رہتی ہے۔

مگر میری کیفیت ایسی نہ تھی میں پرسکون تھا۔ اس کا گورا رنگ سرخی مائل ہو رہا تھا۔ ماتھے پر چمکتی بندیا ہر پہلو اپنا رنگ بدل رہی تھی۔ اس کے سیاہ گھٹاؤں جیسے بال جس کا اس نے جوڑا بنایا ہوا تھا اور جوڑے میں موتیے کے پھول کی خوشبو دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ وہ میرے قریب بیٹھ گئی اور اپنی بڑی بڑی شربتی آنکھیں اٹھا کر بولی۔

''تم نے مجھے یاد کیا تھا۔''

''سچ بتا دوں۔'' میں نے پوچھا۔

''میں یہ امید تو کرتی نہیں کہ تم مجھ سے جھوٹ بولو گے۔'' وہ بولی۔

زندگی نے اتنی فرصت نہیں دی کہ میں اپنی ذات سے آگے کی سوچوں ہاں تمہارا خیال ضرور آتا تھا مگر میں نے اس کو یاد کی منزل تک آنے نہیں دیا۔ تم مجھے خود غرض کہہ سکتی ہو مگر جب آدمی اکیلا ہو اور دور دور تک کوئی اس کو نظر نہ آئے تو ساری ذمہ داریاں خود پورا کرنا ہوں کوئی ساتھی نہ ہو اور صرف یادیں اس کا سینہ زخمی کرتی ہوں تو ان یادوں سے چھٹکارا پانے کو وہ ہاتھ پیر مارتا ہے میں نے بھی کوشش کی ہے مجھے وقت کا سیلاب خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہارے بہت قریب ہوں تم نے دور کر دیا پھر بھی میں تمہارے قریب ہوں۔ تم جو کہنا چاہتے ہو بے فکر ہو کر کہو میں جانتی ہوں تمہارے بول سچے ہوں گے دل صاف ہو تو انسان کا ضمیر کبھی مردہ نہیں ہوتا، ضمیر وہ شے ہے جو انسان کی بلندی اور پستی کا حساب رکھتا ہے تم نے کبھی اپنے ضمیر کو بے جان نہیں کیا میں نے تم کو اندر باہر سب طرف سے دیکھا ہے پرکھا ہے تم میرے بیٹے کے باپ ہو تم میرا دھرم ہو میری آتما ہو پھر مجھ سے کچھ کہتے ہوئے کیوں پریشان ہو۔'' کنول نے جذباتی آواز میں کہا۔

''میں نے تمہاری ایک شریک کر لی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے اندازہ تھا تم یہی کہنے جا رہے ہو۔ تو کیا ہوا؟'' وہ بولی۔

''کراچی آیا تو مجھ پر یاس کے سائے لہرانے لگے میں گم صم سا ہو گیا۔ میں کیا کرتا خودکشی تو نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ ہمدردوں نے یہی مشورہ دیا اور میں نے شادی کر لی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا کیا..... اس سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ تم میرے سامنے موجود ہو۔'' وہ بولی۔

''مگر میں تم سے شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''شرمندگی اس وقت ہوتی جبکہ تم نہ بتاتے اور مجھے خود پتہ چلتا مگر اب شرمندگی کس بات کی اور پھر آپ کے دھرم میں تو اس کی اجازت ہے آپ کا دھرم اجازت دیتا ہے اور آپ کا سماج اجازت دیتا ہے تو پھر باعث شرم کیا ہوئی۔'' وہ بولی۔

''تم واقعی اپنے نام کی طرح سربلند ہو.....'' میں نے کہا۔

''دیکھو حیدر میں ہندو ماں باپ کی اولاد ہوں اور ہندو دھرم کو مانتی بھی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ کہ میں کتنی غلط ہوں اور کتنی ٹھیک ہوں۔ مگر ایک بات ہے جس کو میں ہندو دھرم کی سب سے اچھی بات تسلیم کرتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''کون سی بات۔'' میں نے پوچھا۔

''ہندو ناری کا یہ دھرم ہے کہ وہ پتی ورتا ہوتی ہے اپنے پتی پر اپنی جان نثار کر دیتی ہے زندگی بھر اس کی خدمت کرتی ہے اور اس کے مرنے پر اس کے ساتھ ہی مرنا چاہتی ہے یہ اس کا دھرم ہے اگر پتی کے بعد زندہ رہتی ہے تو دور سے نظر آتا ہے وہ باقی زندگی کسی خوشی کے نزدیک نہیں جاتی اس لئے کہ کہیں کوئی اس کی بیوگی پر شک کرے وہ ہر خوشی سے منہ موڑ لیتی ہے اس کی ساری خوشیاں صرف پتی کے دم سے ہوتی ہیں۔ پتی نہیں تو کچھ نہیں۔ میں نے تم کو پتی مانا ہے تم میرے ہو مگر میں تمہاری مجبوریوں کو اور حالات کو بھی جانتی ہوں میں اپنی سوتن کو اپنی بہن بنا لوں گی تم کیوں اتنے فکرمند ہوتے

ہو تم نے خود بتا کر میرا سر اور اونچا کر دیا ہے میں تم پر تمہاری سچائی پر فخر کر سکتی ہوں۔''

وہ میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور کھڑے ہو کر اس کو گلے لگا لیا۔ سارے شکوے شکایات دونوں کے آنسوؤں نے دھو دیئے۔ پانچ سال کی ہم دونوں کی جدائی نے ہمیں پھر سے ہم آغوش کر دیا تھا اور اس طرح رات گزر گئی۔

ایک ہفتہ کے بعد ہم اپنے فلیٹ میں آ گئے راجیش نے بہن کو اچھا تحفہ دیا تھا۔ فلیٹ کی تزئین اور آرائش قابل دید تھی نہایت اعلیٰ درجے کا فرنیچر تھا اور ضرورت کی ہر چیز کے ساتھ ایک انڈین ملازمہ بھی تھی روشن کو بہترین اسکول میں داخل کروایا گیا تھا۔ میرے لئے الگ گاڑی تھی اور ایک گاڑی ڈرائیور کے ساتھ کنول کے لئے گھر پر تھی۔ زندگی کو جس قدر آرام دہ کر سکتا تھا اس نے کیا تھا۔

میں نے کنول کو بتا دیا تھا کہ کراچی میں اسی فلیٹ میں رضیہ رہتی ہے جس میں وہ رہا کرتی تھی۔ میرے دو بچے ہیں بڑا لڑکا تین سال کا اور لڑکی دو سال کی ہے دونوں اسکول میں پڑھتے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئی اس نے کہا۔ ''تم پر پابندی نہیں ہے جب تمہارا من بچوں سے ملنے کا کرے چلے جایا کرو بلکہ میں تو کہتی ہوں ان سب کو بھی بلا لو ساتھ رہیں گے۔'' وہ بولی۔

''تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے اگر زندگی میں کبھی ایسا ہوا تو میں خود کو دنیا کا خوش نصیب انسان سمجھوں گا۔''

''تم آج بھی وہی ہو۔'' وہ بولی۔ ''تمہارے دو گھر ہیں ہر چیز تمہارے پاس ہے۔ بیویاں ہیں بچے ہیں۔ گھر ہیں اور زندگی میں انسان کیا چاہتا ہے۔'' وہ بولی۔

''ہاں تم نے ٹھیک کہا میں رب کا جتنا شکر کروں وہ کم ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم تو پانچ وقت اپنے رب کے دربار میں حاضری لگاتے ہو میں ہی ادھوری ہو گئی ہوں۔'' وہ بولی۔

''میری طرف سے کوئی پابندی تم پر نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے پتہ ہے تم بڑے فراخ دل آدمی ہو۔ منع کیوں کرو گے۔'' وہ بولی۔

''دیکھو کنول مذہب کوئی ہو سیدھا راستہ ہی بتاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ الگ الگ راستے پر سب چلتے ہیں کوئی چھ ماہ کے راستے پر کوئی چھ سال کے راستے پر سمت ایک ہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے ہندوستان میں رہ کر بھی کوئی یاترا نہیں کی کبھی گنگا نہانے نہیں گئی۔'' وہ بولی۔

''تم جس کو مانتی ہو کیا وہ پورے بھارت میں نہیں ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ سب جگہ ہے۔'' وہ بولی۔

''تو پھر فکر کرنے کی ضرورت کیا ہے تم جہاں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔'' میں نے کہا۔

ایک مہینہ گزر گیا۔ میں ہر اتوار کو کراچی فون کر لیا کرتا تھا۔ میں دفتر سے فون کرتا تھا دبئی میں جمعہ کی چھٹی ہوتی ہے رضیہ اور بچوں سے بات ہوتی تھی۔ رضیہ نے کنول کے متعلق پوچھا روشن کو پیار کرنے کو کہا اور کنول کو سلام بھی کہلوایا میں ہر بار رضیہ کا پیغام کنول تک پہنچا دیا کرتا تھا۔ ''تم بہت امانت دار ہو۔'' وہ بولی۔

''کیا مطلب؟'' میں نے کہا۔ ''رضیہ بیگم کا سلام بھی امانت سمجھ کر مجھے پہنچا دیتے ہو۔'' وہ ٹھٹھا کر بولی۔

''اگر نہ پہنچاؤں تو گناہ گار ہو جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''حیدر علی تم بڑے نصیب کے سکندر ہو۔'' وہ بولی۔

''تم نے کس بات سے اندازہ کیا۔'' میں نے پوچھا۔

''تم کو دونوں بیویاں ایک جیسی ہی ملی ہیں دونوں تم کو چاہتی ہیں میں نے رضیہ بیگم کو نہیں دیکھا مگر اندازہ ہے وہ بھی میری بہن ہے۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''ہاں تم نے ٹھیک کہا میں واقعی نصیب کا سکندر ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اس کی وجہ جانتے ہو۔'' وہ بولی۔

''میں تو بڑا گناہ گار آدمی ہوں بڑی خطائیں مجھ سے ہوئی ہیں۔ میں کیا جانوں۔'' میں نے کہا۔

''میں جانتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''مجھے بھی بتا دو۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری نیت اچھی ہے میں نے اس میں کبھی کھوٹ نہیں پایا۔'' وہ بولی۔

''یہ تمہارا اچھا پن ہے جو مجھے اچھا دیکھ رہی ہو۔'' میں نے کہا۔

''خوبیاں اور خرابیاں سب میں ہوتی ہیں مگر دیکھنا تو ترازو کو ہے پلڑا کس طرف جھکتا ہے۔'' وہ بولی۔

''اچھا بیگم صاحبہ اس فلسفے سے پیٹ نہیں بھرے گا ناشتہ کراؤ دفتر بھی جانا ہے۔''

''چلے جانا ذرا ہمارے پاس بھی تو بیٹھو کون سی تمہاری غیر حاضری لگ رہی ہے۔'' وہ بولی۔

''رات بھر تو تمہارے ہی پہلو میں تھا۔'' میں نے کہا۔

''رات اور دن کی باتوں کا فرق تم کو پتہ ہے۔'' وہ بولی۔

''ہاں رات کو دل کی بات، دن میں دماغ کی بات ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر دماغ کی بات یہ ہے کہ تم کراچی کا چکر لگا آؤ۔'' وہ بولی۔

''چلا جاؤں گا جلدی کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تو جلدی ہے دو چار دن بچوں میں گزار آؤ انتظار کرتے ہوں گے۔'' وہ بولی۔

''تم شاید دنیا کی واحد سوتن ہو جو اپنی سوتن کا اتنا خیال کر رہی ہو۔'' میں نے مذاق کیا۔

''ہاں میں واحد سوتن بننا چاہتا ہوں۔'' وہ بولی۔

''تو اپنا شوق ضرور پورا کرو میں ٹکٹ کرا لیتا ہوں کل چلا جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''شاباش وہ بولی اچھے بچے ہو۔'' وہ بولی۔

''میں نے پیار سے اس کی پیٹھ پر ایک ہاتھ مارا اور ناشتہ کرنے لگا۔''

ہم روز ہی اس قسم کا ہلکا پھلکا مذاق کرتے رہتے تھے۔ ہمارے مذاق میں روشن بھی شامل ہو جاتا تھا کبھی وہ اپنی امی کی طرف تو کبھی میری طرف ہوتا تھا۔

دیکھا تم نے اس شریر کو خون جوش مار گیا، ہو گیا نا تمہاری طرف۔'' وہ پیار سے کہتی۔

''آخر میرا خون ہے میرا بیٹا ہے میری طرف داری تو کرے گا۔'' میں نے روشن کو پیار کر کے کہا۔

وہ مسکراتی رہتی اس کی مسکراہٹ بڑی آسودہ اور بڑی دلنواز ہوتی۔

اور میں دوسرے دن کراچی آ گیا ایئر پورٹ پر رضیہ کے ساتھ دونوں بچے بھی تھے۔ ٹیکسی میں ہم گھر آ گئے۔ بچے بہت خوش تھے میں نے جو شاپنگ ان کے لئے کی تھی وہ ان کے سامنے رکھ دی، رضیہ بیگم کا سوٹ کیس اس کے حوالے کر دیا اور کہا۔

''اس میں صرف چند چیزیں میری خریدی ہوئی ہیں باقی سب کنول نے تمہارے لئے خریدا ہے۔''

اس نے سوٹ کیس کھول لیا اور حیرت سے بولی اتنی قیمتی چیزیں، اتنے مہنگے سوٹ کمال ہے۔'' وہ بولی۔

''مجھے پتہ نہیں اس نے یہ سب کب خریدا تھا۔ آتے وقت میرے حوالے کیا تھا۔'' میں نے کہا۔

بچوں کے لئے بھی اس میں سامان تھا کھلونے تھے قلم تھے اور نہ جانے کیا کیا میک اپ کا سامان تھا۔

''یہ تو ہزاروں کا سامان ہے۔'' وہ بولی۔

''یہ سب تمہارے لئے ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم نے اس کو میرے بارے میں بتا دیا تھا۔'' وہ بولی۔

''اگر پتہ نہ ہوتا تو وہ تمہارے لئے خریداری کیسے کرتی اور ہاں اس نے مجھے بتایا کہ ایک مہینہ ہو چکا تم کراچی کا چکر لگا آؤ میں تو کام میں مصروف تھا۔'' میں نے کہا۔

''حیرت پر حیرت ہو رہی ہے۔'' وہ بولی۔

''کیوں حیرت ہو رہی ہے؟''

''ہندو معاشرے میں سوتن کا تصور بڑا بھیانک ہوتا ہے ہندو عورت سوتن کو تو کسی حال میں برداشت نہیں کرتی اور کنول کا سلوک میری تو سمجھ کام نہیں کر رہی۔'' وہ بولی۔

''تم اپنے ہاتھ کو دیکھو کیا ہر انگلی برابر ہے سب میں فرق ہے اسی طرح قدرت نے انسان کو بنایا ہے۔ سب کی شکلیں الگ الگ سب کے سوچنے کے انداز الگ الگ مزاج الگ الگ، ہاتھ اور پیر کے نشانات تک جدا جدا ہیں تو پھر ہندو ہو یا کسی قوم کا، اچھائی اور برائی تو سب جگہ ہے۔ کوئی منفی انداز میں سوچتا ہے تو کوئی مثبت انداز کو پسند کرتا ہے کنول کے بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ وہ تم کو سوتن نہیں بہن سمجھتی ہے اور اسی رشتے سے اس نے یہ سب کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے بھی ایسا لگتا ہے۔'' وہ بولی۔

''دیکھو رضیہ محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی وہ صرف رویہ اور سلوک ہوتا ہے۔ اسی سے ہم نفرت اور محبت کا اندازہ کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مجھے بھی کچھ کچھ اندازہ ہو رہا ہے۔'' وہ بولی۔

''بچوں کی پڑھائی کا کیا حال ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''اچھا ہے میں نے ایک گاڑی لگا لی ہے وہی لے جاتی ہے اور واپس لاتی ہے۔''

''کاروبار کیسا ہے؟ نیجر رقم پہنچا رہا ہے۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تو پہنچا رہا ہے مگر دکان کا حال مجھے کیا پتہ؟'' وہ بولی۔

''کوئی بات نہیں میں دیکھ لوں گا۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا دبئی کا کاروبار کیسا چل رہا ہے؟'' وہ بولی۔

بہت زوردار ہے مجھے تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا۔ بمبئی سے فلمیں آ جاتی ہیں ان کو پورے سرکٹ میں ہم چلاتے ہیں اسٹاف موجود ہے رقم میرے نام بینک میں جمع ہو جاتی ہے بمبئی تو جاتی نہیں۔'' میں نے کہا۔

''کیوں وہاں سے فلمیں آتی ہیں تو رقم نہیں دیتے؟'' وہ بولی۔

کنول کا بھائی راجیش اس کی کمپنی کی فلمیں ہوتی ہیں اور وہ کمپنی میرے نام پر بمبئی میں میں نے قائم کی تھی مگر کرتا دھرتا راجیش ہی تھا میرا صرف نام استعمال ہوتا تھا۔ دبئی میں جتنی آمدنی ہوتی ہے وہ میرا حصہ ہوتی ہے ہم تو پرنٹ کی قیمت بھی ادا نہیں کرتے۔'' میں نے کہا۔

''واہ یہ تو خوب کاروبار ہے روپیہ صرف آتا ہے۔'' وہ بولی۔

''وہ اپنا سالا ہے نا بیگم صاحبہ۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اللہ کرے سب کے ایسے ہی سالے ہوں۔'' وہ ہنس کر بولی۔

میں دوسرے روز اچانک دکان پر پہنچ گیا۔ دس بجے کا وقت تھا۔ سب ہی اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ سب کاریگر دیکھ کر حیران ہوئے۔ منیجر رحمت اللہ نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور پھر سب ہی باری باری میرے پاس آئے میں نے سب کی خیریت پوچھی سب چلے گئے تو، میں نے کہا۔

''رحمت اللہ کام کا کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کام بہت بڑھ رہا ہے جگہ کم ہو رہی ہے اور کاریگر بھی بڑھانا پڑیں گے۔'' وہ بولا۔

''تو پھر کچھ کرتے ہیں میں ابھی ہوں۔'' میں نے کہا۔

میں دکان سے نکلا اور صدر میں ہی ایک موٹر شوروم میں چلا گیا۔ وہاں پر ایک گاڑی کا سودا کیا اور گھر آ گیا۔ دوپہر کو کھانے کے بعد میں پھر دکان چلا گیا۔ پورے ماہ کا حساب چیک کیا سب ہی ٹھیک ہے آمدنی میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ میں نے فوری طور پر کاریگروں کی اجرت میں اضافہ کر دیا۔ ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ سب کے چہرے کھل اٹھے۔ سب خوش ہو گئے۔ دنیا میں خوش رہنے کا یہ طریقہ ہے کہ آدمی دوسروں میں خوشیاں بانٹے اگر وہ دوسروں کو خوش کرتا ہے تو اس کے پاس بھی کبھی خوشی کی کمی نہیں ہوگی، خوشی کس طرح بانٹی جا سکتی ہے اخلاق سے، اس کے لئے کوئی لگا بندھا فارمولا نہیں ہے جس طرح چاہے آدمی یہ عمل کر سکتا ہے۔ میں نے جو کیا وہ اپنی خوشی کی خاطر کیا تھا کسی پر نہ احسان کیا تھا نہ کسی نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا۔ میری غرض تھی سو میں نے کیا۔

''ابے کہاں مر گیا تھا۔'' ڈوسانی گلے لگ کر بولا۔

''یار دبئی میں کچھ اور کاروبار کر لیا ہے وہیں پر تھا۔'' میں نے کہا۔

''کیا کر لیا ذرا بتا تو۔'' وہ بولا۔

''بمبئی سے فلمیں منگواتا ہوں اور ان کو مڈل ایسٹ میں چلاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''فلمیں کون بھیجتا ہے۔'' وہ بولا۔

''میرا سالا ہے نا راجیش جتنی کہوں آ جاتی ہیں اور مزے کی بات یہ کہ مفت آتی ہیں۔ ان کی کوئی

رقم بھی نہیں دینا پڑتی۔'' میں نے کہا۔

''اور وہ تیری ہندو بیوی کہاں ہے۔'' ڈوسانی نے پوچھا۔

''وہ بھی دبئی میں میرے پاس ہے بیٹا بھی ہے۔'' میں نے کہا۔

''واہ پیارے تیرے تو مزے ہیں چپڑی اور دو دو۔'' ڈوسانی زور سے ہنس کر بولا۔

''ابے آہستہ ہنس اندر آواز جائے گی تو بھابھی سمجھے گی شاید تجھے مار رہا ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ابے وہ سب جانتی ہے میں نے تیری سب ہسٹری اس کو بتا دی ہے لے وہ آ گئی پوچھ لے اس سے۔'' وہ بولا۔

میں نے کہا۔ ''بھابھی یہ حمید بڑا جھوٹا ہے اس نے میرے بارے میں نہ جانے آپ کو کیا کیا بتایا ہے۔ اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا۔''

''حمید نے سچ بولا ہے وہ میرے کو کبھی جھوٹ بات نہیں بولتا۔'' وہ بولی۔

''تو پھر ٹھیک ہے تم جو چاہو سزا دے لو۔'' میں نے کہا۔

''ارے پھر اس میں واندہ کیا ہے اسلام میں تو دو شادی کی اجازت ہے پن دونوں کے ساتھ سلوک برابر ہونے کا ہے۔'' وہ بولی۔

''بھابی تم نے یہ بات انصاف کی کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ابھی تم جانا نہیں میں کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''واہ بھابھی تم کو کتنا خیال ہے ایک یہ ہے کہ کنجوس۔'' میں نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

''ابے تو دبئی سے خالی ہاتھ آ گیا شرم نہیں آئی۔'' وہ بولا۔

''آئی تھی اسی لئے خالی ہاتھ نہیں آیا گھر آئے گا تو ملے گا۔'' میں نے کہا۔

''کیا لایا ہے بتاؤ۔'' وہ بولا۔

''آئے گا تو پتہ چلے گا۔'' میں نے کہا۔

''تو دکان سے کب آتا ہے۔'' وہ بولا۔

''یہی کوئی پانچ چھ بجے آ جاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے کل آؤں گا۔'' وہ بولا۔

اور سن اکیلے منہ اٹھا کر مت آنا بھابی کو بھی لانا کوئی تو میرا حمایتی ہو۔''

''سالا اپنا فائدہ پہلے دیکھتا ہے۔'' وہ بولا میں نے کہا۔ ''آخر میمن کا دوست ہوں مذاق نہیں

چار دن کے بعد گاڑی کی ڈیلیوری مل گئی اور شام کو میں گاڑی لے کر گھر آ گیا۔ گاڑی روڈ پر کھڑی کر کے میں اوپر آ گیا اور رضیہ کو کہا۔

''بچوں کو تیار کرو اور تیار ہو جاؤ باہر جانا ہے۔''

''کہاں جانا ہے۔'' وہ بولی۔

''ابھی نہیں بتاؤں گا پہلے تیاری کرو۔'' میں نے کہا۔

''کبھی کبھی تم بچے بن جاتے ہو بتا دو نا۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔

''نہیں ہرگز نہیں۔'' میں نے شرارت سے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔'' پندرہ منٹ میں سب تیار ہو کر نیچے آ گئے۔ سامنے ہی نئی گاڑی کھڑی تھی میں اس کی طرف بڑھا تو وہ بولی۔ ''یہ گاڑی کس کی لے آئے۔''

''یہ میری بیگم کی گاڑی ہے اس کے بچے کرائے کی گاڑی میں اسکول جائیں یہ کچھ اچھی بات نہیں ہے۔'' میں نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

وہ حیرت سے بولی۔ ''تم نے خرید لی ہے۔''

''ہاں خرید لی ہے یہ گاڑی تمہارے نام پر ہے ایک دو روز میں ڈرائیور کا انتظام کر دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''بلاوجہ خرچ بڑھا رہے ہو۔'' وہ بولی۔

''تم خرچ کے معاملے میں آزاد ہو جتنا کر سکتی ہو کرو۔'' میں نے کہا۔

''بلاوجہ فضول خرچی میں نہیں کرتی۔'' وہ بولی۔

''مگر میں کہتا ہوں خوب کرو مجھے تم لوگوں کے نصیب سے ملتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا اب چلنا کہاں ہے۔'' وہ بولی۔

ہوا بندر چلیں گے تفریح کریں گے۔'' میں نے کہا۔ اور میں نے گاڑی کا رخ ہوا بندر (کلفٹن) کی طرف کر دیا۔

☆.....☆.....☆

ایک ہفتہ کے بعد میں دبئی کے لئے روانہ ہو گیا۔ دبئی ایئرپورٹ پر کنول اور روشن میرے استقبال کو موجود تھے۔ کنول نے آگے بڑھ کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اس کے والہانہ پن میں مجھے ذرا سا بھی رقابت، جلن کڑھن کا عنصر نظر نہ آیا۔ روشن ڈیڈی کہہ کر میری ٹانگوں سے لپٹ گیا

گاڑی گھر کی طرف روانہ ہوئی گھر آ کر مجھے ایسے لگا جیسے میں دفتر سے آیا ہوں کنول کا رویہ بھی ایسا ہی تھا میں نے کنول سے کہا۔ ''تم تو عجیب عورت ہو میں کراچی سے تمہاری سوتن کے پاس سے آیا ہوں تم کو ذرا اس کا احساس نہیں ہے۔'' اس نے سنا میرے قریب آئی سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''میں حقیقت کی دنیا کی رہنے والی ہوں میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی۔ جو سامنے ہے اس کو کون مٹا سکتا ہے تم میرے پاس آ گئے کیا یہ بات میرے لئے کم ہے۔ میں تمہاری بیوی ہوں تم کو خوب جانتی ہوں تمہارے اندر اور باہر کیا ہے مجھے پتہ ہے۔'' وہ بولی۔

''تم مذاق میں سنجیدہ نہ ہوا کرو۔'' میں نے کہا۔

''میں سنجیدہ کب ہوں تم کو ستا رہی تھی ایسا موڈ بنا کر۔'' وہ بولی۔

''بھیا کا فون آیا تھا۔ شاید آج پھر کریں۔'' کنول نے کہا۔

''کیوں کیا ضروری کام تھا۔'' میں نے کہا۔

''پتہ نہیں بتایا نہیں۔'' وہ بولی۔

''کل دفتر جاؤں گا تو پتہ چلے گا۔'' میں نے کہا۔

دوسرے دن میں دس بجے دفتر چلا گیا۔ میرے دفتر میں بیٹھتے ہی راجیش کا فون آ گیا۔ ''کیسے ہو حیدر۔'' وہ بولا۔

''اچھا ہوں تم سناؤ کیسے یاد کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کا سرکٹ بڑھ رہا ہے۔ عرب ممالک کے علاوہ یورپ کا سرکٹ بھی تم ہی ڈیل کرو گے۔ لندن میں دفتر بنا دیا ہے، یہاں سے دو تین آدمی جا چکے ہیں اگر اور ضرورت ہو تو زیادہ عملہ رکھ لینا۔ پرنٹ تم کو لندن میں الگ ملیں گے۔'' وہ بولا۔

''یار اتنا کیوں بڑھا رہے ہو؟ بس یہاں تک میں ٹھیک تھا۔''

''نہیں جیجا جی اب تو یہ کرنا ہی ہے۔'' وہ بولا۔

''یار میں راجن نہ بن سکا تو تم نے یہ دوسرا طریقہ نکالا۔'' میں نے کہا۔

''بھگوان جو کرتا ہے اچھا ہی ہوتا ہے راجن نہ بن سکے یہ بھی برا نہیں ہوا اس کے نام نے مجھے ضرور کاروبار دے دیا اور تم نے مجھے فری ہینڈ دے کر میرا حوصلہ بڑھایا۔ انسان کی خوبیاں اس کے بعد پتہ چلتی ہیں۔ میں نے بہت دیر میں تم کو پہچانا ہے۔'' وہ بولا۔

''اچھا اب زیادہ تعریف نہ کرو۔ پروگرام بتاؤ۔''

''جیجا جی تم ایسا کرو جتنی جلدی ہو لندن روانہ ہو جاؤ، جانے سے پہلے اس نمبر پر رنگ کر کے اپنا

پروگرام ان کو دے دینا وہ ایئر پورٹ پر آ جائیں گے۔" وہ بولا۔

"وہاں پر رہنے کا کیا بندوبست ہے، میں کنول اور روشن کے ساتھ جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"فی الحال تو کسی ہوٹل میں انتظام ہو جائے گا بعد میں کچھ اور کریں گے۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے، میں کنول سے بات کرتا ہوں اور دفتر کے کچھ کام کرنے ہیں، وہ کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں ان کو کتنے دن کا کہہ دوں ایک ہفتہ تو لگ جائے گا۔" وہ بولا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

نئے پروگرام کے متعلق میں نے کنول کو بتایا تو وہ بولی۔ "میں نے بھائی سے کہا تھا سرکٹ بڑا کرنے کو....."

"کیوں! تم کو اس کی ضرورت کیا پڑ گئی؟" میں نے کہا۔

"تمہارے معیار سے یہ کم کا کاروبار تھا اس لئے۔" وہ بولی۔

"ارے میرے معیار سے بہت زیادہ ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں میں تم کو بہت اونچا آدمی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اتنا اونچا نہ پہنچاؤ کہ گروں تو چور اچورا ہو جاؤں۔" میں نے کہا۔

"اسی لئے تو ہر جگہ بندشیں باندھ رہی ہوں کہ نہ صرف تمہارا بلکہ تمہارے بچوں کا بھی مستقبل اچھا ہو جائے۔" کنول نے کہا۔

"جو ہے بہت ہے تم اتنی فکر مند کیوں ہوتی ہو؟" میں نے کہا۔

"میں دیوانی ہوں اور کوئی دیوانہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کیوں کر رہا ہے؟ کیا کر رہا ہے؟" کنول نے جواب دیا۔

"تم کو دیوانی کہنے والا خود دیوانہ ہے۔" میں نے کہا۔

"تم اور میں دو الگ الگ مذہب کے ہیں۔ ہماری سوچ بھی اسی انداز کی ہو سکتی ہے۔"

"مگر جہاں محبت ہو وہاں کچھ اور نہیں ہوتا۔ محبت کے تناور درخت کے قریب نہ کوئی پچھتاوا پودا ہوتا ہے نہ غرور و تکبر کی بیل پروان چڑھتی ہے صرف اور صرف محبت کا درخت سر اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے اس پر نہ مذہب اثر انداز ہوتا ہے نہ دنیاداری اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہے۔"

"میری طلب صادق تھی میری محبت سچی تھی اسی لیے میں تکمیل کے مراحل تک پہنچی ہوں۔"

"میں تمہاری چاہت اور محبت کی قدر کرتا ہوں تمہاری عزت میرے دل میں شروع سے ہے۔

مگر تم مجھے زیر بار کرتی جا رہی ہو میرے ناتواں کندھے اتنا بوجھ اٹھا پائیں گے کہ نہیں میں اس سے ڈرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں جو ہوں تم کو سہارا دینے کو، میری محبت کا تم نے کبھی امتحان لیا ہی کب ہے۔" وہ بولی۔

"تم امتحان کے بغیر بھی ہر پرچہ اچھا کرتی رہی ہو۔" میں نے کہا۔

"میں تمہارے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہوں ایک ایسی کتاب جس کے سارے پنے تم نے خود لکھے ہیں۔ پھر بتاؤ میں کیا ہوں اور تم کیا ہو میں اگر کچھ کروں تو کس کے لئے کر رہی ہوں۔" وہ بولی۔

"میں تم سے شاید باتوں میں نہ جیت سکوں۔" میں نے کہا۔

"یہ تم نے ٹھیک کہا، میں ہاری تو تمہاری اور جیتی تو تم میرے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"بہت خوب اچھا فارمولا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہر محبت کرنے والی عورت کا یہی فارمولا ہوتا ہے۔" وہ بولی۔ "امیر خسرو نے کہا تھا۔ ہار گئی تو پیا ملیں گے، جیت گئی تو پی کے سنگ، جیت ہر طرح میری۔" میں نے کہا۔

"میں نے امیر خسرو کو نہیں پڑھا مگر یہ خوب کہا ہے۔" وہ بولی۔

"اور خوب سے خوب تر یہ ہے کہ تم لندن کی تیاری کرو۔" میں نے کہا۔

"بھائی سے آپ کی بات ہو گئی۔" وہ بولی۔

"ہاں۔ راجیش سے میری بات ہو گئی ہے اور یہ پروگرام اسی نے دیا ہے۔" میں نے کہا۔

اور ہم تینوں لندن روانہ ہو گئے۔

لندن آفس دبئی آفس سے بھی زیادہ شاندار تھا۔ ہمارے لئے ایک ہوٹل میں ایک سوٹ بک تھا۔ جہاں پر زیادہ تعداد اردو ہندی بولنے والوں کی ہے۔ ہندی فلموں کی اچھی خاصی مارکیٹ ہے، ہم لندن میں بیٹھ کر پورے یورپ کی مارکیٹ کو دیکھ سکتے ہیں۔ اسٹاف کم تھا مگر میں نے اس میں اضافہ کر دیا اور کاروبار کو پھیلا دیا۔

اب میری حالت یہ تھی کہ لندن دبئی اور کراچی میں، آج کراچی میں تو کل لندن میں ہوتا تھا۔ روشن کو لندن کے اسکول میں داخل کروا دیا تھا، اس لئے کنول بھی لندن کی ہو گئی تھی۔ دبئی کے فلیٹ میں، میں اکیلا رہتا تھا مگر زیادہ تر تو تالہ ہی پڑا رہتا تھا۔ کاروبار امید سے زیادہ کامیاب تھا۔ وقت کو جیسے پر لگ گئے تھے، پتہ ہی نہ چلا۔

پندرہ سال گزر گئے۔ روشن اکیس سال کا جوان ہو گیا، وہ میرے قد کاٹھ کا تھا، میرے برابر ہو گیا تھا۔ وہ میری ہو بہو کاپی تھا کنول اس کو میرا اڈیپلی کیٹ کہتی تھی، ابھی تعلیمی سلسلہ جاری تھا مگر فارغ وقت

میں دفتر آتا تھا۔ ادھر کراچی میں اکبر اور نبیلہ دونوں کالج میں تھے، بچے جوان ہو گئے تھے مگر میری بھاگ دوڑ میں کمی نہیں آئی تھی۔

رضیہ نے فلیٹ چھوڑ دیا اور سوسائٹی کے ایک بنگلے میں آ گئی تھی۔ کراچی میں بھی اتنی آمدنی تھی کہ مجھے رضیہ کو کچھ دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر کنول ہر ماہ ایک بڑی رقم لندن سے رضیہ کو روانہ کرتی تھی دونوں نے کبھی ملنے کی کوشش نہیں کی۔ دونوں عمر کی اس منزل پر تھیں جہاں جذبات کے بجائے انسان عقل زیادہ استعمال کرتا ہے۔ مگر دونوں کے درمیان ایک حجاب کا پردہ تھا، احترام تھا، میں جسے ختم کر سکتا تھا مجھے کئی دفعہ اس کا خیال بھی آیا مگر میں نے اس حجاب کے پردے کو قائم رہنے دیا۔ میں اس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب یہ پردہ خود بخود اپنی جگہ چھوڑ جائے، وقت کے تیر بہت تیز ہوتے ہیں۔ وہ ہر جگہ ٹھیک نشانے پر لگتے ہیں۔ نبیلہ اپنی ماں کی طرح تھی مگر اکبر مجھ پر گیا تھا۔ روشن اور اکبر ایک جگہ کھڑے ہوں تو کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، سب ان کو بھائی کہیں گے۔ وقت اور آگے سرک گیا اور روشن نے سی اے کر لیا اکبر بھی ایل ایل بی کے آخری سال میں پہنچ گیا اور پھر وہ وکیل بن گیا۔ میں نے اس کو لندن بلا لیا اور اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے اسے کالج میں داخل کرا دیا۔

اکبر اور روشن ایک ہی گھر میں رہتے تھے سب ہی اکبر کو روشن کا چھوٹا بھائی کہتے تھے کسی کو پتہ نہیں تھا کہ دونوں کی مائیں الگ الگ ہیں۔ کنول نے بھی اس کو بھرپور ماں کا پیار دیا تھا۔ بچوں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی گئی تھی۔ کنول کو اکبر امی کہتا تھا اور وہ بھی روشن سے بڑھ کر اس سے پیار کرتی تھی۔

"تم نے تو اکبر کو اس کی ماں بھلا دی۔" میں نے ایک دن کہا تو وہ بولی۔

"ہم نے محبت کی فصل اگائی ہے نفرت کا ہر ایک پودا اکھاڑ پھینکا ہے۔ میرے گھر میں صرف محبت پھل پھول سکتی ہے نفرت کی گنجائش یہاں نہیں ہے۔"

"واقعی تم نے اپنے عمل اور کردار سے ثابت کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں صرف ماں ہوں روشن کی ماں، اکبر کی ماں اور نبیلہ کی ماں، میرے لئے یہ تینوں ایک برابر ہیں اس لئے کہ یہ تمہارے ہیں اور میں خود کس کی ہوں، تمہاری ہوں تو پھر دوری کہاں رہی سب کچھ تمہاری وجہ سے ہے۔" وہ بولی۔

"میں تم سے کبھی نہیں جیت سکا تم نے اس معاملے میں بہت سے دیوسوں کو خدشات کو بہت بری طرح شکست دی ہے، میں تمہاری عظمت کو کیا نام دوں۔" میں نے کہا۔

"بس اب زیادہ چاپلوسی کی ضرورت نہیں۔ شام کو جلدی گھر آ جانا گھر میں پارٹی ہے۔" وہ بولی۔

"یہ کس سلسلے میں کر ڈالی۔" میں نے پوچھا۔

آپ تو اپنے دھندے میں لگے ہیں، روشن نے سی اے کر لیا، آپ نے کچھ نہیں کیا تو میں نے پارٹی کر دی ہے۔"

"اگر ایمانداری سے پوچھو تو یہ کام ہی تمہارا ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب ایمانداری سے زیادہ سے زیادہ چھ بجے تک آ جائیں۔" وہ بولی۔

"ارے صاحب آپ کا حکم ہو اور نہ آئیں۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"دونوں گھر میں ہیں زیادہ نہ اترائیں۔" وہ بولی۔

"اب اترانے کو کہاں جائیں، بچے بھی جوان ہیں سب جانتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے بھی چلتے ہیں۔"

میں نے دفتر میں جاتے ہی سیکریٹری کو کہہ دیا کہ مجھے پانچ بجے یاد دلا دے۔ پارٹی میں ہندو مسلمان اور سکھ حضرات سب تھے۔ انتظام بہت اچھا تھا، کھانا اچھا تھا مگر شراب نہیں تھی، کیونکہ میں شراب نہیں پیتا تھا۔ لندن میں پارٹی اور شراب نہ ہو تھی تو حیرت کی بات ہے۔

کندن لال حیدر آباد کے رہنے والے تھے ایک زمانے سے لندن میں رہتے تھے ان کے سارے بچے یہاں پر ہی پیدا ہوئے جوان ہوئے اور یہاں کے رنگ میں ایسے رنگے کہ اپنا اصلی رنگ ہی بھول گئے۔

"ارے بھئی حیدر کیا پھیکی پھیکی پارٹی کر لی....." وہ بولے۔

ان کا لڑکا جو قریب ہی بیٹھا تھا۔ بولا۔ "انکل آپ اب تک پاکستان میں بیٹھے ہیں۔ یہ بھی کوئی پارٹی ہے کس قسم کی کوئی وائن نہیں ہے۔"

"بات یہ ہے کہ یہ سارا انتظام تمہاری آنٹی کا ہے میرا نہیں ہے اگر میرا ہوتا تو بھی ایسا ہی ہوتا۔" میں نے کہا۔

"آپ لوگ اب تک دقیانوسی خیالات کے ہیں انکل۔" وہ بولا۔

"تمہاری نظر میں تو ہم لوگ دقیانوسی ضرور ہیں۔"

"اتنا خرچ کر دیا اگر کچھ رکھ دیتے تو ہمارا بھی شغل ہو جاتا تم بھی اس سے مبرا نہیں ہو مجھے پتہ ہے بھئی میں نے سنا ہے تمہارا کسی زمانے میں بڑا نام تھا فلمی پریاں ارد گرد رہا کرتی تھیں اور تاج محل ہمیشہ کمرہ بک رہا کرتا تھا لندن آ کر تم مولوی بن گئے۔" کندن لال نے چوٹ کی۔

"کندن لال جی آپ نے جو سنا ہے وہ سب درست ہے۔ میں واقعی ایسا تھا، مجھ سے اس عمر میں بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں مگر کیا یہ ضروری ہے کہ انسان بھول کرتا ہی چلا جائے اس طرح تو وہ

خود توبہ کے دروازے بند کرتا ہے میرے مذہب میں شراب کو حرام قرار دیا ہے اور اس لئے حرام کہا ہے کہ اس کے پینے کے بعد انسان اپنے ہوش حواس کھو دیتا ہے۔ یہ آپ کا بیٹا ہے مگر شراب پینے کے بعد آپ کی بھی بے عزتی کر سکتا ہے شراب انسان کو غافل کرتی ہے۔

وہ اپنی ماں بہن میں تمیز نہیں کر سکتا آپ لندن میں رہتے ہیں مگر آپ ہیں تو ہندوستانی آپ کے یہ رنگ ڈھنگ آپ کے شہر حیدر آباد میں تو نہیں چلیں گے۔'' میں نے کہا۔

''یار تمہارے اندر تو کوئی بہت پرانی روح گھس گئی ہے۔'' انہوں نے پھر مذاق اڑایا۔

''آپ میرے معزز گیسٹ ہیں میں آپ کو کیا کہوں۔'' میں نے کہا۔

''یار برا نہ ماننا تم لندن میں رہتے ہو، کسی گاؤں میں نہیں ہو۔ یہاں کے طور طریقوں پر تو ہنسا ہوگا کہ نہیں تم اپنی ڈیڑھ اینٹ سے مسجد تو نہیں بنا سکتے لوگ تم پر ہنسیں گے نہیں۔'' کندن لال بولے۔

''کندن لال جی یہ آپ کے خیالات ہیں مگر میں آپ کو بتاؤں کہ میرے دو بیٹے یہاں پڑھتے ہیں میری بیوی ہے وہ ان کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ میرے لڑکے صرف تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ کسی ایسی پارٹی میں نہیں جاتے جہاں شراب کا ماحول ہوتا ہے ان کو شراب سے سخت نفرت ہے میرے گھر میں کبھی شراب دوا کے لئے نہیں آئی بات تو جب ہے کہ ہم اپنے کردار اور عمل سے یہاں کے لوگوں کو متاثر کریں تاکہ ان کی خرافات کو اپنے اوپر لاد لیں اور جب جائیں تو اپنے دیش میں اجنبی بن جائیں یا ان خرافات کو وہاں پر بھی پھیلائیں آپ بتائیں جو کچھ یہاں کلبوں میں ہوتا ہے اس کے اثرات سڑکوں پر کھلے عام نظر نہیں آتے۔ بات تو جب ہے کہ آپ کی خوبیاں یہ لوگ اپنائیں ہو یہ رہا ہے ان کی خرابیاں ہم لوگ اپنا رہے ہیں۔ گندے پانی اور کیچڑ میں کنول پیدا ہوتا ہے مگر گندگی سے اوپر اٹھا کر کھڑا رہتا ہے اور صاف رہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

پارٹی اچھی رہی مگر زیادہ تر ہندوستانیوں نے اور ایک دو پاکستانیوں نے بھی شراب کے بغیر پارٹی کے پھیکا ہونے کی شکایت کی۔

روشن اور اکبر کے دوستوں نے بھی اتنی سنجیدہ پارٹی کا مزا نہ لیا کسی قسم کی ہلڑ بازی نہیں تھی ان کے خیال میں یہ بوڑھوں کی محفل تھی اور نوجوانوں کو تو بلاوجہ ہی بلا لیا گیا تھا۔ روشن نے کہا۔ ''ڈیڈی پارٹی ٹھنڈی رہی۔''

میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے مگر میں نے کہا۔ ''لندن کا موسم ہی ٹھنڈا ہے بیٹا.....''

''یہاں کے لوگ وہ چاہے جس ملک کے ہوں ایسی پارٹیاں پسند نہیں کرتے۔'' وہ بولا۔

''کرنے لگیں گے ہماری تہذیب اور مذہبی اقدار اور کلچر انگریزوں سے الگ ہے۔

کمزوری یہ ہے کہ ہم اپنا سب کچھ چھوڑ کر ان کی خرافات کو اپنا رہے ہیں۔ ہمارا اپنا کردار گر رہا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی جگہ جم کر کھڑے رہیں اور ان میں رہ کر ان کو اپنے کردار سے متاثر کریں پھر یہ ہم کو شراب و شباب پیش نہیں کریں گے کیونکہ سمجھ جائیں گے کہ یہ لوگ اپنی سطح سے نیچے نہیں آئیں گے اور اگر ہم خود ان سے بڑھ کر خرافات کریں گے تو یہ ہم کو جانوروں کی سطح سے بھی نیچے لے جائیں گے تم اور اکبر دونوں نے میری باتوں کو سمجھ لیا ہے۔ تم دونوں دنیا کے کسی خطے میں رہو گے اپنا الگ ایک مقام رکھو گے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں ڈیڈی یاد آیا۔ اکبر بتا رہا تھا نبیلہ میڈیکل کے آخری سال میں ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں چاہتا تھا ڈیڈی! ہماری ایک ہی تو بہن ہے وہ بھی ہمارے پاس آ جائے تو اچھا ہے۔'' وہ بولا۔

''اس کا فیصلہ میں کر سکتا ہوں نہ تم اور نہ اکبر اس کا فیصلہ وہ خود کرے گی یا اس کی ماں کرے گی.....'' میں نے جواب دیا۔

''اکبر کے کالج میں ایک مہینہ بعد کلاسیں شروع ہوں گی، میں بھی ایک مہینہ کو فارغ ہوں ہم دونوں کراچی امی سے ملاقات نہ کر آئیں مجھے بہت شوق ہے ان سے ملنے کا۔'' روشن نے کہا۔

''ارے واہ کیا بات سوجھی ہے تم کو چلو کنول سے مشورہ کرتے ہیں۔''

''یہ تمہارا لاڈلا کیا کہہ رہا ہے؟'' میں نے کنول کے پاس جا کر کہا۔

''میرا کم اور تمہارا لاڈلا زیادہ ہے یہ میرا لاڈلا تو میرے پاس بیٹھا ہے۔'' اس نے اکبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ کراچی جانا چاہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ اب چھوٹا بچہ نہیں کہ میں یا آپ اس کو انگلی پکڑ کر چلائیں گے..... بہت بڑا اکاؤنٹنٹ ہے۔ جہاں دل کرے جا سکتا ہے۔'' وہ بولی۔

''وہ اکبر کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو کیا ہوا دونوں بھائی تفریح کر آئیں گے۔'' وہ بولی۔

''خوش کر دیا مما آپ نے.....'' روشن بولا۔

''مگر یہ تو بتاؤ کیا کرنے جا رہے ہو۔'' کنول نے پوچھا۔

''مما بات یہ ہے کہ میں نے پاکستان نہیں دیکھا اور نہ رضیہ امی کو دیکھا، نہ نبیلہ بہن کو دیکھا۔ میں

چاہتا ہوں سب سے ملاقات کروں۔'' روشن نے کہا۔

''بہت اچھی بات ہے ضرور جاؤ۔'' کنول نے کہا۔

''اکبر بھی ایک مہینہ کو فری ہے دونوں ساتھ جائیں گے۔'' وہ پھر بولا۔

''دل تو میرا بھی بہت کرتا ہے مگر میں تو انڈین پاسپورٹ پر ہوں نہیں جا سکتی۔'' وہ بولی۔

''پہلے میں ہو آؤں پھر آپ کا نمبر آئے گا۔'' روشن نے کہا۔

''تمہارا تو برٹش پاسپورٹ ہوگا تم نے بنوالیا ہے۔'' کنول نے پوچھا۔

''اب ارادہ ہوا ہے تو سب ہو جائے گا کاغذات تو تیار ہیں بس جمع کرانا ہے۔'' وہ بولا۔

''اس طرح تو تمہارا بہت وقت خراب ہوگا اور اکبر کے پاس تو فرصت کا ایک مہینہ ہی ہے۔'' کنول نے کہا۔

''میں بھائی جان کے ساتھ ضرور جاؤں گا جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' اکبر نے کہا۔

''کیا تم دونوں نے پہلے سے پروگرام بنا رکھا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ڈیڈی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' روشن بولا۔

''اور اگر ہے بھی تو بھی اس میں خرابی کیا ہے۔'' کنول نے کہا۔

اور دونوں کی تیاری شروع ہوگئی۔ کراچی ایئرپورٹ پر رضیہ اور نبیلہ نے ان دونوں کا استقبال کیا۔ نبیلہ حیرت سے بولی۔ ''بھائی جان آپ تو بالکل اکبر بھائی کی طرح ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔''

''فرق کیوں ہوگا دونوں ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔'' رضیہ نے کہا۔

''آپ نے درست کہا امی.....'' نبیلہ بولی۔

''بہت باتیں کرنے لگی ہے پٹر پٹر، بڑے بھائی کے سامنے بولے جا رہی ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''بولنے دو بھائی یہ بولتے ہوئے بہت اچھی لگ رہی ہے۔'' روشن نے کہا۔

''بھائی جان اس کو ڈانٹ کر رکھنا ضروری ہے نہیں تو یہ آپ کے کان کھا جائے گی۔'' اکبر نے کہا۔

''تم چپ رہو بھائی..... میں بڑے بھائی سے بات کر رہی ہوں۔'' نبیلہ نے کہا۔

''اچھا اب گھر بھی چلو باقی باتیں گھر پر کر لینا۔'' اور سب گھر آ گئے۔

ایک مہینہ تک تینوں ساتھ ساتھ تفریح کرتے رہے پنڈی اور مری بھی گئے شمالی علاقہ جات کی بھی سیر کی، روشن کو کسی وقت یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ اپنی ماں سے دور ہے، رضیہ نے اس کو وہی پیار دیا جو کنول نے اکبر کو دیا تھا۔

''تمہارا یہ آخری سال ہے پھر تم ڈاکٹر بن جاؤ گی۔'' روشن نے پوچھا۔ ''میں چاہتا ہوں آگے کی تعلیم تم لندن میں پوری کرو۔'' روشن نے کہا۔

''خواہش تو میری بھی ہے بھائی جان..... مگر پھر امی کراچی میں اکیلی رہ جائیں گی۔'' نبیلہ بولی۔

''کیوں رہ جائیں گی لندن میں ڈیڈی کا اتنا بڑا گھر ہے۔ وہیں رہیں گی۔'' روشن نے کہا۔

''اس کے بارے میں تمہارے ڈیڈی سے مشورہ کرنا ہوگا۔'' رضیہ نے کہا۔

''ارے امی، ڈیڈی ایسے انڈر فل آدمی ہیں کہ کبھی انکار نہیں کریں گے۔'' وہ بولا۔

''تم ڈیڈی سے بات کرنا پھر دیکھیں گے۔'' نبیلہ نے کہا۔

''اور اب تمہارا کیا پروگرام ہے تمہاری تعلیم تو ختم ہوگئی۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''ایک بینک کی آفر ہے اس پر غور کروں گا۔'' روشن نے کہا۔

''اور بھائی کے بارے میں کیا کہیں گے۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''بھئی یہ تو بیرسٹر ہے قانونی آدمی ہے ہم کیا بتائیں پھنسا دے گا کسی قانونی چکر میں اس سے تو ڈرنا ہی پڑے گا۔'' روشن نے زور سے ہنس کر کہا۔

''اپنی امی کو میرا بہت بہت سلام کہنا اور کہنا مجھ سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو چھوٹی سمجھ کر معاف کر دینا۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں ان کی خدمت کروں مگر ہمارے درمیان تمہارے ڈیڈی نے ایک پردہ رکھا ہے اس کو تم حجاب کا پردہ کہہ لو مگر مجھے یقین ہے کہ تمہاری امی بھی میرے جیسی ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو تم یہاں کیوں آتے۔'' رضیہ نے کہا۔

''آپ نے بالکل درست کہا امی، میں نے جب امی کو بتایا کہ میں کراچی جا رہا ہوں تو وہ بہت خوش ہوئیں میرے آنے کی پوری تیاری انہوں نے کی ہے ساری شاپنگ ان کی اپنی ہے، ڈیڈی کو اتنی فرصت نہیں ہے۔ ایک بات اور بتا دوں امی کہ ہمارے گھر کا ماحول مکمل ایک مشرقی گھرانے کا ہے۔

ڈیڈی نماز پابندی سے پڑھتے ہیں میں اور اکبر جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد جاتے ہیں۔ مما نے مجھ پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ وہ کہتی ہیں بیٹا تو مسلمان باپ کی اولاد ہے جدھر من کرے ادھر جا میں ڈیڈی کی شخصیت سے متاثر شروع سے ہوں، جب میں ڈیڈی سے نہیں ملا تھا بہت چھوٹا تھا اس وقت ہی مما نے مجھے بتا دیا تھا کہ میں ایک پاکستانی مسلمان کا بیٹا ہوں مما نے ڈیڈی کے کردار کی جو تعریف مجھ سے کی تھی وہ میرے دل میں آج تک ہے، میرا باپ ایک آئیڈیل آدمی ہے پھر میں اس کے نقش قدم پر کیوں نہ چلوں گا!'' روشن نے کہا۔

''مگر میں کہوں گی تمہاری ماں بھی کچھ کم آئیڈیل عورت نہیں ہیں۔ انہوں نے تم کو حقائق بتائے اور ایک انسان کی ہو بہو وہی باتیں بتائیں جو تھیں ان کو کسی مصلحت کی بنا پر توڑا مروڑا نہیں اگر وہ یہ نہ کرتیں تو تمہاری نظر میں ڈیڈی کی اتنی وقعت اور عزت نہ ہوتی جتنی کہ ہے۔''

''آپ میں اور مما میں مجھے ذرا فرق نہیں لگتا۔'' روشن نے کہا۔

''فرق ہے بھی نہیں۔'' اکبر نے کہا۔

''اب تو میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں اپنی دوسری امی کو ملوں۔'' نبیلہ نے کہا۔

''تم انشاء اللہ ضرور ملو گی۔'' روشن نے کہا۔ اور خوش گوار یادیں لے کر اکبر اور روشن لندن آ گئے۔

☆.....☆.....☆

''دھرتی وشال ہے (بہت وسیع) اس میں ہزاروں ملک آباد ہیں۔ ہم لوگ بھارت کے باشی ہیں۔ یہاں پر بھی بھانت بھانت کے لوگ آئے۔ اپنی اپنی بولیاں اپنے اپنے ہتھیار لے کر انہوں نے راج رچایا۔ کنشک خاندان کے بعد بھارت میں چندر گپت، ہندوستان میں مسلمان کے آنے سے پہلے دو مذہب زیادہ تھے ہندو اور بدھ مگران کو مسلمانوں نے ختم کر دیا۔ بدھوں کے تو ہندو بھی دشمن تھے اور مسلمان بھی، ان کو تو پہاڑوں پر دھکیل دیا۔ اچھے اور اہم علاقوں پر مسلمان قابض ہو گئے۔ ہر دور میں مسلمانوں نے ہم پر رعب گانٹھا ہے اپنا غلام بنایا ہے۔ بہت مدت کے بعد اب ہماری حکومت قائم ہوئی ہے مگر اس میں بھی یہ اپنی ٹانگ ڈالے ہوئے ہیں۔'' پروفیسر پنڈت نے کہا۔

''ہماری حالت یہ ہے کہ ایک کھیل رچایا تھا خرچ بھی کیا اور ہم کو کیا ملا۔ میں ہی سب سے زیادہ گھاٹے میں رہا بھگوان داس کے لڑکے نے راجن کے نام کا فائدہ لیا اور بڑا کاروبار قائم کر لیا۔ تم کو تمہاری محنت کا صلہ ملتا رہا۔ مجھے کیا ملا۔'' موہن لال نے کہا۔

''مل تو سکتا ہے کھیل پھر شروع کرنا ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''چہرہ ہی نہیں ہے، کھیل کیا خاک شروع ہوگا۔'' موہن لال نے کہا۔

''لالہ جی میں بیس سال سے خاموش نہیں بیٹھا ہوں۔ میرے من میں اگنی جل رہی ہے۔ میں نے اپنے سب کام کر لئے ہیں۔ اب مجھے کسی کی چنتا نہیں ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم نے کیا تیاری کی ہے بتاؤ۔'' موہن لال نے پوچھا۔

''آپ شاید سمجھ نہ پاؤ یہ بہت لمبا چکر ہوتا ہے میں پہلے بہت کچا تھا اس کو روک نہیں سکا تھا۔''

''اب تم نے کیا ترقی کی ہے۔'' موہن لال نے پوچھا۔

''میں نے کچھ علم حاصل کیا ہے تم اس کو جادو کہہ سکتے ہو، جادو ایسا علم ہے جو ارادے کی طاقت کو استعمال کا طریقہ بتاتا ہے اور نتائج اپنی خواہش کے مطابق آتے ہیں۔ کسی بھی چیز میں تبدیلی کس طرح کی جا سکتی ہے۔ آج کے دور میں شہروں میں بھی کچھ لوگ سحر یا جادو کو مستقل کے طور پر اور پیشے کے طور پر کرتے ہیں۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' موہن لال نے پوچھا۔

''میں ایک دفعہ پھر حیدر پر تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔'' پنڈت بولا۔

''وہ تو اب لندن میں رہتا ہے۔ تم کس طرح کرو گے۔'' موہن لال نے کہا۔

''گراؤنڈ تو بنانا پڑے گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''میرے خیال میں تو اب یہ بہت مشکل کام ہے۔'' موہن لال بولے۔

''اگر آپ اس طرح مشکل کہہ رہے ہیں کہ ہماری ٹیم ٹوٹ گئی ہے تو ہم تم دونوں ہی کافی ہیں۔'' پنڈت نے جواب دیا۔

''یہ بات بھی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ راجیش کے بغیر یہ کام ہوگا نہیں۔'' موہن لال نے جواب دیا۔ ''پھر راجیش کو آگے کرتے ہیں۔'' پنڈت بولا۔

''راجیش سے تم ہی بات کرو گے میرا ذکر نہ آنے پائے۔'' موہن لال بولے۔

''آپ ایک دفعہ ناکام ہونے کے بعد دل ہار بیٹھے ہیں ہمت کریں پھر کوشش کرتے ہیں۔ پھر پرانے راجن کو لاتے ہیں مایا تو اپنی جگہ ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''کس طرح کرو گے؟'' موہن لال بولے۔

''اب میری سمجھ میں خوب آ گیا ہے کہ عامل جس مقام پر جن لوگو پر کام کر رہا ہے اس کو اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو۔ جس پر اثر ڈال رہا ہے اس کے حالات اس کے سامنے ہوں۔ اس کی ذہنی اور اندرونی فطرت کا اس کو پتہ ہو۔ خود کو معمول کے ذہنی سطح سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہے۔ اور یہ کام صرف اس کے قریب رہ کر ہو سکتا ہے اور مجھے اس کے قریب صرف راجیش کر سکتا ہے تم نہیں جانتے راجیش کے خیالات بھگوان داس کے مرنے کے بعد بالکل بدل گئے ہیں۔'' موہن لال نے کہا۔

''بابا حال بڑا خطرناک ہوتا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''مگر وہ تو ویسے ہی دونوں ہاتھ سے مایا بٹور رہا ہے۔'' موہن لال بولے۔

''کوشش کرنے میں کیا برائی ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''پنڈت جی بات یہ ہے کہ اب میں فنانسر نہیں بن سکتا، سکت نہیں رہی۔'' موہن لال بولے۔

''تو پھر ہم جو کریں گے آپ زبان بند رکھیں گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''رکھیں گے ضرور رکھیں گے مگر گیند تمہارے کورٹ میں ہے اس زبان بندی کی فیس ہوگی۔'' موہن لال نے کہا۔

''لالہ جی یہ ہمارا داؤ ہم پر ہی چلا رہے ہو۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم سے ہی سیکھا ہے اور کس پر آزمائیں۔'' موہن لال بولے۔

''ٹھیک ہے میں راجیش سے بات کرتا ہوں۔'' پنڈت نے کہا۔

''خوب بات کرو مگر میں تم سے الگ ہوں میرا ذکر نہ آئے۔'' موہن لال بولے۔

''نہیں آئے گا مگر راز کو راز رکھنا ہوگا اس بات کی فیس لوگے اگر کہیں بھی کسی سے بھی اگل دیا تو موہن لال جی یاد رکھنا میرا نام پنڈت ہے سب کھایا پیا نکلوالوں گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''دھمکا رہے ہو۔'' موہن لال نے کہا۔

''نہیں جتا رہا ہوں، کام بڑا ہے خرچ بڑا ہے، سب ڈوب جائے گا۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے ہم خاموش ہیں بات پکی ہوتے ہی ادائیگی کر دینا۔'' موہن لال نے کہا۔

پنڈت نے نفرت سے دیکھا۔ تو موہن لال بولا۔ ''ناراض کیوں ہوتے ہو تمہارا ہی داؤ ہے۔''

اور پنڈت پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

''ارے آؤ پنڈت جی آج کیسے پتھارے کچھ کام ہی ہوگا تو آئے ہیں ورنہ آپ کے وقت کی تو بھاری قیمت ہے۔'' راجیش نے کہا۔

پنڈت اس طرح کے استقبال کی امید نہیں کرتا تھا۔ بولا۔ ''اب تم ٹھیک ٹھیک اندازے لگانے لگے ہو۔ کام ہے تو آئے ہیں۔'' پروفیسر پنڈت نے کہا۔

''جلدی سے بول دو مجھے کہیں جانا بھی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''تم راجن کو بھول گئے یا یاد ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''راجن کون راجن؟'' راجیش نے بن کر پوچھا۔

''وہی جس کے بڑے نام کا تم نے فائدہ اٹھا کر اتنا بڑا ادارہ بنا ڈالا اور اب کروڑوں میں کھیل رہے ہو، بن رہے ہو، بھولے تو نہیں ہو گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ارے وہ ایک کردار تھا فلم سینما سے اتر گئی کردار ختم ہوا۔'' راجیش نے کہا۔

''مگر بعض دفعہ فلم فیل ہو جاتی ہے اتر جاتی ہے مگر کردار زندہ رہتا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ہاں ہوتا ہے مگر اس کردار کے رائٹر ڈائریکٹر تو آپ خود تھے فلم فیل ہوگئی فنانسر کا بھٹہ بیٹھ گیا آپ نے تو معاوضہ وصول کر لیا تھا، آپ کو اب اس کردار کی کیوں فکر ستا رہی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''وہ کردار پھر زندہ ہو سکتا ہے راجن کی تمام دولت اب بھی لینے والے انتظار میں ہیں۔'' پنڈت نے کہا۔

''تو پھر آپ آگے بڑھیں اور لے لیں ہم آپ کو منع نہیں کریں گے۔'' راجیش نے کہا۔

''مگر اصل کردار تو لندن میں ہے اس کے بنا تو کچھ نہیں ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''اب وہ آپ کے ہاتھ نہیں آئے گا۔'' راجیش نے کہا۔

''تم مدد کرو تو یہ سب ہو سکتا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''وہ کس طرح؟'' راجیش نے پوچھا۔

''تم مجھے اس کے قریب کر دو میں اب کے بھول نہیں کروں گا اس کا دماغ ایسا پھیروں گا کہ وہ بھی خود کو حیدر نہیں کہے گا ہمیشہ کے لئے راجن ہو جائے گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''دیکھو پنڈت، حیدر ایک بہت نفیس انسان ہے بہت بلند کردار ہے میں نے ایک دفعہ باپو کی وجہ سے یا پھر لالچ کی وجہ سے اس کے خلاف کام ضرور کیا تھا۔ میں آج تک خود کو معاف نہیں کر سکا ہوں دوسرے وہ میری بہت پیاری بہن کا پتی ہے اور میرے پیارے بھانجے کا باپ ہے تم اس کے خلاف کچھ نہیں کرو گے۔'' راجیش نے کہا۔

''یاد رکھو کہ پچھلے پروگرام میں تم شامل تھے۔'' پنڈت نے کہا۔

''اور تم نے پورا پروگرام ترتیب دیا تھا۔'' راجیش نے کہا۔

''میں حیدر کو تمہارے بارے میں کس طرح بتا سکتا ہوں، سالے جی کیا کر چکے ہیں۔'' پنڈت نے آخری پتہ ڈالا۔

''تم اپنا ترپ استعمال کر چکے اس کے آگے تمہارے پاس کچھ نہیں ہے، پنڈت جی اب تم جاؤ اور اپنی آخری بات پر عمل کرو اور حیدر کو بتا دو کہ میں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔''

پنڈت کو اس کی دھمکی کے وہ نتائج نہیں ملے جس کی اس کو امید تھی وہ ایک دم نرم ہو گیا نیا روپ سامنے لایا اور مسکرا کر بولا۔ ''مذاق کا بھی برا مان گئے۔''

''آپ نے خوب روپ بدلا ہے میں داد دیتا ہوں آپ تو بہت اچھے ایکٹر بھی ہیں یہ خوبی تو مجھے ابھی ابھی پتہ چلی ہے۔'' راجیش نے طنزیہ کہا۔

پنڈت کٹ کر رہ گیا مگر کائیاں تھا بات تو بنانا تھی۔ بولا۔ ''تم جو پارٹ دو، کر دوں گا راجن کا

کردار پھر ایک بار قلمالو۔ وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

میں بار بار ایک کہانی کو نہیں بناتا اچھا بزنس میں کبھی ایسی بھول نہیں کرے گا ہاں اگر تم بے کار ہو تو بتاؤ میں تم کو کام پر لگا دوں گا۔" راجیش نے کہا۔

"میں تمہارے فائدے کو آیا تھا مگر تم کسی اور ہی ہوا میں ہو، سوچ لو مجھے بعد میں بتا دینا فون کر لوں گا۔" وہ بولا۔

"کچھ نہ کرنا کچھ نہیں ملے گا اب حیدر پہلے والا حیدر نہیں ہے۔" راجیش نے کہا۔

"دیکھ لوں گا اس کو بھی....." اور پنڈت راجیش کو گھورتا چلا گیا۔

پنڈت غصے میں کہہ تو آیا مگر وہ کیا کرے یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ دبئی وہ جا سکتا تھا مگر وہاں پر وہ کیا کرے گا وہ اکیلے تو اس کو راجن نہیں بنا سکتا، پہلے تو ایک ٹیم تھی سب نے مل کر کام کیا تھا تب کامیابی ملی تھی اگر وہ اپنے علم کے ذریعے اس کو موڑ بھی سکا تو بھی یہ ایک عارضی سی بات ہوگی اور میرا خیال ہے مجھے بھی یہ پلان کلوز کر دینا چاہئے۔ اس نے سوچا۔ دل پر ایک آری سی چلی ضرور مگر کیا کرتا برداشت کرنا تھا پھر اس نے خود سے کہا۔ "مجھے وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

☆.....☆.....☆

روشن اور اکبر کراچی سے واپس آ گئے۔ اکبر اپنی پڑھائی میں لگ گیا اور روشن لندن کے کاروبار میں مصروف ہو گیا۔ کنول اور حیدر کو بہت سکون ملا۔ روشن نے بینک کی آفر قبول نہیں کی۔ ماما رابیس بھی اس کے ملازمت کے فیصلے سے خوش نہیں تھے وہ سب کو تو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

اب حیدر دبئی آ گیا اس کے ساتھ کنول بھی تھی مگر اس کا چکر کراچی اور لندن لگتا رہتا تھا۔ اکبر اور روشن دونوں لندن میں اکیلے رہتے تھے مگر دونوں کی تربیت اتنی پختہ اور ذہن اتنے تربیت یافتہ تھے کہ دونوں ان ہی خطوط پر زندگی گزار رہے تھے جس پر ان کو ڈالا گیا تھا۔ اکبر کی نسبت روشن کا حلقہ احباب زیادہ تھا اس کی وجہ اس کا کاروبار بھی تھا۔ انڈیا سے بھی ایکٹرا ایکٹریس اس کے پاس آیا کرتی تھیں اور بھی راجیش ماما کے گیسٹ آیا کرتے تھے۔ سب ہی اس کے پاس آیا کرتے تھے۔

تلوار سنگھ لندن میں تقسیم ہند کے وقت آئے تھے رہنے والے تو شور کوٹ کے تھے یہاں پر ان کے باپ دادا کے زمانے کی زمینیں تھیں۔ ان کے باپ بھنڈار سنگھ اس علاقے کے بدنام زمیندار تھے۔ اس لئے تقسیم کے وقت ان کے خاندان کو فوراً ہی وہ علاقہ چھوڑنا پڑا اور بھنڈار سنگھ دلی کی طرف چل پڑے مگر کرنال میں اٹک گئے اس وقت تلوار سنگھ جوان تھے وہ کرنال نہیں رکے اور سیدھے بمبئی چلے گئے اور وہیں سے جوڑ توڑ کر کے لندن کی طرف روانہ ہو گئے اور لندن آ کر ٹیکسی چلانے لگے۔ زمیندار

آدمی تھے مگر زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے کیا کرتے آہستہ آہستہ انہوں نے قدم جمائے اور ٹیکسیاں بڑھتی گئیں اور پھر ایک ہوٹل بھی کھول لیا اس ہوٹل کا نام انڈیا ہوٹل رکھ دیا کاروباری ذہن بنتا گیا اور وہ آگے بڑھتے گئے اسی دوران انہوں نے شادی کر لی۔ جس سے انہوں نے شادی کی وہ لڑکی گوا کے ایک عیسائی کی لڑکی تھی اس کا باپ گوا سے یہاں آ گیا تھا اس کی ماں لندن کی تھی۔ اس کا نام جولی تھا۔ جولی فریڈرک شادی کے بعد جولی تلوار بن گئی ان کی ایک لڑکی تھی۔ تلوار سنگھ جی اندر سے پورے انڈین تھے مگر اوپر سے وہ آج بھی پورے سکھ تھے انگریزی تو بولتے ہی تھے پنجابی ان کی مادری زبان تھی اور ہندی قومی زبان تو قومی زبان کا وہ حشر کرتے تھے کہ سننے والے ہنس پڑتے تھے۔ جولی کو تو ہندی اور پنجابی آتی ہی نہ تھی۔ جولی بھی زیادہ پڑھی لکھی نہ تھی۔ مگر لڑکی کو خوب پڑھایا تھا۔ وہ کچھ عرصہ روشن کے ساتھ بھی پڑھی تھی۔ ڈگری کی شوقین تھی اور وہ بھی سی اے کر گئی تلوار سنگھ جی بہت خوش تھے۔ اسی خوشی کے موقع پر انہوں نے ایک پارٹی کر ڈالی.....اور یاد کر کے تمام ہندوستانیوں کو دعوت دی روشن کو بھی دعوت دی ان کا ہوٹل بہت بڑا تھا وہیں پر انتظام کیا گیا۔ روشن دس بجے رات کو پارٹی میں پہنچا مہمانوں کی آمد ہو رہی تھی۔ دروازے پر تلوار سنگھ ان کی پتنی جولی اور ان کی لڑکی جمنا کور کھڑی تھیں روشن کو دیکھ کر جمنا کور آگے بڑھی اور بولی۔

"بہت دن بعد ملاقات ہو رہی ہے تم تو بھول ہی گئے۔" روشن نے غور سے اس کو دیکھا۔ جمنا انڈیا اور لندن کے ملاپ کا حسین پیکر تھی تعلیم نے اس کو اور نکھار دیا تھا۔

"ہاں۔" وہ بولا۔ "تم نے ٹھیک کہا میری مصروفیت ڈیڈی کے دبئی جانے کے بعد بہت بڑھ گئی ہیں وقت نہیں ملتا تم سناؤ اب کیا کر رہی ہو؟"

"ابھی تو ریسٹ کر رہی ہوں ایک دو آفر تھیں مگر میں نے ابھی غور نہیں کیا۔" وہ بولی۔

"ملازمت کرو گی موڈ ہے۔" روشن نے پوچھا۔

"ابھی کہہ نہیں سکتی۔" وہ بولی۔

"میرا مشورہ ہے ملازمت مت کرو اپنے باپ کے کاروبار کو آگے بڑھاؤ میری طرح۔" روشن نے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ ابھی غور کر رہی ہوں میں تم سے مشورہ ضرور کروں گی۔" جمنا نے جواب دیا۔

"او بھئی کیسی ڈس کس ہو رہی ہے۔" تلوار سنگھ نے گلابی زبان میں پوچھا۔

"آپ کو پتہ ہے ہم دونوں ساتھ پڑھتے رہے ہیں یہ مجھ سے سینئر ہیں وہی پرانی باتیں کر رہے تھے۔" جمنا نے کہا۔

''کروخوب کروعینوں کی، تسی دونوں جوان ہو، میں چلتا ہوں اندر جولی ذرا خیال رکھنا گیسٹ آرہے ہیں۔''

اس پارٹی کے بعد جمنا اور روشن کی ملاقاتیں بڑھتی گئیں۔ اکبر کو پتہ تھا مگر اکبر نے روشن سے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حیدر سے اس کی بابت بات کی بڑے بھائی کا ادب جو تھا۔ روشن ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر جمنا کی طرف سے جلدی تھی۔

''ابھی شادی کی جلدی نہ کرو، ڈیڈی کراچی گئے ہیں وہ آئیں گے تو میں ذکر کروں گا۔'' روشن نے کہا۔

''تم نے اب تک ان کو نہیں بتایا۔'' جمنا نے کہا۔

''یار بات یہ ہے کہ ہم لوگ لندن میں رہتے ضرور ہیں مگر ہمارے گھر کا ماحول ہندوستانی ہے ہر بات اسی انداز میں ہوتی ہے، میں ڈیڈی سے نہیں کہہ سکتا، مما سے کہوں گا وہ ڈیڈی کو کہیں گی تھروپروپر چینل کام ہوگا۔''

''میری ممی بولتی ہے اب تم جلدی شادی کرو پاپا بولتے ہیں جلدی کرو۔ میں کیا کروں۔'' جمنا بولی۔

''تم کچھ نہ کرو ڈیڈی آجائیں تو بات بنے گی۔'' روشن نے کہا۔

''اور تمہاری مما بھی تو نہیں ہیں یہ کورم کب پورا ہوگا۔'' وہ بولی۔

''ارے مما کی فکر نہ کرو وہ تو ڈیڈی کے آتے ہی آجائیں گی۔'' روشن نے کہا۔

''چلو تم بولتے ہو تو مان لیتی ہوں۔'' جمنا نے جواب دیا۔

''دیکھو جمنا میرے بڑے ہیں اور تمہارے بھی بڑے ہیں وہ لوگ اگر شادی ارینج کریں گے تو زیادہ اچھا ہوگا۔ روشن نے پوچھا۔

''بہت اچھا ہوگا، پاپا کہتے ہیں انڈیا میں ایسا ہوتا ہے۔'' جمنا نے کہا۔

''تم کو پتہ ہے تمہارا نام جمنا کور کیوں ہے۔'' روشن نے پوچھا۔

''پاپا کو یہ نام بہت پسند ہے اس لئے ہے۔'' وہ بولی۔ ''مجھے کیا پتہ.....؟'' جواب ملا۔

''انڈیا میں ایک بہت بڑا دریا ہے اس کا نام جمنا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آیا۔'' وہ بولی۔

''دریائے جمنا بڑا معتبر ک دریا مانا جاتا ہے ہندو مذہب میں اس کی بڑی قدر ہے۔'' روشن نے جو سنا تھا کہہ دیا۔

''میں مذہب کے معاملے میں کوری ہوں، میری دوست مجھے چرچ لے جاتی ہیں چلی جاتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''نئی نسل کے ساتھ یہ مسئلہ تو ہے وہ کیا کرے کہاں جائے کچھ پتہ نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''تم تو مسلمان ہو کیونکہ تمہارا باپ بھی مسلمان ہے۔ ماں ہندو ہے تم کس طرف ہو۔'' وہ بولی۔

''بیٹا باپ کی طرف ہی ہوتا ہے دوسری طرف میرا باپ کردار کا بہت مضبوط آدمی ہے میں اس کی شخصیت سے بہت زیادہ انسپائر ہوں مما نے بھی کبھی مجھے نہیں روکا میری مما بھی گریٹ ہیں۔'' وہ بولا۔

''تم مسجد جاتے ہو۔ وہاں کیا ہوتا ہے مجھے بتاؤ۔'' جمنا نے پوچھا۔

''وہاں نماز پڑھتے ہیں اور کیا ہوتا ہے؟'' روشن نے کہا۔

''تم کو نماز آتا ہے۔'' جمنا نے پھر پوچھا۔

''مجھے نہیں آتا مگر میرا بھائی ہے اکبر وہ بڑا ہوشیار ہے اس نے مجھے پوری نماز پڑھادی ہے۔'' روشن نے کہا۔

''میں تمہارے ساتھ مسجد جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''مسجد میں صرف آدمی جاسکتے ہیں۔ عورتیں الگ نماز پڑھتی ہیں۔'' وہ بولا۔

''تمہارے ڈیڈی کب آرہے ہیں۔'' وہ بولی۔

''شاید آئندہ ہفتہ آجائیں گے میں فون کر کے پوچھوں گا اور مما کو بھی بتادوں گا تم فکر نہ کرو۔'' روشن نے کہا۔

لندن میں رہنے والی نئی نسل کس طرف جائے وہ نہیں سمجھ سکتی لندن کی آزادی ان کو کسی بھی طرف لے جاسکتی ہے مسلمان کا بیٹا مسلمان نہیں رہتا ہندو لڑکی ہندو نہیں ہوتی۔ مادہ پرستی کے اس شہر میں آدمی دوڑتا ہی رہتا ہے۔

اکبر سب جانتا تھا مگر روشن بڑا بھائی تھا ادب تھا وہ خاموش تھا۔ اس کو روشن کے شادی کرنے پر اعتراض نہیں تھا مگر جب اس کو پتہ چلا کہ یہ تلوار سنگھ کی لڑکی ہے تو اس کی ذرا فکر ہوئی۔ تلوار سنگھ کی بیوی والی تو عیسائی ہے اور جمنا کیا ہے یہاں پر وہ چکرا گیا۔ شاید وہ اپنے باپ کے مذہب کو جانتی ہو مگر یہاں تو ماں سے متاثر ہوتی ہیں وہ عیسائیت کی طرف دار ہو چرچ جاتی ہو، بھائی جان تو پورے مسلمان ہیں، میرے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ''میں ان سے بات کروں۔'' اس نے خود سے پوچھا۔

''کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔'' وہ ڈرا۔ کہیں ڈانٹ ہی نہ دیں پرائیویٹ زندگی میں مداخلت انسان برداشت نہیں کرتا کچھ تو کرنا ہوگا۔ بھائی کا معاملہ ہے۔ میں بات کروں گا اس نے فیصلہ کرلیا۔

رات کے کھانے پر اس نے پوچھا۔ ''بھائی جان مما کب آ رہی ہیں؟''

''کہہ رہی تھیں اگلے ہفتہ آ جائیں گی تم کو کوئی کام ہے۔'' روشن نے پوچھا۔

''نہیں میرا تو کام نہیں ہے آپ کے لئے پوچھ رہا تھا۔'' وہ بولا۔

''وکیل صاحب یہ عدالت نہیں کھانے کی میز ہے صاف صاف بات کریں۔'' روشن نے کہا۔

''ایک ضروری مشورہ مما سے کرنا تھا اس لئے پوچھ رہا تھا۔'' اکبر نے کہا۔

''وہ مشورہ تم مجھ سے کر سکتے ہو..... شاید میں کچھ بتا سکوں۔'' روشن نے کہا۔

''وہ کوئی حساب کا سوال نہیں ہے کہ اکاؤنٹنٹ صاحب حل کر لیں گے۔'' اکبر نے کہا۔

''ارے یار تم بتاؤ تو.....'' روشن نے کہا۔

''یہ قانونی گتھی ہے اور سلسلہ ایسا ہے کہ میں نے بھی کسی قانونی کتاب میں نہیں پڑھا ہے۔''

''بتاؤ گے نہیں ادھر ادھر کی اڑاتے رہو گے۔'' روشن نے کہا۔

''معاملہ بڑا سنجیدہ اور پیچیدہ ہے کہاں سے شروع کروں۔'' اکبر بولا۔

''جہاں سے دل کرے شروع ہو جاؤ۔'' روشن نے کہا۔

''بھائی جان ہم لوگ لندن میں ہیں یہاں پر دنیا کے ہر جگہ کا آدمی ہے ہر مذہب کا آدمی ہے اس ملک کا سرکاری مذہب تو عیسائیت ہی ہے۔ مگر مسلمان یہاں آ کر مسلمان نہیں رہا ہندو یہاں آ کر ہندو نہیں رہا سکھ خود کو بھول رہا ہے یہاں کی آب ہوا ان کو اپنے سے دور کر رہی ہے۔ یہاں پر جو نئی نسل پروان چڑھ رہی ہے اس کا تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہے۔ ہندو لڑکی کالے عیسائی کے ساتھ خوش ہے مسلمان لڑکا سکھ لڑکی کے ساتھ پھرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان کا سایہ مذہب ہوتا ہے اگر انسان کا مذہب کا سایہ نہ ملے تو وہ دھوپ میں جل جائے گا اور ہماری نئی نسل اس سائے سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا حل مجھے تو کسی کتاب میں نہیں ملا۔'' اکبر نے کہا۔

''بہت خوب اکبر تم ضرور ایک کامیاب بیرسٹر بنو گے۔ تم نے جس خوبی سے میری کمزوری پر ہاتھ رکھی ہے وہ قابل تعریف ہے، جو بات تم کہنا چاہ رہے ہو وہ میں نے سمجھ لی ہے، میں خود مما سے بات کرنے والا تھا ڈیڈی کے آنے کا میں خود منتظر ہوں ان دونوں کی عدالت میں، میں کیس رکھوں گا اور میرے وکیل ہو گے۔ رہی مذہب کی بات تو میرے بھائی میں اپنے باپ کے پیارے مذہب کے مطابق نکاح کروں گا کسی چرچ میں یا مندر میں نہیں جاؤں گا۔'' روشن نے کہا۔

اکبر اٹھ کر روشن کے گلے لگ گیا اور بولا۔ ''بھائی اگر مجھ سے کچھ گستاخی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا۔''

''اچھا بکواس نہ کرو لگاؤں گا ایک.....'' روشن بولا۔ اور دونوں ہنستے ہوئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

کنول بمبئی سے آ گئی تو اس نے کراچی حیدر کو فون کیا۔ ''میں لندن سے بول رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''تم دنیا کے کسی خطے سے بولو، میں پہچان لوں گا۔'' حیدر نے کہا۔

''مجھے پتہ ہے، تم یہ بتاؤ کب آ رہے ہو۔'' وہ بولی۔

''ارے آپ حکم کرو ابھی جہاز کے پر کے اوپر بیٹھ جاؤں گا۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''نہیں پر کے اوپر نہیں سیٹ پر بیٹھ کر آؤ۔'' وہ بولی۔

''کیا بات ہے کیا کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے؟'' حیدر نے پوچھا۔

''مجھے کچھ پتہ نہیں ہے لو اکبر سے بات کرو وہی بتائے گا۔'' اور پھر اکبر کی آواز آئی۔

''پپا آپ کیسے ہیں۔''

''میں ٹھیک ہوں تم بتاؤ کیا بات ہے؟'' حیدر نے پوچھا۔

''بات زیادہ پریشانی والی نہیں آپ پریشان نہ ہوں خوشخبری ہے مگر آپ آئیں گے تو مما کو بھی لائیں گا ان کو بھی ابھی کچھ پتہ نہیں ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''ارے تو ابھی بتا دو نا۔'' حیدر نے کہا۔

''لمبی بات ہے آپ آ جائیں پھر بتاؤں گا۔'' اکبر نے کہا۔

''اچھا وکیل صاحب جیسی آپ کی مرضی، میں اتوار تک آ جاؤں گا۔'' حیدر نے کہا۔

''کیا ہوا؟'' رضیہ نے پوچھا۔ ''کوئی پریشانی ہے اکبر کو.....''

''نہیں پریشانی نہیں ہے کوئی خوشخبری ہے مگر اس نے بتایا نہیں کہتا تھا آئیں گے تو بتاؤں گا۔'' حیدر نے کہا۔

''اس کا بچپن نہیں گیا اب تک بتا دیتا تو اچھا تھا۔'' رضیہ نے کہا۔

''اتوار کو سیٹ کرا لیتا ہوں تم کو بھی فون کر دوں گا۔'' حیدر نے کہا۔ اور فون کرنے لگا.....

اتوار کی رات حیدر لندن ایئرپورٹ پر تھا۔ اکبر اور روشن دونوں کے ساتھ کنول بھی موجود تھی باری باری گلے ملے اس کے بعد حیدر نے کنول سے کہا۔

''میں نے کتنی بار تم کو کہا ہے رات کی فلائٹ پر تم ایئرپورٹ نہ آیا کرو بلاوجہ تمہاری نیند خراب ہوتی ہے۔ اور تمہاری نیند ایک بار خراب ہو جائے تو رات بھر نہیں آتی مگر تم ہو کے اپنی صحت کا خیال ہی

نہیں کرتے۔ اچھا اب گھر چلو۔'' کنول نے کہا۔

''یار تم اپنی ماں کو نہیں سمجھاتے۔'' میں نے روشن سے کہا۔

''ڈیڈی یہ کام اب اکبر کے پاس ہے۔'' وہ بولا۔

''ارے ہاں وکیل صاحب اب تو بتا دو کیا بات ہے۔'' میں نے کہا۔

''اتنی جلدی کیا ہے پپا بتا دوں گا ذرا موقع محل تو دیکھیں۔'' وہ بولا۔

''اچھا موقع نہیں ہے بتانے کا.....'' میں نے کہا۔

وہ میرے کان کے قریب منہ لایا اور بولا۔ ''بھائی جان ہیں نا اس وقت.....''

''ٹھیک ہے ارے ہم تو (پینڈو ہیں) بات ذرا دیر سے سمجھتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اب اتنے بھی پینڈو نہیں۔'' کنول نے کہا۔

دو دن تو کام اتنے تھے کہ گول میز کانفرنس ہو نہیں سکی۔ رات کے کھانے پر سب تھے کھانے کے بعد اکبر نے کہا۔

''بھائی جان! وہ تلوار سنگھ جی آپ کو بہت یاد کر رہے تھے کہہ رہے تھے کچھ ضروری کام ہے فون کر چکے ہیں۔''

''تم پوچھ لیتے کیا کام ہے۔'' روشن نے کہا۔

''کہتے تھے صرف روشن کو ہی بتاؤں گا۔'' اکبر نے کہا۔

''اچھا مل لوں گا ان سے کسی دن۔'' روشن نے کہا۔

''آج ہی ملاقات کریں معاملہ کچھ سنگین ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''اچھا تم کہتے ہو تو چلا جاتا ہوں۔'' اور روشن اٹھ کر چلا گیا۔

''ان کو موقع واردات سے ہٹانا بھی بڑا مشکل کام ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''تو تم نے اس کے ساتھ ڈرامہ کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں اور کیا! آپ سے بات بھی تو کرنا تھی.....'' اکبر نے کہا۔

''اچھا اب جلدی بتاؤ میرے تو ہول اٹھ رہا ہے۔'' کنول نے کہا۔

''بھائی جان شادی کر رہے ہیں۔'' اکبر نے کہا۔

''تو پھر کیا ہوا ہم تو خود اس کی شادی کی فکر میں ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں نے تلوار سنگھ کے پاس ان کو بھیجا ہے نا اسی کی لڑکی ہے جمنا اس کا نام ہے بھائی جان کے ساتھ پڑھتی رہی ہے۔'' اکبر نے بتایا۔

''اس کی مرضی ہے تو پھر ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تلوار سنگھ جی تو سکھ ہیں ان کی دھرم پتنی عیسائی ہیں گوا کی رہنے والی۔'' اکبر نے کہا۔

''لڑکی خود کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ابھی تک درمیان میں ہے تعلیم یافتہ ضرور ہے مگر مذہب کے معاملے میں کوری ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''اس کا رجحان تو کسی طرف ہوگا۔'' کنول نے سوال کیا۔

''ممامیں نے بھائی جان سے بات کی تھی وہ اسلامی طریقہ پر شادی کریں گے اور لڑکی کو مسلمان ہونا پڑے گا۔''

''اگر وہ اس پر راضی نہ ہوئی.....'' کنول نے سوال کر دیا۔

''تو شاید بھائی جان اس سے شادی نہ کریں اس لئے آپ لوگ تلوار سنگھ سے ملاقات کریں ان سے بات کریں وہ کیا کہتے ہیں اور جمنا کیا کہتی ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''وہاں جانے سے پہلے میں کنول سے پوچھتا ہوں تم کیا کہتی ہو۔'' میں نے کہا۔

''میں کیا کہوں وہ تمہارا بیٹا ہے اس پر تمہاری شخصیت کا پورا رنگ ہے وہ جو کچھ کرے گا ٹھیک ہی ہوگا میں اس کی خوشی میں خوش ہوں۔'' کنول نے کہا۔

''ہاں اب میں اس پوزیشن میں ہوں کہ تلوار سنگھ سے بات کر سکوں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر کریں ان کو رنگ اور کل شام کو چلتے ہیں ان کے گھر۔'' اکبر نے کہا۔

''تم کو اتنی جلدی کیا ہے آخر۔'' میں نے کہا۔

''لو بھائی دولہا بننے والا ہے مجھے جلدی نہیں ہوگی زندگی میں پہلی دفعہ اس قسم کی خوشی ملنے والی ہے۔ میں تو جلدی ہی کروں گا۔'' اکبر نے کہا۔

''سن لیا کنول وکیل کی باتیں۔'' میں نے کہا۔

''تو تم کیوں لیٹ ہو رہے ہو کر لو فون۔'' کنول نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

تلوار سنگھ جی نے مجھے دیکھا تو آگے بڑھ کر بولے۔ ''مینوں خبر سی تسی آؤ گے ضرور.....''

''لندن آ کر آپ بہت ہوشیار ہو گئے ہو سردار جی۔'' میں نے کہا۔

''او نہیں جی میں پہلے سے بڑا ہوشیار ہوں۔'' تلوار سنگھ نے کہا۔

''یار تمہاری بات کا یقین نہیں آ رہا۔'' میں نے کہا۔

''دیکھو میں انڈیا سے دوڑا تو یہاں تک گیا۔ کسی اور طرف بھی جاسکتا تھا۔ ادھر کیوں آیا شور کورٹ سے قریب تو امرتسر ہے۔ انبالا ہے۔ مگر میں کراچی گیا اور پھر لندن کے ایک شپ پر چڑھ گیا۔ بولو ہوں نا پہلے سے ہوشیار۔'' تلوار سنگھ نے میری پیٹھ پر بے تکلفی سے ہاتھ مار کر کہا۔

''ہاں انکل یہ تو سب کہتے ہیں۔'' اکبر نے کہا۔

''ہور سناؤ کی خبر لائے ہو۔'' وہ بولے۔

''جمنا نہیں ہے گھر میں۔'' میں نے پوچھا۔

''ہے کیوں نہیں ہوگی؟'' وہ بولے۔

''آپ کے سامنے اس سے دو چار باتیں کرنی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''دو چار کیوں دس بیس کرو کوئی راشن بندی تو نہیں ہے۔'' تلوار سنگھ بولے۔

''ٹھہریں سردار جی ابھی اس کو نہ بلائیں آپ سے بات ہو جائے تو اس سے بھی بات کریں گے۔'' کنول نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے آپ کی بیوی کہاں ہیں ان کو بھی بلالیں۔'' میں نے کہا۔

''یار اچھی بھلی بھاشا میں بات چل رہی ہے وہ آئے گی تو پھر انگریزی چبانا پڑے گی بڑی کوشش میں نے کی کہ کچھ سیکھ جائے مگر وہ سمجھتی ہی نہیں۔'' تلوار سنگھ نے کہا۔

ان کے سامنے بات کرنا بھی ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔

''کوئی بات نہیں اور جگالی کرلیں گے۔'' وہ بولا۔

اور انہوں نے آواز دی۔ ''جولی۔''

چند ہی منٹ میں ایک بڑی اسمارٹ انگریز عورت ان کے سامنے تھی سردار جی نے اس کو ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھایا اور بولے۔

''یہ تم سے ملنے آئے ہیں اور تم کمرے میں بیٹھی ہو۔''

''پہلے تعارف تو کرادو۔'' جولی بولی۔

''ارے یہ حیدر علی ہیں ان کا تعلق پاکستان سے ہے اور یہ ان کی وائف کنول ہیں، ان کا تعلق انڈیا سے ہے اور یہ ہیں ان کے بیٹے اکبر اس کا تعلق کیا بتاؤں۔'' تلوار سنگھ مسکرا کر بولے۔

کنول نے کہا۔ ''یہ بھی پاکستانی ہے۔''

''مگر آپ کے بڑے بیٹے کا انڈیا سے تعلق ہے۔'' تلوار سنگھ حیرت سے بولے۔

''سردار جی آپ پریشان نہ ہوں یہ میری پاکستانی بیوی کا بیٹا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہیں کیا کہا! پاکستان میں بھی تم نے بیوی رکھی ہے!'' وہ حیرت سے بولے۔

''ہاں اور کیا۔'' میں نے کہا۔

''بلے بلے بھئی جدھر جاؤ پراٹھے ہی کھاؤ۔'' وہ ٹھٹھہ مار کر بولا۔

''آپ کا دو وائف ہے۔'' جولی نے پوچھا۔

''ہاں ایک یہ تمہارے سامنے ہے ایک پاکستان میں ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہم کو سمجھ نہیں آتا تم کس طرح مینج کرتے ہو۔'' وہ بولی۔

''ہم کر لیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''یہ بات ختم کرو تم بتاؤ آج تم نے میرے غریب خانے کی عزت کیسے بڑھائی۔'' تلوار سنگھ بولے۔

''تم میرے بیٹے کو جانتے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''بڑے کو کہہ رہے ہو۔'' وہ بولے۔

''ہاں اس کا نام روشن ہے اور وہ جمنا کے ساتھ پڑھتا رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''جانتا ہوں خوب اچھی طرح۔'' وہ بولے۔

''وہ اور جمنا دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''تو کرلیں شادی کس نے روکا ہے۔'' وہ بولے۔

''اب آپ جمنا کو بلالیں۔'' میں نے کہا۔

اس نے جمنا کو آواز دے کر بلالیا اور بولا۔ ''تم روشن کو جانتی ہو۔''

''ہاں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''تم دونوں شادی کرنا چاہتے ہو۔'' تلوار سنگھ بولا۔

''ہاں کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ بولی۔

''لو جی ہو گیا فیصلہ.....'' تلوار سنگھ بولے۔

''روشن میرا بیٹا ہے مگر کنول کی گود میں پلا ہے ماں اس کی ہندو دھرم کی ہے اور میں مسلمان ہوں، میں نے یا اس کی ماں نے دھرم کے معاملے میں کبھی اس پر زور نہیں ڈالا لیکن وہ میرے دھرم سے زیادہ متاثر ہے اور شادی بھی اسلامی طریقہ پر کرنا چاہتا ہے۔ جمنا بیٹا تم کس دھرم کو مانتی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''میرا نام تو جمنا ہے مگر مجھے نہیں پتہ اس کا کیا مطلب ہے یہاں پر میں نے عیسائیت کو ہی دیکھا

ہے، اس لئے میں تو کسی طرف نہیں ہوں، عیسائی دوستوں کے عیسائی ہوں، ہندو دوستوں کے ہندو ہوں اور مسلمانوں کے مسلمان ہوں۔ انکل ٹھیک بات تو یہ ہے کہ ہم سب اپنے اپنے دھرم چھوڑ بیٹھے ہیں سب دولت پرستی اور دولت کمانے کی بھاگ دوڑ میں لگے ہیں۔ میں ہی نہیں بلکہ نئی نسل ایسی ملے گی جس کا جدھر منہ اٹھ جاتا ہے چل پڑتا ہے۔'' جمنا نے کہا۔

''تم نے درست کہا ہے بیٹا، ہمارا کوئی دین دھرم نہیں رہ گیا ہے۔'' تلوار سنگھ بولے۔

''یہ نئی نسل کو ایک لائن پر میرا مطلب ہے اپنے اپنے دھرموں پر لگانا اب آسان نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں جی بہت مشکل ہے تم کیا کہتی ہو۔'' تلوار سنگھ اپنی بیوی سے بولا۔

''میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس میں خرابی کیا ہے؟ انسان آزاد پیدا ہوتا ہے اس کا دل کرے جدھر چلا جائے ضروری ہے کہ وہ باپ دادا کے دھرم پر چلتا رہے۔ اس کو جو اچھا لگتا ہے وہ اس پر چل سکتا ہے یہی تو شخصی آزادی ہے۔'' وہ بولی۔

''تم ہماری مشکلات کو نہیں سمجھ سکتی ہو۔'' تلوار سنگھ نے کہا۔

''آخر پرابلم کیا ہے جمنا، روشن کو پسند کرتی ہے تو شادی کرے قصہ ختم۔'' جولی نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ روشن مسلمان باپ کے مذہب کو بہتر بناتا ہے..... اور اسی کے طریقے پر شادی کرنا چاہتا ہے۔ یہ آپ کو منظور ہے۔''

جولی بولی۔ ''مجھے تو کوئی خرابی اس میں نظر نہیں آتی۔''

''اور مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' تلوار سنگھ بولے۔

''اب یہاں پر دوسری بات پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ جمنا کو مسلمان ہونا پڑے گا اس کے بعد اس کا نکاح ہو سکے گا۔'' میں نے وضاحت کی۔

''کیوں یہ کام ضروری ہے دونوں اپنے اپنے دھرموں پر رہیں کیا مشکل ہے۔'' جولی نے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسلامی طریقہ پر نکاح اسی وقت ہو سکتا جب دونوں فریق مسلمان ہوں، آپ کا تجربہ شاید اس سے نہیں ہوا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''انکل میں تو کہہ چکی ہوں کہ میں تو لادین ہوں جس طرف روشن لے جائے گا چلی جاؤں گی۔'' جمنا نے کہا۔

''یہاں پر ذرا سی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ میں نے کہا۔

''فرمائیں۔'' جمنا نے کہا۔

''اگر تم صرف روشن کی خاطر اسلام قبول کرتی ہو تو یہ غلط ہوگا تم پہلے اسلام کو کچھ پڑھو سمجھو..... اگر تمہارا دل اسلام کی طرف مائل ہو تو اسلام قبول کرو، ہمارے یہاں کسی قسم کی زبردستی یا لالچ نہیں ہے۔ یہ دل کا سودا ہے، تم پہلے اسلام کو سمجھ لو، یہاں پر بہت اسلامی سینٹر ہیں، روشن کے ساتھ جاؤ ان کو سنو اسلام کے بارے میں کتابیں پڑھو ان کے واعظ سنو اور کچھ وقت دو پھر تمہارا دل اگر اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیتا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔

''انکل اس سے پہلے نکاح یعنی شادی نہیں ہو سکتی۔'' وہ بولی۔

''میں نے کہا نا کہ کسی بھی لالچ کے زیر اثر تم اسلام قبول کرو گی تو پھر تم اسلام کو چھوڑ دو گی لیکن اگر تم اسلام کی اچھائیوں اور افادیت کو سمجھ کر قبول کرو گی تو پھر تم کبھی اسلام سے منکر نہیں ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''روشن بھائی میرے ساتھ مسجد جاتے رہے ہیں۔ اسلامی سینٹر بھی جاتے ہیں انہوں نے پوری طرح اسلام کو سمجھا ہے اس کی سچائی کو قبول کیا ہے اس لئے وہ یہ بات کرتے ہیں۔'' اکبر نے کہا۔

''اس سلسلے میں تم میری مدد کرو گے۔'' جمنا نے اکبر سے پوچھا۔

''ضرور کروں گا اور مولانا صاحب سے بھی ملوا دوں گا۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔'' اکبر بولا۔

''چلو گل ہی مک گئی۔'' تلوار سنگھ اردو اور پنجابی کی ٹانگ مروڑ کر بولے۔

''یہ تم درمیان میں کیا کیا کہتے ہو۔ مجھے تو بتاؤ۔'' جولی نے پوچھا۔

''اری نیک بخت زندگی گزر گئی مگر تجھے ایک لفظ اپنانا نہ سیکھا۔'' تلوار سنگھ نے کہا۔

''اس کی ضرورت کیا ہے سردار صاحب۔'' میں نے کہا۔

''اگر کبھی زندگی میں شورکوٹ جانا ہوا تو یہ کیا کرے گی وہاں پر۔'' وہ بولے۔

''آپ کو یاد آتی ہے شورکوٹ کی۔'' میں نے پوچھا۔

''جی یاد کیوں نہ آئے گی۔'' وہ بولے۔

''آپ کی بات دل کو لگتی ہے اسی لئے مجھے بھی کبھی کبھی سلطان پور یاد آتا ہے۔''

''آپ کی پیدائش ہندوستان کی ہے کیا؟'' تلوار سنگھ نے پوچھا۔

''ہاں جب پاکستان بنا اس وقت میں بہت چھوٹا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر یہ بات طے ہے کہ جمنا بھابھی میرے ساتھ اسلامی سینٹر جایا کریں گی۔'' اکبر نے کہا۔

''ہاں مجھے بھی اسلامی تعلیمات کی ضرورت ہے۔'' جمنا نے کہا۔

''اور تم نے ابھی سے بھابھی کہنا شروع کر دیا۔'' میں نے کہا۔

''کوئی حرج نہیں ہے کہنے دو مجھے اچھا لگ رہا ہے۔'' جمنا نے کہا۔

''لو جی فیصلہ ہی ہو گیا!!'' تلوار سنگھ بولے۔

اور جمنا کا اسلامی درس شروع ہو گیا اس سے روشن کو بھی بڑا فائدہ ہوا اور اس کا بھی دماغ روشن ہوتا گیا اور ایک سال گزر گیا۔ ایک سال کے بعد روشن نے جمنا سے پوچھا۔

''اب بتاؤ تم نے پورا سال اسلام کو پڑھا بھی ہے اور سنا بھی ہے۔ اب تمہارا دل کیا کہتا ہے میری ذات کو بھول کر وہ بات کرو جو تمہارا دل کہتا ہے۔''

''اصل بات یہ ہے کہ میں اندھیرے سے روشنی میں آ گئی۔ کتنا فطرت سے قریب اور آسان ہے اسلام دو اور دو چار کی بات کرتا ہے کسی پر زور نہیں زبردستی نہیں اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لئے راہنمائی موجود ہے۔ اس کو گر، دین فطرت کہا جاتا ہے تو ٹھیک کہا جاتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے جلد از جلد میں اس میں شامل ہو جاؤں۔'' وہ بولی۔ ''تو پھر کل جمعہ ہے اس سے بہتر دن کون سا ہوگا۔''

اور جمنا تلوار سنگھ۔ جمیلہ بیگم بن گئی اور اسلامی سینٹر میں ہی اس کا نکاح روشن حیدر علی کے ساتھ اس کے والدین کے سامنے کر دیا گیا۔

کوئی رکاوٹ نہیں آئی، کنول نے روشن کو نہیں روکا اور تلوار نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ جہاں پر محبت ہو تو سب کام آسان ہوتے ہیں۔ کیونکہ محبت درگزر کرنا سکھاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

جمیلہ بیگم اب بیگم روشن تھیں۔ دونوں ہی تعلیم یافتہ تھے اور اسلامی سینٹر پابندی سے جاتے تھے اکبر بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان کی زندگی کا رخ ہی بدل گیا تھا۔ وہ لندن کی مادہ پرست دنیا کے لگتے ہی نہ تھے ان کے دوست اور ملنے والے بھی ان ہی جیسے تھے۔ وہ شراب و شباب کی محفلوں سے دور رہا کرتے تھے، دونوں میاں بیوی ساتھ دفتر جاتے تھے کاروبار ان کے ہاتھ میں تھا۔ اکبر اپنی تعلیم میں لگا ہوا تھا اور میں آرام کر رہا تھا۔

وقت گزرتا گیا اکبر نے اپنی تعلیم مکمل کر لی وہ بیرسٹر ہو گیا اور روشن ایک لڑکی کا باپ بن گیا۔ میں دادا بن گیا اور کنول دادی بن گئی۔ انسان اپنی اولاد کی اولاد کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتا ہے اس کی نسل آگے بڑھ رہی ہے اس سے بڑھ کر اس کے لئے کیا خوشی ہو سکتی ہے کنول کو تو ایک ایسا کھلونا مل گیا تھا جس کو وہ خود سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لڑکی کا رنگ روپ اپنی دادی پر ہی تھا اور دادی بھی اس کو پا کر نہال تھی۔

اکبر کو پاکستان جانا تھا اس کی ضرورت پاکستان کو تھی اس کی تعلیم مکمل ہو گئی تھی رضیہ کو بھی اس کی ضرورت تھی اور اکبر پاکستان روانہ ہو گیا۔ نبیلہ ہاؤس جاب ختم کر چکی تھی ایف آر سی ایس کے لئے وہ آنا چاہتی تھی۔ مگر اپنی ماں کے اکیلے پن کی وجہ سے نہیں آ رہی تھی۔ اکبر کے جاتے ہی اس نے آنے کی تیاری کر لی۔ میں نے اس کا داخلہ کروا دیا اور نبیلہ لندن آ گئی۔ کنول نے اس کا استقبال کیا اور میں کراچی روانہ ہو گیا۔ بہت دن ہو گئے تھے کراچی کے کاروبار کو بھی دیکھنا تھا۔ اکبر ایک بڑے بیرسٹر کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

''اب کے تو تم نے بہت دن لگائے۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''وہ روشن کی شادی کا مسئلہ تھا۔'' میں نے کہا۔

''کیا مسئلہ تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''لڑکی سکھ تھی مگر دماغی طور پر کسی مذہب کی نہ تھی روشن اور وہ شادی کرنا چاہتے تھے مگر روشن اسلامی طریقہ پر نکاح کرنا چاہتا تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ لڑکی مسلمان ہو۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر کر لیتے مسلمان اس کو۔'' رضیہ بولی۔

''ہو تو سکتا تھا وہ روشن کی محبت میں ایسا کرنے پر راضی تھی مگر یہ غلط ہوتا۔ وہ اسلام کی روح کو سمجھ کر دل سے مسلمان ہو اور پھر روشن سے شادی ہو یہ درست طریقہ تھا۔ اکبر نے ان دونوں کو اسلامی سینٹر پہنچایا اور وہ دونوں ایک سال تک وہاں جاتے رہے۔ لیکچر سنتے رہے اسلامی لٹریچر پڑھتے رہے۔ جب وہ پکے مسلمان بن گئے تو ان کی شادی بھی اسلامی طریقہ پر ہو گئی تم کو تو پتہ ہے اب تو ایک بچی بھی ہے۔'' میں نے تفصیل سے بتائی تو وہ بولی۔

''اس کا مطلب ہوا روشن نے اپنی ماں کا مذہب نہیں اپنایا۔'' رضیہ نے کہا۔

''اور کنول نے بھی اس پر اپنا مذہب نہیں تھوپا۔'' میں نے کہا۔

''یہ بہت بڑی قربانی ہے کنول نے تمہاری خاطر دی ہے۔'' وہ بولی۔

''رضیہ بیگم انسان جو کچھ کرتا ہے اگر اس میں محبت کا عنصر نمایاں ہو تو بات خود بخود بنتی چلی جاتی ہے۔ آپ کی بات درست لگتی ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

''تم یہ بتاؤ اکبر اپنے پیروں پر کھڑا ہے اب اس کا گھر بس جانا چاہئے تم نے کچھ غور کیا ہے اس پر۔'' میں نے پوچھا۔

''میں نے غور بھی کیا اور ایک دو لڑکیوں کو بھی نظر میں رکھا ہے مگر اکبر نے صاف انکار کر دیا ہے۔'' وہ بولی۔

''کیا کہتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''کہتا ہے جب کرنا ہوگا بتادوں گا۔'' وہ بولی۔

''ارے یہ کیا بات ہوئی۔'' میں نے کہا۔

میرا خیال ہے اس کی نظر میں کوئی لڑکی ہے۔ ابھی بتانا نہیں چاہتا۔'' رضیہ نے کہا۔

''میں پوچھ لوں گا۔'' میں نے کہا۔

''آپ جلدی نہ کریں میرا خیال ہے وہ خود بتائے گا تو بہتر ہوگا۔'' وہ بولی۔

''ٹھیک! تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔ تم نے نبیلہ سے بات کی اس کی تعلیم کا کیا حال ہے؟''

''ہاں بات ہوئی تھی کہتی تھی کنول امی اس کا بہت خیال رکھتی ہیں مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ میں لندن میں ہوں روشن بھائی مجھے روز گاڑی پر چھوڑنے جاتے ہیں اور لاتے ہیں۔'' رضیہ نے بتایا۔

''ارے تو کیوں نہ کریں گے آخر بہن ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرا خیال ہے، میں دنیا کی وہ واحد سوتن ہوں جس کے ساتھ سوتن یہ سلوک کرتی ہے۔'' وہ بولی۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عمل اگر نیک نیتی سے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اچھی ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے پتہ نہیں کیا نیک کام کیا تھا جس کا صلہ مجھے مل رہا ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

''انسان کے ہر کام کا ریکارڈ ہوتا ہے اچھے کا بھی اور برے کا بھی..... اس کا صلہ بھی اس کو ملتا ہے انسان اپنے کارناموں کو بھول جاتا ہے مگر قدرت نہیں بھولتی قدرت کبھی ناانصافی نہیں کرتی، ناانصافی قدرت کے ساتھ انسان کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''انسانی زندگی کو اگر میں ایک خطرناک کھیل کہوں تو کیا غلط ہوگا۔ انسان خود اپنی لائی مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے ان مصیبتوں کے بارے میں اس کا خیال ہوتا ہے کہ بس یہی زندگی کا اختتام ہے وہ ان مصیبتوں سے نہیں بچ سکتا مگر قدرت کے کھیل نیارے ہیں وہ کوئی نا کوئی حل نکال دیتی ہے اور انسان پھر نئے جذبے سے پھر زندگی کی دوڑ میں شامل ہو جاتا ہے انسان اپنی مرضی کے خلاف پیش آنے والے واقعات سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے زندگی میں اب کیا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ اپنی زندگی کا خطرہ رہتا ہے لیکن اگر یہ سوچ لیا جائے کہ ہمیں ہر مشکل سے گزرنا ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ آخر کار بمشکل خود بخود ختم ہو جائے گی تو واقعی حالات ایسا رخ اختیار کرتے ہیں کہ انسان تمام مشکلات پر قابو پالیتا ہے۔ ضرورت ہے اس بات کی کہ انسان اللہ پر کتنا بھروسہ کرتا ہے قدرت

اپنے بندے پر اتنا وزن ڈالتی ہے جتنا وہ برداشت کر سکتا ہے۔ قدرت کی طرف سے ناانصافی نہیں ہوتی جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے ہمارا اپنا کیا دھرا ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے۔ مجھے جتنا نوازا گیا ہے کیا میں اس قابل ہوں میں نے کیا کیا ہے۔'' میں نہ جانے کب تک خیالات کی پتنگ اڑاتا رہتا کہ پتہ چلا وکیل صاحب آئے ہیں۔

''آیئے وکیل صاحب! بہت دن کے بعد آپ کے دیدار ہوئے۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے تو ہماری طرف آنا ہی چھوڑ دیا۔'' وکیل صاحب بولے۔

''کاروباری مصروفیت بڑھ گئی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''سنا ہے آپ کا بیٹا لندن میں بیرسٹری کر چکا ہے اب کیا کر رہا ہے۔''

''بیرسٹر سہراب جی کے ساتھ لگا ہے۔'' میں نے کہا۔

''سہراب جی کے ساتھ تو ٹھیک ہے۔''

''آپ نے کیوں پوچھا تھا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے ایک فرم بنائی ہے بڑے بڑے نام کے وکیل بیرسٹر اس میں ہیں۔'' وہ بولے۔

''دوسری وجہ میری آپ کے پاس آنے کی یہ ہے کہ آپ کے بنگلے کے بہت اچھے دام مل رہے ہیں ایک بلڈر ہے اس کو توڑ کر سپر مارکیٹ اور بہت عالیشان بلڈنگ بنانا چاہتا ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں شاید اس کا مالک ہوں مگر میں نے اس کو بتایا تو وہ بولا کہ میں آپ سے اس کا سودا کرادوں اس لئے آیا تھا آپ کا کیا خیال ہے۔''

''وہ بنگلہ بے شک میرا ہی ہے مگر اس کی اصل مالک میری بیوی ہے میں اس کو فروخت نہیں کر سکتا۔'' میں نے کہا۔

''ارے تو اس میں پریشانی کیا ہے، فون کر کے پتہ کر لیں۔'' وہ بولے۔

''یہ اتنا آسان کام نہیں ہے، میری بیوی لندن میں ہے۔'' میں نے کہا۔

''اور کراچی میں جو ہے۔'' وہ حیرت سے بولے۔

''وہ بھی میری بیوی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو کیا آپ کی دو بیویاں ہیں۔'' وہ بولے۔

''ہاں دو ہیں اور تمام جائیداد کی وہی مالک ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مگر جائیداد تو آپ کے نام ہے آپ اس کو فروخت کر سکتے ہیں۔'' وہ بولے۔

''قانونی طور پر ایسا ہو سکتا ہے مگر اخلاقی طور پر کیا یہ درست ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں یہ درست نہیں ہوگا آپ ان سے اجازت لے لیں۔'' وہ بولے۔

''یہ بات آپ کی درست ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو میں کب تک فون کروں۔'' وہ بولے۔

''میں خود آپ کو بتاؤں گا آپ زحمت نہ کریں۔'' میں نے کہا۔

''حیدر صاحب بڑی اچھی آفر ہے کروڑوں میں ہے غور ضرور کریں۔'' وہ بولے۔

''آپ کا بہت شکریہ میں ضرور غور کروں گا۔'' میں نے کہا۔

کراچی بہت تیزی سے ترقی کر رہا تھا ہزار کی جگہ لاکھ کی اور لاکھ کی کروڑ کی ہوگئی تھی مگر میں فروخت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مالک کنول تھی میں امانت میں خیانت نہیں کرسکتا تھا۔ میں تو صرف کاغذات میں مالک تھا۔ میرا اپنا کیا تھا ریلوے کالونی کی دس فٹ کی جھگی جس کی زمین ریلوے کی تھی۔ میں اپنا وقت بھول نہیں سکتا تھا میں اپنے محسنوں کو ہمیشہ یاد رکھتا تھا۔ انسان کو اپنی اصلیت یاد رکھنا چاہئے۔ میں ہمیشہ اپنی اوقات کو اپنی نظر میں رکھتا تھا۔ کسی بھی انسان کو دھوکا دینا میرے نزدیک گناہ عظیم تھا۔ میں کسی دور میں غریب نہیں تھا کیونکہ مجھے ہر دور میں بے لوث محبت حاصل رہی تھی جس کو بے لوث محبت کی دولت ملی ہو وہ غریب نہیں ہوتا۔ پھر مجھے امانت میں خیانت کرنے کی بھلا کیا ضرورت، کنول جو فیصلہ کرے گی وہی اچھا ہوگا۔

رات کو رضیہ نے بتایا۔ ''کسی فرمان علی کا فون آیا تھا میں نے ان کو بتا دیا کہ رات کو فون کریں۔''

''کیا کہہ رہا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''مجھے تو کچھ نہیں بتایا۔'' رضیہ نے کہا۔

چلو آنے دو فون بات کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اکبر آ گیا۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں آج کل کچھ زیادہ ہی مصروف ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

''ظاہر ہے اتنا نامی گرامی بیرسٹر ہے مصروف تو ہوگا ہی.....'' میں نے کہا۔

''فون کی گھنٹی بجی میں نے فون اٹھایا۔'' تو آواز آئی۔

''آپ حیدر بول رہے ہیں۔''

''ہاں میں حیدر ہوں فرمائیے۔'' میں نے کہا۔

''نمائش والا بنگلہ آپ کا ہے۔'' کسی نے پوچھا۔

''آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا اور سوالات کرنے لگے۔'' میں نے کہا۔

''میرا نام فرمان علی ہے۔ میں کراچی کا سب سے بڑا بلڈر ہوں اور میرا تعلق اس ملک کی ایک

بڑی سیاسی جماعت سے بھی ہے۔'' وہ رعب سے بولے۔

''ٹھیک ہے مل کر خوشی ہوئی۔ فرمائیے کیا حکم ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کا نمائش والا بنگلہ ہم خریدنا چاہتے ہیں۔'' وہ بولے

''میں نے وکیل صاحب کو بتا دیا تھا کہ وہ بنگلہ میرے نام پر ضرور ہے مگر میرا نہیں ہے میں اس کو فروخت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ہم تو یہ جانتے ہیں کہ وہ آپ کے نام پر ہے آگے کیا ہے ہم کو اس سے غرض نہیں ہے۔'' فرمان علی کی آواز آئی۔

''دیکھئے انسان کے اخلاقی تقاضے بھی کچھ ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہم کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ ان کو دیکھیں آپ دو اور دو چار کی بات کریں۔'' وہ بولے۔

''تو پھر یہ بات ہے کہ میں اس بنگلے کو فروخت نہیں کرنا چاہتا۔'' میں نے کہا۔

''میں اس کے بدلے میں آپ کو اتنا ہی بڑا پلاٹ کراچی میں دوں گا اس کے علاوہ کئی لاکھ نقد ادا کروں گا اگر آپ کو اب بھی انکار ہوگا تو کہوں گا کہ میں پھر بھی اس کو حاصل کرلوں گا یہ تو کاروباری ڈیل تھی۔ اگر نہ مانے تو پھر سیاسی ڈیل ہوگی اور پھر کراچی میں آپ کے لئے بہت مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔'' وہ بولے۔

''آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں آپ کو آنے والے خطروں سے آگاہ کر رہا ہوں۔'' وہ بولے۔

''دیکھئے فرمان صاحب میں ایک سیدھا سادا سا آدمی ہوں۔ مجھے اس بنگلے اور اس کی قیمت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر میں اس کے اصل مالک سے جب تک نہ پوچھ لوں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا یہ صرف اخلاقی خانہ پری ہے ہوسکتا ہے اس کی اہمیت آپ کے نزدیک کچھ نہ ہو مگر میرا ضمیر مجھے اجازت نہیں دیتا۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر آپ ضمیر کو اور اخلاق دونوں کو کب تک راضی کرلیں گے وقت بتائیں۔'' وہ بولا۔

''مالک لندن میں ہے میں جانے والا ہوں وہاں پر بات کروں گا کچھ وقت تو لگے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں جو کہہ رہا ہوں غور سے سن لیں جناب وکیل صاحب کو دوسرا مکان میں نے دلا دیا ہے بنگلہ خالی ہو جائے گا میں صرف پندرہ دن انتظار کروں گا اور پھر اس کو گرا دوں گا اور اپنا کام شروع کر دوں گا جو ڈیل کرنا ہے پندرہ دن میں کرلیں میرا کام شروع ہو گیا تو پھر کوئی روک نہیں سکے گا۔'' اور انہوں نے

فون بند کر دیا۔

''اچھی دھاندلی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہوا کیا؟'' رضیہ نے پوچھا۔

''وہ نمائش کے بنگلے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں کیا اس ملک میں کوئی قانون نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''سب ہے مگر جو لوگ خلاف ورزی کر رہے ہیں وہ حکومت کے نور نظر ہیں۔''

''مجھے لندن جانا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''کنول سے فون پر بات کریں۔'' رضیہ نے کہا۔

''میں کہوں گا تو وہ فروخت کرنے کو منع نہیں کرے گی مگر جس دھونس اور دھمکی سے وہ لینا چاہتے ہیں یہ سراسر غلط طریقہ ہے۔'' میں نے کہا۔

اور میں لندن چلا گیا۔ وہاں پر بہت کام تھے بہت دن کے بعد آیا تھا اس لئے زیادہ رکنا پڑا۔ میں نے کنول سے بنگلے کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔

''اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے آپ کو اختیار ہے۔''

''مجھے پتہ تھا تم تو یہی کہو گی۔'' میں نے کہا۔

تین ماہ گزر گئے پتہ ہی نہ چلا جب میں واپس آیا تو پتہ چلا کہ بنگلہ توڑا جا چکا ہے اور بلڈنگ کا کام زور شور سے ہو رہا ہے۔ میں نے رضیہ کو بتایا تو وہ بولی۔

''ہاں اسی فرمان علی کا دو تین دفعہ فون آیا تھا آخری دفعہ انہوں نے کہا تھا میں اپنا کام نہیں روک سکتا حیدر آئے تو مجھ سے ملاقات کر لے۔''

میں دو دن کے بعد اس کے دفتر گارڈن روڈ چلا گیا۔ وہ دفتر میں موجود تھا۔ شکل سے ہی جرائم پیشہ نظر آتا تھا بڑی بڑی مونچھیں گول مٹول چہرہ اور سر سے گنجا تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میں حیدر علی ہوں۔''

''کون ہے تم بابا کیا کام ہے؟ جلدی بولو نا۔'' وہ بولا۔

''میں وہی حیدر علی ہوں جس کے بنے بنائے بنگلے کو تم نے غیر قانونی طور پر توڑ دیا ہے اور پلاٹ پر غیر قانونی تعمیرات کر رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''اچھا تم وہ ہے۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔

''میں لندن گیا اور تم نے کس کی اجازت کے بغیر کام شروع کر دیا۔'' میں نے کہا۔

''ارے بابا تم اب اس پلاٹ کو بھول جاؤ۔'' وہ بولا۔

''تم ایک غیر قانونی کسی کی جائیداد پر قبضہ کر چکے ہو اور کہتے ہو بھول جاؤ یہ کون سا قانون ہے کون سا انصاف ہے۔'' میں نے کہا۔

''ارے بابا ادھر قانون کو کون مانتا ہے، انصاف ادھر کہاں ہے، ہم کو ضرورت تھی تم نے اس جگہ کی قدر نہیں کی ہم نے لے لیا ابھی تم بات کرو کیا لے گا۔''

''میں تم سے سودا کر سکتا ہوں مگر بنگلے کو اسی پوزیشن میں لوں گا پھر سودا کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''ارے تم کیا بات کرتا ہے، بنگلہ تو ٹوٹ گیا۔ اس کا ملبہ بھی نہیں ملے گا، پوزیشن کیا ملے گا۔ تم کیا بات کرتا ہے؟'' وہ بولا۔

''تو پھر اس بنگلے کی مالیت ادا کرنا ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا بولو کیا مالیت تم لے گا۔'' وہ بولا۔

''ایک کروڑ روپے۔'' میں نے کہا۔

''ارے تمہارا دماغ خراب ہے اس کباڑ بنگلے کا ایک کروڑ کون دے گا۔'' وہ بولا۔

''جس نے توڑا ہے وہ دے گا۔ تم نے کس حیثیت سے اس کو توڑا تھا۔'' میں نے کہا۔

''دیکھو ابھی تک ہم کاروباری بات کرتا تھا ابھی تم جاؤ ہم کو قانون مت پڑھاؤ ہم بہت قانون جانتا ہے، تم جو کر سکتا ہے وہ کرو، کرنے سے پہلے یاد رکھنا ہم فرمان علی ہے۔ خالی ہم بلڈر نہیں ہے ایک سیاسی آدمی بھی ہے ادھر کا وزیر ہماری جیب میں پڑا رہتا ہے تم کدھر بھی جاؤ تمہاری کوئی نہیں سنے گا تم کو دوبارہ ادھر آئے گا، ابھی جاؤ۔''

میں نے اس کی بات سنی اس پر غور کیا اور اندازہ ہوا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اپنی طاقت کے زوم میں کہہ رہا ہے اس کے ہاتھ ضرور لمبے ہیں اسی لئے تو اس نے بنا بنایا بنگلہ توڑ ڈالا اور کسی سے اس کی اجازت نہیں لی۔ میں خاموشی سے اٹھا اور اکبر کے دفتر چلا گیا، اکبر دفتر میں موجود تھا۔ میں نے پوری روداد حال اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ بولا۔ ''یہ تو سراسر دھاندلی ہے، میں کیس تیار کرتا ہوں، اب اس کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے، کورٹ میں اس کو بلائیں گے۔''

سہراب جی بڑے قابل اور بڑے وکیل تھے، سہارے کاغذات ان کے پاس تھے، انہوں نے ایک ماہ کے بعد فرمان علی کو کورٹ میں طلب کروالیا۔ اس دوران تعمیراتی کام ہوتا رہا۔ لیکن سہراب جی نے کیس اس طرح بنایا کہ کئی مقدمات اس پر قائم ہو گئے اور بلڈنگ کی تعمیر فوری طور پر رکوا دی گئی۔ فرمان علی سیاسی آدمی تھا اخبارات میں بیان بازی کرتا رہا مگر قانونی طور پر اس کو جکڑ لیا گیا۔ اخبارات

اور خاص طور سے اس جماعت کے مخالف اخبارات نے فرمان علی کی پوری قلعی کھول دی تھی اس سے پیشتر جو وہ کر چکا تھا وہ بھی منظر عام پر آ گیا تھا، پارٹی نے اپنی بدنامی سے بچنے کے لئے اس کو پارٹی سے نکال دیا تھا۔ وہ کہتا تھا انصاف کہاں ہے اب اس کو پتہ چل رہا تھا کہ انصاف کہاں۔ اکبر علی بیرسٹر، حیدر کا بیٹا ہے، اس کو پتہ نہ تھا۔ کروڑوں وہ خرچ کر چکا تھا اور کام بند تھا۔ پارٹی ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ برے وقت میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ میری طرف ہاتھ بڑھائے ورنہ تو سہراب جی نے اس کا پورا انتظام کر دیا تھا۔

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس نے مجھ سے فون پر کہا۔

''جو بات ہوگی وہ میرے وکیل کے سامنے ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''میں اپنی غلطی مانتا ہوں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''میرے وکیل کے سامنے آ جاؤ بات کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''کب آ جاؤں۔'' وہ بولا۔

''سہراب جی کے دفتر میں دس بجے کل آ جاؤ۔'' میں نے کہا۔

دوسرے دن وہ اپنے وکیل کے ساتھ آ گیا۔

اکبر نے کہا۔ ''اب بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''ہم چاہتے ہیں کیس واپس لے لیں اور مصالحت کی بات کریں۔'' اس کے وکیل مراد بلوچ نے کہا۔

اکبر نے کہا۔ ''مراد صاحب آپ تو وکیل ہیں آپ بتائیں انہوں نے جو کچھ کیا وہ نہ تو قانونی نقطہ نگاہ سے درست تھا نہ اخلاقی طور پر درست تھا یہ دھونس دھاندلی سے کسی کے بنگلے پر قبضہ کر بیٹھے اور نہ صرف یہ کہ اس پر قبضہ کیا بلکہ اس کو توڑ کر کمرشل پلازہ بنانے لگے ان کو یہ اختیار کس نے دیا تھا، آپ ان کے وکیل بن گئے، پورا کیس آپ کے سامنے ہے، آپ صرف اپنی فیس کی خاطر ان کے وکیل ہیں اور یہ جھوٹے ہیں، انہوں نے دھاندلی کی ہے یہ بات آپ بھی جانتے ہیں مگر آپ پھر بھی ان کی وکالت کر رہے ہیں مگر خیر اب فرمائیں کیا کرنا ہے۔''

''آپ کا جو نقصان ہوا ہے وہ پورا کر دیتے ہیں۔'' فرمان علی نے کہا۔

''ایک کروڑ روپے بنگلے کے ادا کریں اس کے بعد آگے بات کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ کو ایک کروڑ روپے ادا کر دوں گا۔'' فرمان علی بولا۔

''آپ نے جو غیر قانونی بلڈنگ کھڑی کی ہے اس کو توڑنا ہوگا۔'' اکبر نے کہا۔

''یہ کروڑوں کا نقصان ہے اس کے لئے کوئی اور راستہ نکالیں۔'' وہ بولا۔

''اس کو قانونی کر دیا جائے۔'' اکبر نے پوچھا۔

''یہ تو اب ضروری ہو گیا ہے۔'' مراد بلوچ وکیل نے کہا۔

''وہ زمین حیدر علی کی ہے اس بلڈنگ کے مالک بھی وہی رہیں گے۔'' اکبر نے کہا۔

یہ سن کر فرمان علی اور مراد بلوچ اچھل پڑے۔ فرمان علی نے کہا۔

''اس پلاٹ پر میرا کروڑوں خرچ ہو چکا ہے۔''

''تو وہ سب آپ اپنا سب کچھ اٹھالیں ہم تو بلڈنگ نہیں بناتے۔'' میں نے کہا۔

فرمان علی ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا اور بولا۔

''دیکھئے! میں مانتا ہوں میں نے ایک بہت بڑی غلطی کی ہے اس کی اتنی بڑی سزا تو نہ دیں کوئی درمیانی راستہ نکال لیں۔''

سہراب جی خاموش سب کے بیانات سن رہے تھے۔ بولے۔ ''راستہ تو ہے وہ تم کو ماننا بھی پڑے گا نہیں مانو گے تو بڑے خسارے میں جاؤ گے اور ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔''

''آپ بتائیں۔'' مراد بلوچ نے پوچھا۔

''آپ ایک کروڑ بنگلے کا منظور کر چکے ہیں وہ ادا کر دیں۔''

''اور پھر بلڈنگ کو قانونی ہم بناتے ہیں۔ جب قانونی شکل ہو جائے گی تو اس پر سے پابندی بھی ختم ہو جائے گی اور تم کام آگے چلا سکو گے۔ مگر تم اس کے مالک نہیں ہو گے۔ تمہاری حیثیت ایک کنٹریکٹر کی ہوگی اس بلڈنگ کو تم مکمل کرو گے اور تمہارا شیئر 25 فیصد ہوگا۔''

''یہ تو بڑا ظلم ہوگا وکیل صاحب۔'' فرمان علی نے کہا۔

''یہ تم پر رحم ہوگا ذرا غور کرو تم کو وہ بلڈنگ گرانا پڑے گی اس پر خرچ ہوگا۔ جو خرچ اس کے بنانے پر کر چکے وہ بھی برباد ہوگا۔ اب تم کو 25 فیصد مل رہا جا تو نہیں رہا۔''

''سارا سرمایہ میرا اور میرا ہی نفع کم یہ ظلم نہیں ہے۔'' فرمان علی نے کہا۔

''زمین کس کی ہے۔'' سہراب جی نے پوچھا۔

''حیدر کی۔'' فرمان علی بولا۔

''تم کو حیدر نے زمین فروخت کی۔''

''فروخت نہیں کی۔''

''تم نے اس زمین پر بلڈنگ بنائی۔''

''یہ غلطی ہوگئی ہے۔''

''اگر وہ زمین نہ ہوتی تو کیا تم ہوا میں بلڈنگ بناتے، تم جانتے ہو کہ تم نے غلطی کی ہے یہ میرا ملک ہے عدالت میں تم کو سزا سنائی جاچکی ہوتی دو صورتیں تمہارے سامنے ہیں بلڈنگ گراؤ جگہ صاف کرا 25 فیصد پر بلڈنگ بناؤ حیدر کے حوالے کرو تم کو منافع کا 25 فیصد ملے گا اور ایک کروڑ روپیہ بنگلے کے توڑنے کا ادا کرو اگر منظور نہیں تو بولو اب تمہاری ہماری ملاقات کورٹ میں ہوگی۔'' سہراب جی نے بات ختم کردی۔

فرمان علی اور مراد بلوچ آپس میں کچھ باتیں کرتے رہے اور پھر بولے۔

''ٹھیک ہے وکیل صاحب مجھے منظور ہے۔''

''ساری کارروائی کورٹ میں جج کے سامنے ہوگی۔ ہم اس کے بعد کیس واپس لے لیں گے بلڈنگ جس معیار پر بن رہی ہے اسی معیار پر بنے گی۔'' سہراب جی نے کہا۔ اور دونوں اترے چہرے لئے واپس چلے گئے۔

انسان طاقت کے نشے میں بھول جاتا ہے کہ اس کے سامنے بھی انسان ہے اس کے ہاتھ پیر ہیں عقل ہے اور جب سیر کو سوا سیر ملتا ہے تو اس کا حشر فرمان علی جیسا ہوتا ہے۔

اس کیس کو اخبارات نے خوب اچھالا تھا اس سے جہاں فرمان علی کا سیاسی کیریئر ختم ہوگیا وہاں پر اکبر علی مشہور ہوگیا سہراب جی نے تمام تیاری اکبر سے کرائی تھی اور اس کو ہی آگے رکھا تھا وہ اکبر سے صرف اس لئے متاثر تھے کہ اکبر علی دھوکا فریب اور جھوٹے مقدمات نہیں کرتا تھا۔ حیدر علی کی یہ سی صفات اس میں تھیں۔

☆.....☆.....☆

روشن نے فون کرکے اکبر کو کہا۔ ''مبارک ہو وکیل صاحب.....''

''کس بات کی مبارکباد دے رہے ہیں بھائی جان۔'' اکبر نے پوچھا۔

''ارے بنگلے والا کیس جو جیت گئے ہو۔'' روشن نے کہا۔

''بھائی جان وہ کیس تو سہراب جی نے تیار کیا تھا۔ میں تو معاون تھا۔'' اکبر نے کہا۔

''جو کچھ تھا نام تو تمہارا ہی آرہا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''یہ اخبارات کی مہربانی ہے۔'' وہ بولا۔

''اچھا ڈیڈی کیسے ہیں؟'' روشن نے پوچھا۔ ''اور امی کا کیا حال ہے؟''

''وہ بھی ٹھیک ہیں تم نے نہیں بتایا بھابی کیسی ہیں۔'' اکبر نے پوچھا۔

''تم کو یاد کرتی ہیں۔''

''اور نبیلہ کے بارے میں بتاؤ۔'' اکبر نے کہا۔

''ارے یار وہ تو کتابوں کا کیڑا ہے دن بھر اسپتال میں آپریشن کرتی ہے رات کو موٹی موٹی میڈیکل کی کتابیں پڑھتی ہے اسے پتہ ہی نہیں کہ وہ لندن میں ہے یا کراچی میں۔'' روشن نے کہا۔

''امی اس کو کچھ نہیں کہتیں۔'' اکبر نے پوچھا۔

''وہ کہتی ہے میں پڑھنے آئی ہوں مجھے پڑھنے دو۔''

''اس کو میڈیکل کا شوق بھی بہت تھا۔ بچپن میں مجھے انجکشن لگایا کرتی تھی۔'' اکبر نے کہا۔

''اچھا ڈیڈی اور امی کو میرا سلام کہنا اور ہاں تم کب آرہے ہو تمہاری بھابی پوچھ رہی ہے۔'' روشن نے کہا۔

''بھائی جان ابھی تو گاڑی پٹری پر آئی ہے آؤں گا ضرور.....'' اکبر نے کہا۔

اچھا خدا حافظ اور فون بند ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

کراچی میں اکبر کا حلقہ احباب بڑھ رہا تھا، بڑے بڑے لیڈروں سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، سہراب جی اتنے بڑے بیرسٹر تھے کہ ان کے پاس سب اونچے کلاس کے لوگ ہی مشورے کرنے آتے تھے سہراب کے ساتھ اکبر ہوتا تھا اس طرح اکبر کو لوگ جاننے لگے تھے سہراب جی کی غیر موجودگی میں وہی ساری ڈیلنگ کرتا تھا۔ دفتر میں وہ ٹھیک نو بجے جایا کرتا تھا وہاں سے اگر کسی کورٹ میں اس کا کیس ہوتا تو وہ وہاں چلا جاتا تھا۔ مگر شام کو چھ بجے کے بعد وہ دفتر میں نہیں رکتا تھا۔ شام کا سارا وقت وہ شہر میں کریم بھائی کے ساتھ گزارتا تھا۔ شیریں سیٹھ کریم بھائی کی اکلوتی لڑکی تھی دونوں کی ملاقات لندن میں ہوئی تھی مگر وہاں پر ان کو زیادہ وقت نہیں ملا تھا کیونکہ دونوں ہی پڑھائی میں مصروف تھے شیریں نے بھی وکالت میں ڈگری لی تھی دونوں کے شعبے ایک جیسے تھے اور دونوں کراچی کے تھے دونوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی آزادی سے ملتے تھے۔

مگر کریم بھائی کو ان دونوں کی ملاقاتیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیریں کریم بھائی کے بھائی احمد بھائی کے لڑکے جانو کی منگیتر تھی اور یہ بچپن میں ہی ہوگیا تھا کہ جانو اور شیریں کی شادی ان کے جوان ہونے پر کردی جائے گی۔ مگر حالات کچھ اس طرح بدلے کہ جانو تو کاروبار میں لگ گیا اور شیریں لندن پڑھنے چلی گئی اور وہاں پر اس کی ملاقات اکبر سے ہوگئی۔ اور شیریں اکبر سے متاثر ہوگئی پھر کراچی آکر بھی دونوں ملتے رہے۔

کریم بھائی نے شیریں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر شیریں کے دل اور دماغ پر تو اکبر سوار تھا اس نے صاف صاف کریم بھائی کو کہہ دیا۔ ''میں جانو سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ اگر آپ لوگ میری شادی اکبر سے نہیں کرو گے تو میں شادی ہی نہیں کروں گی۔'' کریم بھائی زیادہ پڑھے نہ تھے مگر دنیا دیکھے ہوئے تھے وہ جانتے تھے کہ جوانی میں ایسے مقامات آتے ہیں ابھی شیریں کو کچھ سمجھ نہیں آئے گا جتنا اس کے اوپر پابندی یا نصیحت کی جائے گی اتنی ہی ضد پیدا ہوگی جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اکبر کے بارے میں کریم بھائی کو پتہ تھا کہ اکبر ایک ابھرتا ہوا ستارہ ہے وہ اکبر کو ہر طرح پسند بھی کرتا تھا مگر وہ اپنی زبان سے پھنس گیا تھا۔ خاندانی مسئلہ تھا اگر وہ انکار کر دیتا تو بھائی اس سے ناراض ہوتا اور یہ بات خاندان بھر میں پھیل جاتی۔

شیریں اور جانو کے مزاجوں میں بھی بڑا فرق تھا جانو ایک میٹرک پاس آدمی تھا حالانکہ لاکھوں کا کاروبار کرتا تھا مگر اس کے ذہن کی اٹھان جو تھی وہ شیریں کے معیار کی نہ تھی۔ جانو ہزار کے لاکھ بنانے میں ماہر تھا مگر اس خوبی کو شیریں پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ تعلیم کی کمی کی وجہ سے روشن دماغ آدمی نہیں تھا۔ اچھا بزنس مین وہ ضرور تھا۔ جانو سے اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ ''تم میرا انتظار نہ کرو شادی کرلو میرا ارادہ شادی کا نہیں ہے۔'' مگر جانو بھی ضدی تھا ہر دوسرے تیسرے دن اس کے پاس پہنچ جاتا تھا۔

''کیسی ہو شیریں تم؟'' وہ کہتا۔

''اچھی ہوں۔'' وہ کہتی۔

''تمہیں تو اپنے منگیتر کا خیال ہی نہیں ہے۔ اب تو تمہاری تعلیم بھی ختم ہوگئی۔ اب اور کیا کرنے کا ہے؟'' وہ کہتا۔

''دیکھو جانو بھائی میرا انتظار کیوں کرتے ہو تم شادی کرلو۔'' وہ کہتی۔

''ارے تو بول تو کل شادی کرلوں۔'' وہ خوش ہو کر کہتا۔

''کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے کیا تم نے؟'' شیریں نے پوچھا۔

''لڑکی تو میرے سامنے ہے۔'' وہ کہتا۔

''میرا مطلب ہے، میرا خیال تو تم چھوڑ دو کسی اور سے کرلو۔ تمہارے لئے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں ہوں یا کوئی اور.....'' شیریں نے کہا۔

''وارے وا، اچھی بات بولی۔ بچپن سے تو میری منگیتر اور شادی کسی اور سے کروں ایسی بات تو

کیوں بولی اور سن آئندہ میرے کو خالی جانو بولنے کا ہے بھائی نہیں بولنا۔'' جانو نے کہا۔

''میرے انتظار میں تم بوڑھے ہو جاؤ گے۔'' شیریں نے کہا۔

''کوئی فکر نہیں۔ ہو جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''ذرا عقل سے کام لو۔'' شیریں نے کہا۔

''ارے میرے پاس عقل کدھر ہے سب تو تو نے لے لی ہے۔'' وہ بولا۔

''تم طنز بھی کرتے ہو میری بات غور سے سن لو میری وجہ سے تم کیوں اپنی زندگی برباد کرتے ہو خاندان میں برادری میں بہت لڑکیاں ہیں۔'' شیریں نے کہا۔

''مگر میرے کو شادی تم سے کرنا ہے بس۔'' جانو نے کہا۔

''میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' وہ بولی۔

''خاندان کے بڑے ہیں وہ فیصلہ کریں گے وہ تم کو ماننا پڑے گا۔'' جانو نے کہا۔

''میں کسی کے فیصلے کی پابند نہیں ہوں۔'' وہ بولی۔

''ان کو نہیں مانو، ہماری جماعت فیصلہ کرے گی پھر تو ماننا پڑے گا۔'' جانو نے کہا۔

''تم میرے ہی پیچھے کیوں پڑے ہو؟'' شیریں نے کہا۔

''تم کیوں بھول جاتی ہو کہ تم میری منگیتر ہو۔'' جانو بولا۔

''بچپن میں تم کو میرا منگیتر بنا دیا گیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔'' شیریں نے کہا۔

''مجھ کو پتہ ہے تو یہ کیوں بولتی ہے۔ وہ وکیل آتا ہے کھٹارہ میں وہی ہے ساری خرابی اس کی وجہ سے تو میرے کو ٹھکراتی ہے ارے وہ ٹکے ٹکے بکنے والا وکیل تجھے کیا خوش رکھے گا ایسے دس وکیل میرے پاس کلرکی کرتے ہیں بول تو تیرے سامنے پیش کردوں۔'' جانو بولا۔

جانو جب بھی آتا اسی قسم کی باتیں ہوتیں وہ شیریں کو کوفت میں مبتلا کر کے چلا جاتا اور شیریں گم صم ہو جاتی۔ اور اکبر سمجھ جاتا کہ آج پھر جانو آیا ہوگا۔

''میں کیا کروں، بتاؤ وہ تو کسی طرح مانتا ہی نہیں۔'' شیریں نے کہا۔

''دیکھو شیریں! تم ایک پڑھی لکھی سمجھ دار لڑکی ہو تمہارے ساتھ مسائل بھی ہیں۔'' اکبر نے کہا۔

''میرے ساتھ صرف ایک مسئلہ ہے اور وہ ہے جانو۔'' شیریں نے کہا۔

''وہ تمہارا منگیتر ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''تم وکیل ہو کوئی راستہ نکالو۔'' شیریں نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم فکر نہ کرو کرتا ہوں کچھ۔'' اکبر نے کہا۔

اکبر شیریں کو تسلی دینے کو کہہ تو آیا تھا مگر جانو اس کو ایسا اونٹ نظر آ رہا تھا جس کی کوئی کل سیدھی نہیں تھی وہ ایک ہفتہ سوچتا رہا۔ شیریں سے فون پر بات کر لیا کرتا تھا ملنے نہیں گیا اور پھر ایک دن وہ کریم بھائی کے دفتر چلا گیا۔

کریم بھائی نے اس کو دیکھا تو اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر پیدا ہوا اور وہ بولا۔ ''ہاں بول کیوں آیا ہے وکیل.....''

''کچھ بات کرنا تھی آپ سے۔'' اکبر نے کہا۔

''اب کیا بات کرنے کا ہے تم تو عجب کا دھول مٹی بنانے کا ہے اور کیا بولے۔''

''کریم بھائی آپ کو اگر شیریں کی شادی جانو سے کرنا تھی تو پھر اس کو لندن تک پڑھنے کیوں جانے دیا، میری بات ذرا غور سے سنیں۔ میں اپنی ذات کو درمیان سے ہٹا دیتا ہوں آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ہوں ہی نہیں تو پھر شیریں جانو سے شادی کر لے گی اور آپ نے کر بھی دی تو کیا وہ اس کے ساتھ خوش ہو گی کریم بھائی آپ کچھ بھی کریں مجھ سے آپ اس کی شادی بھی نہ کریں میں کراچی چھوڑ کر کہیں اور چلا جاتا ہوں پھر بھی آپ اور جانو شیریں کو مجبور نہیں کر سکیں گے۔ آپ میری طرف سے بدگمان ہیں تو میں آپ کو بتا دوں کہ ہم دونوں لندن میں ایک ساتھ تھے، وہیں پر شادی کر سکتے تھے مگر میں نے ایسا نہیں کیا اس لئے کہ شیریں ایک خاندانی لڑکی ہے، آپ کے بارے میں لوگ باتیں کرتے، شیریں کو نشانہ بناتے، بدنامی ہوتی، شیریں میری بات مان جاتی مگر میرے ضمیر نے اس کو گوارہ نہیں کیا۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ شیریں کی ذہنی سطح اور جانو کی ذہنی سطح میں بہت بڑا فرق آ گیا ہے اور وہ فرق آپ کچھ بھی کر لیں ختم ہونے والا نہیں ہے۔'' اکبر نے اپنی بات ختم کی۔

''بروبر بولا ہے، میں مانتا ہوں ابھی کیا ہو سکتا ہے۔''

''وقت بہت آگے چلا گیا ہے۔ جانو بہت پیچھے رہ گیا ہے وہ کتنا بھی دوڑے گا وہ خود سے شیریں کا مقابلہ کرنے اور آنے والے وقت کے بارے میں سوچے اس کی ضد دو زندگیوں کو برباد کرے گی اور پھر دونوں کی زندگی خوشگوار نہیں ہو گی۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ بولیں تو میں شیریں سے ملنا بھی چھوڑ سکتا ہوں لیکن یہ بھی آپ کے مسئلے کا حل نہیں ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''پن جانو کی کھوپڑی میں ایک بات گھسیلی ہے کہ شیریں میری منگیتر ہے یہ بات کس طرح نکلے گی کھوپڑی سے تم یہ بتاؤ۔'' کریم بھائی نے کہا۔

''آپ کو اپنے بھائی سے ملنا پڑے گا۔ اس کو بتانا ہو گا میں نے جس طرح آپ کو کہا ہے آپ ان کو بتائیں گے اگر آپ ان کو سمجھانے میں کامیاب ہو گئے تو وہ پھر جانو پر اپنا اثر ڈال سکتے ہیں۔'' اکبر

نے کہا۔

''تم تو وکیل ہے، ہم کو بولا، اچھا بولا، میں سمجھ گیا، ابی میں وکیل تو نہیں ہوں، میں ایسا تو نہیں بول سکتا۔'' کریم بھائی نے کہا۔

''میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ بعض وقت اصلی گھی اور شہد بھی زہر بن جاتا ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''ہاں تم تو دور ہی رہو، معاملہ اور بگڑ جائیں گا۔'' کریم بھائی نے کہا۔

''آگے کا کام آپ کو کرنا ہے وہ بھی اکیلے۔'' اکبر نے کہا۔

''کرنا تو پڑیں گا۔ سوچتا رہیں گا تو گاڑی کھڑی رہے گا۔'' کریم نے کہا۔

احمد بھائی کی بہت بڑی فیکٹری کورنگی انڈسٹریل ایریا میں تھی۔ کریم بھائی نے فون کیا اور فیکٹری چلا گیا۔ احمد کریم سے چھوٹا تھا۔ ''بھائی آج آپ کو ضرور کوئی ضروری کام ہے اسی واسطے اتنی دور آئے ہو۔'' احمد نے ہنس کر کہا۔

''ضرورت ہوتی ہے تو ہی آدمی کہیں جاتا ہے۔'' کریم نے کہا۔

''حکم کرو کچھ انکم ٹیکس کا لفڑا ہے فکر نہیں اپنی لائن ہے ادھر.....'' احمد بولا۔

''ارے نہیں، یہ نہیں ہے۔''

''پھر تو ضرور شوسل سیکورٹی کا چکر ہو نگا۔'' وہ بولا۔

''نہیں یہ سب نہیں ہے تو ذرا آرم سے بیٹھ میرے پاس اور دروازہ لوک کر دے پھر بات ہوں گا۔'' کریم نے کہا۔

''پھر تو ضرور بینک لون کا کچھ لفڑا لگتا ہے۔'' احمد بولا۔

''یار تو میرے سے آگے آگے کیوں بھاگتا ہے۔'' کریم بولا۔

''میں کدھر بھاگتا ہوں تمہارے پاس تو ہوں۔'' احمد نے کہا۔

''دروازہ لوک کر دیا نا۔'' کریم نے پوچھا۔

''بروبر کر دیا ہے۔'' احمد نے کہا۔

تو سن کریم نے کہنا شروع کیا۔

''میں چار چوپڑی پڑھے لا ہوں تو بھی میرے ماں فک ہے باپو بھی ایسا ہی تھا۔ انڈیا سے ادھر آیا تو باپو کپڑا مارکیٹ میں دلالی کرتا تھا۔ میں اور تو مارکیٹ میں باپو کے ساتھ پھرتے تھے پھر باپو کو ایک چانس ملا اس نے سوتر کا پورا شپ کا سودا کر لیا۔ اور پھر وہ آگے چلا دفتر بنایا اور سوتر کا دھندہ چالو کر دیا۔

اس ٹیم میں سوتر کا ضرورت کراچی میں اور پورا پاکستان میں بہت تھا باپو نے خوب کمایا اور یہ فیکٹری ڈالا بینک سے ادھار لیا زمین تو سمجھو فری ہی ملا اور رسپنگ فیکٹری ڈال دیا اور خوب کمایا۔ باپو کے سارے گر تو نے اور میں نے سمجھ لئے اس طرح چار فیکٹری کراچی میں بنالیا۔ باپو کے بعد تیرے کو دو فیکٹری مل گئیں میں بڑا تھا میں بولا بول کون سا فیکٹری لیں گا تو نے جو بولا میں نے دیا کوئی لفڑا نہیں ہوا۔ باپو کا ہر چیز تو نے اپنی مرضی سے لیا میں نے تیرے کو دیا بول دیا کہ نہیں۔'' کریم نے پوچھا۔

''ہاں بروبر دیا، پن یہ پرانا کہانی آج کیوں یاد آرہا ہے میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا۔'' احمد نے کہا۔

''بولتا ہوں ابھی بولتا ہوں۔ جانو تیرا لڑکا ہے۔ وہ میرا بھی لڑکا ہے تیرے کو پتہ ہے میری تو ایک لڑکی ہے جانو بھی اپنی مافک چار چوپڑی پڑھے لاہے۔ پن دھندے کا پکا ہے یہ میں مانتا ہوں پڑھے لا نہیں ہے جو بہت پڑھے لا ہوتا ہے نا اس کا کھوپڑی دوسرا ہو جاتا ہے۔ وہ جس طریقہ پر دیکھتا ہے سمجھتا ہے پڑھے لا ایسا نہیں کرسکتا۔ ابھی میری چھوکری شیریں ہے وہ شوق تھی لندن میں جا کر بہت بڑی ڈگری لے آئی۔ اس کی عقل اور سوچ اوپر چلی گئی ہے۔ جانو میرا بیٹا ہے پر شیریں سے اب اس کا جوڑ نہیں بنتا یہ گاڑی دو ویل پر چلتی ہے پر دونوں ویل کا بروبر ہونا ضروری ہے۔ گاڑی میں ایک ویل ٹریکٹر کا اور ایک سائیکل کا لگا دو تو بتاؤ وہ گاڑی چل سکتی ہے۔ بول تو بھی تو بول۔'' کریم بھائی نے کہا۔

''یہ گاڑی نہیں چلے گی۔'' احمد نے کہا۔

''اسی مافک شیریں اور جانو کی شادی بھی کامیاب نہیں ہوں گی۔ تم ہم کسی طرح اگر کر دیتے ہیں تو بھی یہ لوگ خوش نہیں رہیں گے ان کے جھگڑے میں ہم دونوں بھائی جو کبھی نہیں لڑے تو نے میرا خیال کیا میں نے تیرا خیال رکھا تیرے کو میری پریشانی اپنی لگی اور تو نے آگے آکر میرا ساتھ دیا میں نے بھی یہی کیا۔ ہمارے تعلقات خراب ہوں گے، دنیا کو موقعہ مل جائے گا تیرے دشمن میرے ساتھ ہوں اور میرے دشمن تجھ کو بہکائیں گے ذرا میری بات پر غور کر یہ بات کتنی لمبی ہو جائے گی دھندہ الگ خراب ہوگا۔'' کریم بھائی نے کہا۔

''اس کا مطلب ہوا کہ شیریں جانو سے شادی کرنا نہیں مانگتی۔'' احمد نے کہا۔

''ہاں یہ بات بھی ہے مگر میرا اور تیرا کہنا وہ ٹالے گی نہیں جانو سے بھی شادی کرلے گی مگر بعد میں دونوں میں جو لفڑا ہوگا وہ تیرے اور میرے کو بدنام کردے گا اور یہ لفڑا ہوگا ضرور کیونکہ دونوں کے مزاجوں میں فرق ہے۔ سوچ میں فرق ہے۔'' کریم نے کہا۔

''یہ بات تو سمجھ آتی ہے تو اس کا کچھ حل تو ہوگا۔'' احمد نے پوچھا۔

''اس کا حل یہ ہے کہ تم اس کے دماغ سے شیریں کا خیال باہر کرو اور اس کو شادی پر راضی کرو، برادری میں ایک سے ایک لڑکی ہے اس کی کہیں بات لگاؤ۔'' کریم نے کہا۔

''بھائی وہ تو شیریں کا ہی نام لیتا ہے، میں کیا کروں گا۔'' احمد نے کہا۔

''دیکھو احمد وہ بیوپاری آدمی ہے تم اس کے ساتھ بیوپاری بات کرو۔'' کریم نے کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔ بھائی آپ کیا بولا۔''

''اگر وہ میرے کہنے سے شادی کرتا ہے تو میں اس کو لانڈھی کی اسپنگ فیکٹری اس کو منہ دکھائی میں دے دوں گا بول اب کیا بولتا ہے۔'' کریم نے پوچھا۔

''پھر تو وہ ایک کیا کئی شادی کرنے پر راضی ہو جائے گا۔'' احمد نے کہا۔

''تو اس سے بات کرلے اور شادی کی تیاری کر پھر مجھے بتانا۔'' کریم نے کہا۔

''میں آج ہی بات کرتا ہوں۔'' احمد نے کہا۔

اور کریم بھائی واپس چلے گئے۔ انہوں نے باپ بیٹے کی کمزوری پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ کریم بھائی کو امید تھی یہ کڑوا گھونٹ پی کر ہی وہ صحت مند ہو سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

دولت بڑی خطرناک چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر اس زمانے میں کوئی طاقت نہیں ہے۔ کمزور آدمی بھی دولت کے نشے میں مست ہو کر پہلوان بن جاتا ہے۔ اور آدمی تو حرص و ہوس کا ہمیشہ سے غلام رہا ہے۔ دولت انسان کی ہمیشہ سے کمزوری رہی ہے اور ایک کاروباری ذہن رکھنے والا آدمی تو یوں بھی صرف فائدے کی زبان جانتا ہے جانو میں صرف ایک ضد تھی کہ وہ شیریں کو اپنی بیوی بنائے گا۔ وہاں پر نہ محبت کا دخل تھا نہ اس کے حسین ہونے کا احساس تھا دوسری ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شیریں کے ساتھ ایک دو فیکٹریوں کی چابی بھی آنے والی تھی اس کا دماغ کاروباری لائن پر بہت دور تک سوچتا تھا۔ مگر اب تایا بھی خوش اور فیکٹری بھی مل رہی تھی۔ شادی کیا ہے بائیڑی کرنا ہے کوئی ہو۔ اور وہ شیریں سے دست بردار ہو گیا۔

احمد بھائی نے ایک دو جگہ بات چلائی اور ایک اپنے جیسے کی لڑکی کو پسند کرلیا جانو نے بھی ہاں کردی اور مسجد میں دونوں کا نکاح ہو گیا۔ لڑکی کو ایک چلتا کاروبار جہیز میں ملا اور جانو کو کریم بھائی نے فیکٹری دے دی اور جانو بہت خوش ہوا۔ سب سے زیادہ شیریں کو خوشی ہوئی اور اس نے یہ خوشخبری اکبر کو سنادی۔ اکبر کو سب پتہ تھا بولا۔

''کریم بھائی نے بڑی قربانی دی ہے۔''

''کچھ نا کچھ تو دینا ہی پڑتا ہے۔'' شیریں نے کہا۔

''آج تمہارے چہرے پر میں سکون واطمینان دیکھ رہا ہوں۔'' اکبر نے کہا۔

''ہاں تم نے ٹھیک کہا، میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔''

''اسی لئے تم پہلے سے زیادہ خوب صورت نظر آ رہی ہو۔'' اکبر نے تعریف کی۔

''اب تم مجھے بنا رہے ہو میں تو وہی ہوں۔'' شیریں نے کہا۔

''عورت سکون سے ہو تو زیادہ حسین ہوتی ہے۔''

''اب تم پر دورہ پڑنے والا ہے کچھ انتظار کرو۔'' وہ بولی۔

''وہ تو کرنا ہی ہے درحقیقت حسین صورتیں اس طرح حواس پر اثر انداز ہوتی ہیں کہ انسان عقل سے نہیں سوچتا۔'' اکبر نے کہا۔

''مگر تم ابھی عقل سے ہی سوچو۔'' شیریں نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کا حکم تو ماننا ہی پڑے گا۔''

''اب تم دو چار روز کے بعد بابو سے ملاقات کر لینا۔'' وہ بولی۔

''ضرور کروں گا تم کو پتہ ہے امی نے مجھے کتنی بار پوچھا ہے کہ کون ہے نام تو بتا۔ مگر میں خاموش ہوں تم اجازت دو تو ان کو بتا دوں۔'' اکبر نے پوچھا۔

''اب کیا رکاوٹ ہے بے دھڑک نام بتا دو.....'' شیریں نے جواب دیا۔

''تو ایسا نہ کروں کہ پپا بھی کراچی میں ہیں ان کو لے کر نہ آ جاؤں تمہارے گھر.....'' اکبر بولا۔

''اب تم کو اتنی جلدی ہو گئی ہے۔'' شیریں مسکرا کر بولی۔

''بہت صبر کر لیا اور کتنا کروں۔'' وہ بولا۔ ''اچھا آ جاؤ۔'' وہ بولی۔

زندگی کیا ہے ایک سفر ہے اس سفر میں الجھے اور پیچیدہ کانٹوں بھرے راستے ہیں مگر کچھ پھولوں سے بھرے آرام دہ مہک سے بھرپور راستے بھی ہیں۔ انسانی قسمت جب اس کا ساتھ دیتی ہے تو اس کی عقل بھی خوب چلتی ہے وہ راستوں کو پہچان کر سفر کرتا ہے اور زندگی آگے بڑھتی رہتی ہے۔ اکبر نے ایک راستہ چنا اور اس فارمولے کو کریم سیٹھ پر آزمایا اور وہ کامیاب ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکبر کے ذہن میں کوئی عیاری یا لالچ نہ تھا۔ وہ صرف شیریں کو دیکھ رہا تھا اس کی خواہشات کو دیکھ رہا تھا اس کی دولت کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے بیان نے کریم بھائی کو متاثر اس لئے کر دیا کہ اس میں سچ کی قوت زیادہ تھی مکر وفریب کا عنصر قطعی نہیں تھا۔

''اتوار کو امی آپ کو اور پپا کو میرے ساتھ جانا ہے۔'' اکبر نے اپنی امی سے کہا۔

''کہاں لے جائے گا۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''آپ کی ضرورت کا اور خواہش کا مجھے خیال آ گیا ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''بہت شکریہ اس مہربانی کا۔'' رضیہ نے ہنس کر کہا۔

''کریم بھائی بہادر آباد میں رہتے ہیں ان کے گھر تک جانا ہو گا۔'' اکبر نے کہا۔

''لڑکی کا کیا نام ہے کون لوگ ہیں کچھ پتہ تو چلے۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''لڑکی کا نام شیریں ہے میرے ساتھ لندن میں پڑھتی تھی۔ باپ کاروباری ہے، کئی فیکٹریاں ہیں ان کی کراچی میں، نام ان کا کریم بھائی ہے۔ میں نے فون کر دیا ہے اور وقت بھی دے دیا ہے رات کا کھانا ان کے ساتھ ہی ہو گا۔'' اکبر نے بتایا۔

''اپنے باپ کو تم کہو گے یا میں بتا دوں۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''ارے امی مجھے کہاں آگے کر رہی ہیں آپ ہی بتا دیں۔'' اکبر نے کہا۔

''اتوار کو شام سات بجے سب تیار ہو کر بہادر آباد سیٹھ کریم کے گھر پہنچ گئے۔ سیٹھ کریم نے گیٹ پر ہی ان کا استقبال کیا اور اکبر نے باپ کا تعارف کریم بھائی سے کرایا۔ کریم سیٹھ بہت خوش ہوا۔ بولا۔ ''ہمارا بائیڑی تو ہے نہیں اس واسطے بھابی کو دقت ہو گا۔''

''نہیں بھائی کوئی بات نہیں ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

اور سب لوگ عالیشان ڈرائنگ روم میں آ گئے..... بہت ہی خوش ذائقہ شربت ان کو پلایا گیا اور پھر کریم بھائی نے کہا۔ ''آپ لوگ نے میرے گھر کو رونق دیا۔ میں بہت خوش ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''کریم بھائی قربت انسان کو خوشی دیتی ہے۔''

''شیریں نظر نہیں آ رہی۔'' رضیہ نے کہا۔

''ابھی وہ کیسا آئے گی تھوڑا شرماتی ہے۔'' کریم بھائی نے کہا۔

''ارے بھائی وہ تو لندن کی پڑھی ہوئی لڑکی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں بروبر ہے پن ہے تو پاکستانی شرم حیا تو ضروری ہے۔'' کریم بھائی نے کہا۔

''آپ نے بڑے ہی سادہ الفاظ میں بڑی خوب صورت بات کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ ہم لوگ بیوپاری لوگ ہیں زیادہ تعلیم کی طرف نہیں جاتے پر اب اس کا ضرورت ہے، اب جا رہے ہیں مگر ہمارے زمانے میں ضرورت نہیں تھا اب ہے۔ شیریں نے اپنے شوق سے پڑھا ہے ہم کو بھی اب پتہ چلا ہے کہ تعلیم انسان کی سوچ کو کتنا بلند کر دیتی ہے۔ یہ آپ کا بیٹا اکبر ہے نا بہت بڑا وکیل ہے اس نے اپنا کیس خود لڑا ہے اس نے میرا سوچ کو بدلا اس کا فارمولا میں

نے آگے بڑھایا اور میں اس میں کامیاب ہوا۔'' کریم بھائی نے کہا۔

میں نے اکبر کی طرف دیکھا مگر وہ گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ ''اچھا یہ ہم کو ٹرخا رہا تھا اور یہاں عدالت لگی ہوئی تھی بہت خوب.....'' میں نے کہا۔

''یہ تو چھپا رستم نکلا۔'' رضیہ نے کہا۔

''اب آپ لوگ اس کو شرمندہ مت کرو یہ تو اس کو کرنا تھا اگر نہ کرتا تو آپ لوگ میرے پاس کیوں آتے اور نہ آتے تو میں اتنے اچھے لوگوں سے کیسے ملتا۔'' کریم بھائی نے کہا۔

''بات یہ ہے کریم بھائی کہ ہر اچھے آدمی کو اچھے ہی ملتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ابھی میں شیریں کو بلاتا ہوں وہ آپ کی امانت ہے۔ آپ اس سے ملاقات تو کرو.....'' اور وہ ایک کمرے میں چلے گئے۔ جب وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ ایک بہت حسین نرم نازک لڑکی اس کے ساتھ تھی مجھے اکبر کی پسند کی داد دینا پڑی۔ رضیہ نے بھی پسندیدگی سے اس کو دیکھا۔

میں نے رضیہ سے کہا۔ ''بیٹا تو باپ سے بھی آگے کی چیز ہے۔''

''باپ پر بیٹا نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا۔'' وہ بولی۔

رضیہ نے شیریں کو اپنے پاس بٹھایا اور بولی۔ ''بیٹا ہم تو رسم دنیا کے لئے آئے ہیں، فیصلہ تو تم اور اکبر کر چکے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''کریم بھائی اب آپ نکاح کی تاریخ دے دیں اگر شادی کی رسومات میں پھنس گئے تو بات لمبی ہو جائے گی۔''

''آپ حکم کرو، میں تیار ہوں۔'' کریم بھائی بولے۔

''چاند کی بیس تاریخ کیسی رہے گی۔'' رضیہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے ابھی پورا پندرہ دن پڑا ہے تیاری ہو جائے گا۔'' کریم سیٹھ نے جواب دیا۔ ''بارات ادھر غریب خانے پر ہی آئے گی آپ لوگ کتنے آدمی آئے گا۔'' کریم نے پوچھا۔

''ارے ہم زیادہ سے زیادہ سو آدمی ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''پرواہ نہیں جتنا بھی ہوگا ہم اس لئے پوچھا تھا کہ آگے آرڈر بھی دینا ہے۔'' کریم نے کہا۔

''مہر کا آپ کا کیا خیال ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ارے بابا ہم آپ کا ہو گیا ابھی تم جو بولے گا وہی ہوگا۔'' وہ اٹھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ اس کے اس انداز سے مجھے محبت کی خوشبو آ رہی تھی۔

اور اس طرح اکبر کی شادی ہو گئی۔

کریم بھائی نے ایک فیکٹری شیریں کے نام کر دی۔ وہ اکبر کے نام کرنا چاہتا تھا مگر اکبر نے انکار کر دیا تو اس نے شیریں کے نام کر دی۔

باتھ آئی لینڈ میں ایک بنگلہ شیریں کے نام تھا وہ اس کو مل گیا۔ مگر وہ وداع ہو کر ہمارے گھر آئی۔

دونوں ہی وکیل تھے شیریں کب تک گھر بیٹھ سکتی تھی۔ وہ بھی اکبر کے ساتھ دفتر جانے لگی اور اس نے عورتوں کے کیس لڑنا شروع کر دیئے اس کی راہنمائی بھی سہراب جی کرتے تھے اور اکبر بھی مشورہ دیا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ کراچی میں اس کی شہرت بڑھتی گئی۔ اکبر اور شیریں دونوں نے کبھی پیسہ کمانے کو کوئی کیس نہیں لیا۔ مظلوم عورتوں کے کیس شیریں کرتی تھی اور ان کو انصاف دلاتی تھی اور کچھ نہیں لیتی تھی۔ اس کو اللہ نے بہت کچھ دے رکھا تھا۔ اکبر کی آمدنی بھی بہت تھی۔ وہ تو اپنی تعلیم کا فائدہ دعاؤں کی شکل میں لے رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

روشن کا اصرار بڑھ رہا تھا میں نے بھی بہت دن کراچی میں گزار لئے تھے میں لندن روانہ ہو گیا۔ روشن نے بہت اچھی طرح کاروبار سنبھالا ہوا تھا۔ راجیش کی پوری مدد اس کو حاصل تھی۔ روشن کئی چکر بمبئی کے لگا چکا تھا جمیلہ بھی اس کے ساتھ جا چکی تھی۔

''ڈیڈی آپ اچھے وقت آئے ہیں راجیش ماما بھی یہاں موجود ہیں۔'' روشن نے کہا۔

''چلو یہ بھی اچھا ہوا۔'' میں نے کہا۔

رات کو راجیش آ گیا مجھے دیکھ کر بولا۔ ''واہ بھگوان سے اور کچھ مانگتا تو شاید وہ بھی مل جاتا۔''

''تو تم نے مانگ لیا ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''ارے اگر یہ پتہ ہو کہ یہ قبولیت کی گھڑی ہے تو انسان پتہ نہیں کیا کیا مانگ لے۔'' وہ بولا۔

''اب اور کیا چاہئے تم کو.....'' کنول نے پوچھا۔

''یہ بھی درست ہے۔'' وہ بولا۔

''بات یہ ہے گرو کہ بمبئی میں لوگ تم کو بہت یاد کر رہے ہیں۔'' وہ بولا۔

''گرو بھی کہتے ہو اور اصلی بات بھی نہیں بناتے۔'' میں نے کہا۔

''فوراً پکڑ لیتے ہو ذرا سا بھی سالے کا لحاظ نہیں کرتے۔'' وہ بولا۔

''زیادہ نہ اڑو زمین پر آ جاؤ اور اصلی بات بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ فنانسر کچھ ہاتھ کھینچ رہے ہیں یوں تو میں خود کئی فلمیں ایک ساتھ بنا سکتا ہوں مگر یہ کیفیت بھی تو اچھی نہیں ہے آخر راجن سیٹھ کی بھی تو کوئی حیثیت ہے وہ تو

اس کو دیکھ کر آئے تھے راجیش تو راجن کا کارندہ تھا سیٹھ تو راجن ہی ہے اور آج تک ہے سب کچھ اس کے نام پر ہی چل رہا ہے زیادہ نہیں دو چار مہینے میرے ساتھ بمبئی میں گزارو سب کو پتہ چل جائے گا کہ راجن سیٹھ موجود ہے اور ان کے دل کو تسلی ہو جائے گی آج بھی تمہارے نام پر ہی فلمیں آ رہی ہیں اور چل رہی ہیں مجھے اب تک کسی نے نہیں کہا مگر اندازہ ہے وہ سمجھ رہے ہیں راجن سیٹھ راجن پروڈکشن میں نہیں ہے میں اس صورت حال کو تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔'' راجیش نے کہا۔

''تم درمیان کی مشکلات کو بھول رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''سب انتظام ہو جائے گا آپ صرف ہاں کرو۔'' وہ بولا۔

''میں تمہارا نقصان نہیں کرنا چاہتا میں تیار ہوں۔'' میں نے کہا۔

اس نے میرا انڈین پاسپورٹ بنوایا، اس میں نام راجن کا تھا اور کنول کے ساتھ میں بمبئی روانہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

بمبئی میں میری آمد کی خبر پھیل گئی۔ سیٹھ راجن بمبئی آ گئے اخبارات نے نمایاں خبریں لگائیں۔ فنانسروں اور فلمی دنیا کے لوگ ملاقات کو آنے لگے اور تاج ہوٹل کا کمرہ دن رات بھرا رہنے لگا۔ راجن فلم پروڈکشن کے دفتر کی رونقوں میں ایک دم اضافہ ہو گیا۔ جو فنانسر کنارہ کشی کا سوچ رہے تھے پھر آ گئے۔

''اب آپ بولو سیٹھ کیا کرنے کا ہے۔'' رستم جی بولے۔

''جو کرتے آئے ہیں وہی کریں گے۔'' راجیش نے کہا۔

''میں تو بولتا ہوں کوئی بڑا پروجیکٹ کرو، انڈیا میں جس کا نام ہو۔'' رستم جی نے رائے دی۔

''کریں گے سیٹھ ضرور کریں گے ابھی تو آیا ہوں پروگرام بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''فکر مت کرنا ہاں جتنا بڑا پروجیکٹ ہوں گا میں اکیلا کروں گا کسی اور کو بولنے کا نہیں ہے۔'' رستم جی بولے۔

اس کے جانے کے بعد راجیش نے کہا۔

''دیکھا جیجا جی یہ ہے آپ کے نام کی برکت۔''

''لگتا تو کچھ ایسے ہی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے پاس کئی کہانیاں پڑی ہیں ڈائریکٹر بھی موجود ہیں کیوں نا دو تین کا اعلان کر دوں اس سے لوگوں پر آپ کا اثر پڑے گا۔'' راجیش نے کہا۔

''ارے یار کرنا تو سب تم کو ہی ہے جو کرنا ہے ضرور کرو۔'' میں نے کہا۔

وہ ایک نئی ہیروئن آئی ہے ساؤتھ کی ہے وہاں کی کچھ فلمیں نامل میں کر چکی ہے ڈانسر اچھی ہے، ایک چکر میرے پاس لگا چکی ہے اب تم سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔''

''راجیش ان ہیروئنوں کے چکر میں مجھے نہ ڈالو۔ تم خود ہی ڈیل کر لیا کرو۔'' میں نے کہا۔

''حرج کیا ہے آخر۔'' وہ بولا۔

''حرج یہ ہے کہ وقت بہت آگے نکل گیا ہے بچے جوان ہو گئے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ارے گرو، گھوڑا اور مرد کبھی بوڑھے ہوئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''احساس بوڑھا کرتا ہے، آدمی اپنے احساس سے بوڑھا ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر تم میں تو زیادہ فرق نظر نہیں آتا۔'' وہ بولا۔

''مجھے تو احساس ہے کہ میرے بچے جوان ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اچھا خیر میں مجبور نہیں کرتا۔'' وہ بولا۔

''اور پارٹیوں میں بھی میں نہیں جاؤں گا کیونکہ یہاں کی پارٹیوں میں شراب ضرور ہوتی ہے اور وہی چیز میرے لئے نقصان کا باعث ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر پہلے تو تم ایسے نہ تھے گرو، اب کیا ہو گیا ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''میں وہی ہوں فرق صرف عمر کا ہے کچھ چیزیں سمجھ نہیں آتی تھیں اب عمر کے تجربے نے دور تک دیکھنا شروع کر دیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کوشش کروں گا وعدہ کرنا تو مشکل ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''کسی محفل میں کسی قسم کی تلخی ہو تو یہ تو اچھا نہ ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''اس کا ایک علاج ہے میں یہ مشہور کر دیتا ہوں کہ تمہارا پریس چل رہا ہے۔'' وہ بولا۔

''تم جو چاہو کرو میں منع نہیں کرتا۔'' میں نے کہا۔

کنول جانتی تھی میں اس کے ساتھ رہتا تھا، میں کمرے میں وقت پر نماز پڑھتا تھا اس کو یہ پتہ تھا مگر اس نے کبھی اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا۔

آر پی کے بڑے بڑے پروگرام آ رہے تھے میں دفتر میں تھا کہ ٹلنی آ گئی یہ وہی لڑکی تھی جس کا ذکر راجیش نے کیا تھا اس نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا اور کہا۔

''راجیش بابو کو تو میں کہہ کہہ کر تھک گئی آپ کے درشن ہی نہیں کرائے اس لئے خاموشی سے درشن کرا گئی، آپ کو برا تو نہیں لگا۔'' وہ بولی۔

''کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔'' وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔

''مجھ سے کیا کام ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ کے بڑے بڑے پروجیکٹ ہیں کسی میں اچھا کام مل جائے تو بمبئی میں ٹک جاؤں گی ورنہ مجھے واپس جانا ہوگا۔'' وہ بولی۔

''یہ کام راجیش کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ ان سے کہہ دیں تو اچھا ہوگا۔'' وہ بولی۔

''مجھے کیا اندازہ کہ تم کس قسم کے پارٹ اچھا کر لیتی ہو۔'' میں نے کہا۔

''میں کلاسیکل اور نیم کلاسیکل ڈانس کر لیتی ہوں ہندی بھی آتی ہے ایک موقع دیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا۔'' وہ بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے ٹلنی میں راجیش کو کہہ دوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''اب تم جاؤ۔''

وہ چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی جو شخص اندر آیا اس کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ وہ پروفیسر پنڈت تھا۔

اب ذرا زیادہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ چہرے پر جھریوں کا جال تھا مگر ہاتھ پیر کا تندرست تھا۔ ''مجھے تھا راجن تم ضرور آؤ گے مایا کے جال میں پھنسا ہوا کبھی نہیں نکلتا۔'' وہ بولا۔

''میں ہرگز نہیں آتا مجھے راجیش نے مجبور کر دیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تم کچھ بھی کہو، نہ میں مانوں گا نہ موہن لال مانے گا۔ بھگوان داس تو تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے چلے گئے مگر مجھے یقین ہے ان کی آتما قریب ہی ہوگی۔'' وہ بولا۔

''دیکھو پنڈت نہ وہ وقت ہے نہ میں، تم بھی آخری دور سے گزر رہے ہو، پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''تم بھول جاؤ، کیونکہ تم نے راجن کے نام کا خوب فائدہ اٹھا لیا ہے۔''

''راجیش بھول جائے گا کیونکہ اس نے کروڑوں کما لیا ہے مگر میں اور موہن لال تو نہیں بھول گے موہن لال کا لاکھوں ڈوب گیا میری ساری محنت برباد ہو گئی اور تم کہتے ہو، بھول جاؤں، تم ہو راجن نہیں تو یاد رکھو میں بھی پرانا پروفیسر نہیں ہوں اب کے تم وہ کرو گے جو میں تم سے کراؤں گا۔'' بولا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا۔

''تم کو راجن سیٹھ بناؤں گا اور گردھاری ٹرسٹ کی دولت میں برابر کا حصہ لوں گا بس، بھلا

کر لیا، تیار ہو جاؤ۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''اور اگر میں انکار کروں تو۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر تمہارا حشر بہت برا ہوگا اب میرے پاس بڑی شکتی ہے۔'' وہ بولا۔

''تو پھر میں کہوں گا تم پھر بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو گے۔'' میں نے کہا۔

''یہ وقت بتائے گا۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔'' میں نے کہا۔

پنڈت غصے میں اٹھ کر چلا گیا۔

مجھے اپنی پرانی کیفیت یاد آ گئی میں نے اس پر غور کیا، میں تو پہلے بھی ایسا نہ تھا جیسا کہ میں نے کیا تھا میری حالت میرے کنٹرول میں تھی میں کسی بھی عورت کو دیکھ کر بے چین ہو جایا کرتا تھا۔ میں نے زندگی میں کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اب میں خوب شراب پیتا تھا۔ اس وقت میں کتنا گر گیا تھا لوگ راجن کہتے تھے اور میں مخاطب ہوتا تھا۔ یہ ضرور کوئی اسرار تھا مجھے گراوٹ میں ڈالا گیا تھا۔ مجھے راجن بنانے کو مجھے عورت اور شراب پر ڈالا گیا تھا۔ یہ کام صرف اور صرف اس پروفیسر کا تھا۔ ان سب میں سب سے خطرناک آدمی ہے اس نے میرے اردگرد حسین دوشیزائیں، مونث صورتیں اور مرمریں بدن ہیجان انگیز قامتیں جو میرا ہاتھ تھامے میرے وجود کو تسخیر کرتی رہی ہیں، اسی پروفیسر کی طاغوتی قوتوں کا فریب تھا۔ وہ پھر اپنا آزمایا ہوا نسخہ مجھ پر آزمائے گا وہ پھر کوئی حسین وار کرے اور میرے وجود کو پلید کرنے کی کوشش کرے گا میں کیا کروں اس کا بچاؤ کس طرح کروں طاغوتی قوتوں سے دست گریباں ہونا آسان تو نہیں، میں کچھ فیصلہ نہ کر سکا وہ پھر دوسرے روز آ گیا آتے ہی بولا۔

''تو نے کیا سوچا ہے یاد رکھ اب کے تو بھاگ کر پاکستان نہیں جائے گا۔''

''دیکھو پنڈت اگر میری صورت اتفاق سے کسی مرے ہوئے آدمی سے ملتی جلتی ہے تو بتاؤ اس میں میرا کیا قصور ہے۔'' میں نے کہا۔

''تجھے کس نے کہا کہ تیری صورت راجن سے ملتی ہے۔'' وہ بولا۔

''موہن لال نے مرے ہوئے راجن کے فوٹو دکھائے تھے وہ ہو بہو میں ہی تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ کسی مرے ہوئے راجن کے فوٹو نہیں تھے وہ سب تیرے ہی فوٹو تھے۔'' پنڈت نے کہا۔

''میرے فوٹو ان کے پاس کہاں سے آ گئے اور اس میں تو شادی کا فوٹو بھی تھا۔'' میں نے کہا۔

''یہ بمبئی ہے، یہ فلم نگر ہے، یہاں پر ہیرو ایک کمرے میں ولن کو دس منزل بلڈنگ پر پہنچا دیتا ہے،

یہاں دوران شوٹنگ ہیرو مر جاتا ہے واقعی مر جاتا ہے اور فلم پھر بھی مکمل ہوتی ہے، یہ سب فوٹو گرافی کا کمال ہے، تیرے بمبئی میں آنے کے بعد فوٹو اتارے گئے ان کو اپنے کام کا بنایا گیا اور پھر تیرے سامنے رکھ دیا گیا۔ یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے تو راجن بن گیا مگر وہ DSP نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑا اور تجھے بھگا دیا۔"

"پروفیسر میں تم سے پوچھتا ہوں اس طرح کی حاصل کی ہوئی دولت تمہارے کسی کام آ سکتی ہے اور اگر آ سکتی ہے تو کتنے روز تمہاری زندگی کی آخری ریل چلے گی کسی وقت بھی زندگی کی فلم ختم ہو لے کی گھنٹی بج سکتی ہے کسی وقت بھی اب نہ تمہارے پاس وقت ہے نا میرے پاس ہے تو کیوں نا آخری دور کونسکی کے راستہ پر چلا کر آخری منزل پر پہنچیں۔" میں نے اپنی بات ختم کی تو پنڈت چند منٹ بڑے غور سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں جانتا ہوں تو مجھے دوسری طرف لگا کر اپنا بچاؤ کر رہا ہے مگر میں تیری باتوں میں آنے والا نہیں ہوں میں وہی کروں گا جو کرنا ہے۔"

"تم پر مایا کا بھوت سوار ہے وہ اترنے والا نہیں ہے۔ مگر یاد رکھ پنڈت وہ مایا نہ تیرے کام آئے گی اور نہ موہن لال کے کام آئے گی۔" میں نے کہا۔

"یہ سوچنا تیرا نہیں میرا کام ہے۔" وہ بولا۔

"دیکھو پنڈت جس مایا کو تم اتنے چھل فریب سے حاصل کرو گے اگر وہ مل بھی گئی تو تم پاگل خوشی کے مارے پرلوک سدھار جاؤ گے اس محنت کا پھل تم تو نہیں کھاؤ گے ساتھ لے کر جا نہیں سکتے پھر بتاؤ جو چیز تمہارے کام نہیں آ رہی ساتھ نہیں جا رہی پھر اس سے اتنا زیادہ پریم کیوں بڑھا رہے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"مجھے دوسرے راستے پر مت ڈال اور اونچے سروں میں مت بول۔" پنڈت نے بڑے سرد لہجے میں بھاری آواز سے کہا۔

"تو میری شکتی کو نہیں جانتا تیری حیثیت میرے آگے کیڑے سے زیادہ نہیں ہے۔ تو سانس اس لئے لے رہا ہے کہ تجھ سے کام پڑ گیا ہے۔ ورنہ جس دم تو نے بمبئی میں قدم رکھا تھا اس وقت ہی تیرا کام ہو جاتا میری بات گرہ میں باندھ لے تجھے وہ کرنا ہے جو میں کہوں گا تجھے پتہ نہیں کالی اور مہاراج کے سیوک کتنے مہان ہوتے ہیں۔ تو ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے اور وقت برباد نہیں کیا ہے سیوا کی ہے اس سیوا کے بدلے میوہ مجھے ملی ہے۔ کسی کے بھی گھمنڈ میں نہ رہا ہو گا وہ جو میں کروں گا۔" وہ چلا گیا اس نے میری طرف دیکھا مجھے لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ میری بات ا

رکھنا۔

میرے پاس کیا تھا وہ طاغوتی طاقت بن چکا تھا۔ میں کیا کروں اس کا مقابلہ کس طرح کروں میرے پاس صرف میرا مذہب اور میرا عقیدہ ہی تھا۔ انسان کسی مذہب کسی عقیدے کا ہو اور کتنا ہی گناہ گار ہو دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کو خدا سے مدد طلب کرنے سے روک سکے میں تو ایک مسلمان ہوں اور خدائے واحد کا پرستار ہوں۔ اگرچہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں ایک اچھا پرستار نہیں مگر اس سے کوئی فرق میرے عقیدے میں نہیں پڑتا۔ پھر بھی مجھے پکا یقین ہے خدا کی رحمت کاملہ سے مجھے وہ قوت عطا کی جائے گی جس کے ذریعہ میں پنڈت جیسے شیطان پر فتح حاصل کر لوں گا۔ انشاء اللہ۔ میرے اندر اعتماد نے پوری طرح سر اٹھا لیا نئی طاقت مجھے ملتی محسوس ہوئی۔ پنڈت میرے پاس اس وقت آتا تھا کہ اس کو راجیش نے کبھی آتے نہیں دیکھا اور میں نے بھی اس کا ذکر اس سے نہیں کیا۔

کنول سے کچھ بات کرنا ضروری تھا۔ ناشتہ کے بعد میں نے کہا۔ "تم کو پتہ ہے میرے لئے پھر وہی حالات پیدا کئے جا رہے ہیں جو پہلے تھے۔"

"میں نہیں سمجھی۔" وہ بولی۔

"پنڈت پروفیسر میرے پاس آیا تھا بلکہ کئی بار آ چکا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا کہتا ہے۔" وہ بولی۔

"تو راجن ہے تجھے راجن کی دولت حاصل کرنا ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ راجن کا معاملہ تو اتنا عرصہ گزر گیا ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ پھر سے کیوں اٹھا رہا ہے۔"

"ہوس انسان کو جانور بنا دیتی ہے میں نے اس کو ہر طرح سے قائل کرنے کی کوشش کی مگر اس کے سر پر تو راجن کی مایا کا بھوت سوار ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے پتہ ہے پہلے یہ پلان بنایا گیا تھا اس میں باپو اور راجیش بھی شامل تھے اس کے فنانسر باپو اور موہن لال تھے اور ماسٹر مائنڈ ڈائریکٹر پروفیسر پنڈت تھے۔ مگر اب کون فنانس کرے گا عدالتی کارروائی پر کون خرچ کرے گا پہلے تو ایک فضا قائم ہو گئی تھی اس میں راجیش کا بہت بڑا ہاتھ تھا مگر تمہارے جانے کے بعد مجھے یہ سب پتہ چلا تھا میں نے راجیش کو بہت برا بھلا کہا تھا اور انہوں نے پنڈت کو بھگا دیا تھا اس کے بعد راجیش نے تمہارے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ وہ تمہارے کردار سے متاثر ہو گیا تھا۔ پنڈت بھی بمبئی سے چلا گیا تھا۔" وہ بولی۔

وہ کسی بات کو بھولا نہیں تھا اس کے اندر میرے خلاف آگ بھری ہوئی ہے۔ اس نے طاغوتی اور پراسرار طاقتوں کا سہارا لے لیا ہے۔ وہ اپنے پراسرار علوم سے مجھے زیر کرنا چاہتا ہے اس نے صاف

لفظوں میں مجھے کہہ دیا ہے کہ اب میں اس کے نیچے سے نکل نہیں سکوں گا اور وہ بھاگنے بھی نہیں دے گا مگر اس کے باوجود اس سے میں خوف زدہ نہیں ہوں۔

''میں صرف تمہاری وجہ سے پریشان ہوں میں اگر کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤں تو تم مجھ سے دور رہنا اور بچوں کو بھی دور رکھنا یہ میری جنگ ہے، میں ہی لڑوں گا، میری حالت جو کچھ ہو، تم وعدہ کرو بچوں کو اور خود دور رہو گی۔'' میں نے کہا۔

''مگر یہ کس طرح ہوگا، نہ میں دور رہ سکتی ہوں، نہ بچوں کو منع کر سکتی ہوں۔'' کنول نے کہا۔

''کچھ کام مشکل نظر آتے ہیں کرنے جاؤ تو ہو جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''دنیا والے مجھے بے حس نہیں کہیں گے بچوں کو طعنے نہیں دیں گے۔'' وہ بولی۔

''ہوگا ایسا ہی ہوگا مگر یہی امتحان ہے برداشت کرنا۔'' میں نے کہا۔

''تم نے خود سے یہ اندازہ لگا لئے ہیں۔'' کنول نے پوچھا۔

''مجھے اندازہ ہے اور آثار بھی ہیں غور سے سن لو میں اپنی جنگ خود لڑوں گا اپنے پیاروں کو اس کا ایندھن نہیں بناؤں گا اور انشاء اللہ خود اس جنگ کو جیت لوں گا۔''

میں فجر کی نماز گھر پر ہی پڑھتا تھا۔ اب میں نے یہ کیا کہ نماز کے بعد ایک سو دفعہ آیت الکرسی پڑھنا شروع کر دیا اور ہر وقت وضو سے رہنے لگا اگر کسی وجہ سے وضو خراب ہوتا تو پھر وضو کر لیا کرتا۔ یہ کرنے سے مجھے قلبی طور پر بڑا سکون تھا پنڈت کے طاغوتی حربے مجھے خوف زدہ نہیں کرتے تھے۔ تین دن کے بعد وہ آ گیا۔ اور بولا۔

''تجھے میرے ساتھ عدالت جانا ہے تجھے اقرار کرنا ہے کہ تو راجن ہے وہی راجن جو مر چکا تھا اور پھر پیدا ہوا ہے ابھی صرف اتنا ہی کرنا ہے ثبوت کے طور پر تیرے فوٹو اور کاغذات موہن لال عدالت کو پیش کرے گا باقی کام میں خود کروں گا۔''

''کب جانا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ابھی گیارہ بجے عدالت میں پیش ہونا ہے۔'' وہ بولا۔

میں نے کہا۔ ''چلو میں تیار ہوں۔''

وہ ذرا حیران ہوا اور بولا۔ ''آج تو رام بڑے سیدھے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں تم ضدی آدمی ہو مانو گے تو نہیں۔'' میں نے کہا۔

''کہنے میں چلے گا تو فائدہ تو تیرا ہی ہوگا سب تو نہیں کھا جائیں گے۔'' وہ بولا۔

''تم سب کھا جاؤ مجھے ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا اٹھ ورنہ تیرا اپریشن شروع ہو جائے گا۔''

اور میری گاڑی میں عدالت کو روانہ ہوئے۔

موہن لال ہمارا منتظر تھا بولا۔ ''آؤ راجن سیٹھ۔''

''خیال رکھنا تم راجن کے بارے میں ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔ میں نے تم کو سب کچھ بتا دیا ہے اور کنول کو چاندنی ہی بتانا۔ یہ پہلا مرحلہ ہے اگر اس کو خیر خوبی پار کر لیا تو پھر آگے زیادہ مشکل نہیں ہوگی۔''

میں نے گردن ہلا کر اقرار کیا۔ کچھ دیر میں میری آواز آئی اور میں جج کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پنڈت اور موہن لال سامنے کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ موہن لال نے پورا انتظام کیا تھا کچھ اخباری رپورٹر بھی کیمرے لئے تیار تھے اور نہ جانے کون کون تھا سب کو موہن لال نے بلایا تھا وہ پھر سے وہی فضا بنانا چاہتا تھا۔

میں جج کے سامنے کھڑا تھا۔ جج نے پوچھا۔ ''تمہارا نام۔''

''میرا نام، کون سا نام، بتاؤں۔'' میں نے پوچھا۔

جج نے منہ بنا کر کہا۔ ''انسان کا صرف ایک نام ہوتا ہے۔''

''مگر میرا نام ایک نہیں ہے ہر آدمی نے اپنے مطلب کی خاطر میرا نام رکھا ہوا ہے اس لئے پوچھ رہا ہوں جج صاحب آپ برا نہ مانیں۔'' میں نے کہا۔

''تم وہ نام بتاؤ جو تمہارے ماں باپ نے رکھا تھا۔'' جج نے کہا۔

''میرے ماں باپ نے میرا نام حیدر علی رکھا تھا۔''

''باپ کا نام کیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''منصب علی۔''

''پیدائش۔''

''سلطان پور بھارت۔''

''تم پاکستان سے ایک دفعہ پہلے بھی بھارت آئے تھے۔'' جج نے پوچھا۔

''آیا تھا۔'' میں نے اقرار کیا۔ ''اور ویزا کی میعاد ختم ہونے پر بھی قیام کیا تھا۔''

''جی ہاں۔'' میں نے کہا۔

''یہاں پر تم نے ایک فلم کمپنی قائم کی تھی۔''

''جی ہاں کی تھی۔'' میں نے کہا۔

''پھر تم کو نکال دیا گیا تم بھارت سے چلے گئے۔''

''بالکل ٹھیک میں پاکستانی تھا پاکستان چلا گیا۔''

''تمہاری فلم کمپنی برابر چلتی رہی اس کی کیا وجہ تھی۔'' جج نے پوچھا۔

''اس کی وجہ میرا سالہ راجیش ہے وہی اس کمپنی کو چلاتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تم حیدر علی سے ایک دم راجن بن گئے تھے تم راجن کو جانتے ہو وہ کون تھا؟''

''نہیں میں نہیں جانتا تھا مگر موہن لال اور بھگوان داس ضرور جانتے تھے وہ راجن کے دولت کے بارے میں بھی جانتے تھے، میں بمبئی آیا تو ان کے ذہن میں یہ پلان آیا کہ مجھے راجن بنایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کسی طرح میرے فوٹو بنائے اور مجھے قائل کرنے کی کوشش کی کہ میں ہی راجن ہوں، اخبارات نے بھی ان کی مدد کی میرے دماغ میں ہر وقت یہ بھرا گیا کہ میں راجن ہوں میرے دماغ کو ماؤف کرنے میں پروفیسر پنڈت جو اس وقت عدالت میں موجود ہیں نے بڑا کردار ادا کیا ہے میں خود سے راجن بننے نہیں آیا تھا۔ میں ایک لڑکی کنول جو کراچی میں اپنے ماں باپ سے بچھڑ گئی تھی اس کو پہنچانے آیا تھا۔ مگر وہ اور میں قریب آ گئے اور ہم دونوں نے سول میرج دلی کورٹ میں کرلی۔ مگر مجھے واپس کراچی جانا پڑا راجن پروڈکشن کو راجیش نے چلایا جو کچھ اس نے کمایا یہ اس کی محنت تھی میرا اس میں کوئی کریڈٹ ہے نہ حصہ۔''

''پھر تم دوبارہ پاکستان سے بمبئی کیوں آ گئے؟'' جج نے پوچھا۔

''میں لندن میں رہتا ہوں، وہیں پر راجن پروڈکشن کے کاروبار کی نگرانی کرتا ہوں میں وہیں سے آیا ہوں میرا ارادہ یہاں رہنے کا نہیں ہے نہ میں رہنا چاہتا ہوں۔ مگر موہن لال اور پنڈت پروفیسر نے پھر مجھے راجن بنانے اور راجن کی دولت ہتھیانے کا پروگرام بنالیا ہے جو فوٹو انہوں نے پیش کئے ہیں ثبوت کے طور پر ان کو کسی ایکسپرٹ سے چیک کرایا جائے وہ سارے ثبوت جعلی ہیں میں راجن نہیں ہوں، میں حیدر علی ہوں میں نے کراچی سے ایل ایل بی کیا ہے۔ میرے بیان کو بھی چیک کیا جائے بس می لارڈ مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔''

یہ بیان کیا تھا ایک بم تھا جو موہن لال اور پنڈت پر گرا تھا۔ اپنے بیان کے دوران میں نے صرف جج کی طرف دیکھا میں جانتا تھا پنڈت کیا کرسکتا ہے، موہن لال جی تو ایسے بیٹھے کہ وہیں پر انہوں نے گردن ڈال دی، میرے بیان نے ان کی ساری ساکھ مٹی میں ملادی۔ ان کو اسپتال لے جایا گیا مگر ان کا وقت آ گیا تھا۔ پنڈت کو بھی عدالت کے حکم پر حراست میں لے لیا گیا۔

اخبارات جو خبر لینے آئے تھے اس سے زیادہ زوردار خبر ان کو مل گئی۔ موہن لال کے دل کے دورے کی بھی سب نے الگ الگ کہانیاں بیان کیں۔ مجھے پابند کیا گیا کہ میں بمبئی سے باہر نہیں

جاؤں گا۔

شام کو کنول نے کہا۔ ''تم نے تو حیرت انگیز بیان دے ڈالا۔''

''یہ سچائی تھی میں نے صرف اس کو بیان کیا ہے تم خود سوچو غور کرو میں نے جو کچھ کہا ہے کیا وہی میرے ساتھ نہیں ہوا ہے۔ میں نے کب راجن ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ میں نے کب اس کی دولت کو حاصل کرنا چاہا تھا۔ مجھ سے تو کروایا جارہا تھا میں کب تک ان کا پردہ رکھوں ان کے جھوٹ مکر فریب کو چھپاؤں میں بھی گناہ گار بنوں اور اپنے ضمیر کا مجرم بنوں عدالت میں میں نہیں میرا ضمیر بولا تھا۔ جب ضمیر بولتا ہے تو سچ ہی بولتا ہے۔ میں نہ عدالت سے، قانون سے ڈرتا ہوں نہ پنڈت کی طاغوتی اور پراسرار طاقت سے خوف زدہ ہوں۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ ہوگا اس ہونے کو میں نہیں روک سکتا میں نے اسی لئے تم کو کہا تھا کہ یہ جنگ میری ہے میں اس کو لڑوں گا۔ تم یا میری کوئی اولاد اس میں دخل نہیں دے گی۔'' میں نے کہا۔

''تم کو ہم سب اکیلا چھوڑ دیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' کنول نے کہا۔

''انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اکیلا ہوتا ہے اور جب جاتا ہے تو بھی اکیلا ہوتا ہے۔ قبر میں بھی اکیلا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کا کوئی ہمدرد نہیں ہوتا اس کا کردار اور نیک اعمال ہی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں صبر کر کے خاموش بیٹھ جاؤں گی مگر تمہارے بیٹے، میں ان کو کس طرح روکوں گی۔'' کنول بولی۔

''میرے کیس کو اور بمبئی کے حالات کو بمبئی تک رکھنا ہے راجیش کو بھی منع کر دینا۔'' میں نے کہا۔

پنڈت کی ضمانت ہوگئی مگر کیس کی نوعیت بدل گئی تھی موہن لال تو اس بدلتی نوعیت کو برداشت نہ کر سکے مگر پنڈت تو ایک ڈھیٹ آدمی تھا۔ اس کے سامنے سے کھانا کھینچ لیا گیا وہ تو بھوکا بلبلا رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی میں نے فون اٹھایا تو پنڈت کی خوفناک آواز آئی۔ ''اب تیرا وقت قریب ہے۔'' وہ بولا۔

''تو میرا وقت قریب نہیں لائے گا جس نے پیدا کیا ہے وہی لاسکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں مار نہیں سکتا مگر کتا گھسیٹی تو کرسکتا ہوں۔ تو موت طلب کرے گا مگر نہیں ملے گی۔ تو زندگی مانگے گا نہیں ملے گی۔'' وہ غصے میں بولا۔

''تو بڑی شکتی کا مالک ہے بول ہے نا۔'' میں نے کہا۔

''تیرا شک بھی دور کردوں گا۔'' وہ بولا۔

''تو پھر تو نے مجھے عدالت میں روک کیوں نہ لیا۔'' میں نے کہا۔

''تو ایک دفعہ بھی میری طرف دیکھ لیتا تو میں روک لیتا۔'' وہ بولا۔

''تو پھر تیرا علم ابھی کچا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ تو تجھے میں بتاؤں گا۔'' وہ بولا۔ اور اس نے فون بند کر دیا۔

رات کا پتہ نہیں کیا بجا تھا۔ پورے گھر میں سناٹا تھا۔ میرے کمرے میں دوسرے پلنگ پر کنول سو رہی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ مجھے کسی نے پکڑ کر اٹھایا تھا۔ میں نے کمرے کے چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے کنول کو آواز دینا چاہی مگر میری آواز گلے کے اندر ہی گھٹ کر رہ گئی۔ مجھے لگا جیسے کمرے کی ساری بتیاں بند ہو گئی ہوں پھر میرا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا جب میری آنکھ کھلی تو میں کسی ویران جگہ پر تھا۔ دور دور ریت کے ٹیلے سر ابھارے نظر آتے تھے کسی کسی پر کوئی جھاڑی بھی تھی۔ دور دور کوئی بڑا درخت نہ تھا، ابھی دھوپ تیز نہیں ہوئی تھی، مگر آہستہ آہستہ سورج اوپر آ رہا تھا اور دھوپ میں تیزی ہوتی جا رہی تھی، مجھے احساس تھا کہ آنے والے چند گھنٹے میرے لئے کتنے مشکلات پیدا کریں گے میں اٹھ کر کھڑا ہوا، سمت کا اندازہ تو کچھ تھا نہیں مگر میں نے سورج سے اندازہ قائم کیا اور زمین پر بیٹھ کر تیمم کر کے نماز پڑھنے لگا۔ نماز کے بعد میں مغرب کی طرف ہی چل پڑا ایک چھوٹی سی پتھر کی ٹیکری نظر آ گئی میں اس کی ایک فٹ کے سائے میں بیٹھ گیا۔

''تو پنڈت نے آغاز کر دیا۔'' میں نے سوچا۔ پتہ نہیں یہ کون سی جگہ ہے۔ لگتا تو ریگستان ہی ہے مگر کون سا ریگستان ہے، پاکستان میں ہے کہ ہندوستان میں۔ گرمی کی شدت میں اضافہ ہوا اور حلق میں کانٹے پڑنے لگے، دور دور ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ دوپہر ہو گئی پیاس کے ساتھ ساتھ اب پیٹ میں بھوک سے مروڑ ہو رہی تھی۔ کھانے اور پانی کی اہمیت کو کوئی بھوکا اور پیاسا ہی سمجھ سکتا ہے، دنیا کی سب سے قیمتی اور اچھی چیز کھانے کی قدر و قیمت اور لذت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بھوکے کے سامنے سونا اور جواہرات رکھ دو حکومت رکھ دو اور ان کے مقابلے پر ایک روٹی اور ایک گلاس پانی رکھو اور بھوکے سے پوچھو بول تجھے کیا چاہئے تو وہ جھپٹ کر روٹی اٹھا لے گا۔

پورا دن گزر گیا دھوپ کی شدت میں کمی ہوتی گئی اور پھر سورج جانے کی تیاری کرنے لگا اور میں نے اٹھ کر پھر تیمم کیا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ میرے پیر کمزوری سے ہل رہے تھے ذہن پر دھندسی چھائی تھی۔ مگر میں نے نماز پوری پڑھ لی اور ٹیکری کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ کہتے ہیں ریگستان کی راتیں بڑی پراسرار مگر بہت دلکش اور رومان انگیز ہوتی ہیں۔ دل پر پرلطف اور نشاط انگیز کیفیت طاری کر دیتی

ہیں انسان پر مستی طاری ہو جاتی ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ دنیا بری جگہ نہیں ہے میرے نظروں کے سامنے ریت کا دریا تھا دور دور کسی چرند پرند کا نام نشان نہ تھا۔ آسمان پر بھی اب کوئی پرندہ نہ تھا۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا اس لئے اندھیرا ہو گیا تھا۔

کچھ اور وقت گزرا، ہوا میں خنکی کے آثار پیدا ہو گئے اور آسمان پر چاند نظر آنے لگا اور ریگستان پر چاندنی برسنے لگی خواب آلود خاموشی میں مجھے یوں لگا جیسے کوئی آ رہا ہے۔ میں نے آنکھیں پوری طرح کھول کر چاروں طرف دیکھا مگر دور دور کوئی نہ تھا۔ میں پھر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ ٹیکری کے طرف سے کسی کے چلنے کی مدھم آواز آئی میں نے اس طرف نہیں دیکھا کیونکہ میں تو یہ سب کارستانی اپنے وہم کی سمجھ رہا تھا۔

ٹیکری سے گھوم کر وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ میں نے چاند کی روشنی میں اسے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔ وہ میرے قریب بیٹھ گیا اور بولا۔

''مجھے جانتے ہو۔'' میں نے نفی میں گردن ہلائی۔

''تم کو بمبئی سے کس نے بھگایا تھا۔'' وہ بولا۔

''میں نے غور سے اس کو دیکھا اور کہا۔'' ہاں تم وہی DSP ہو۔''

''بار بار غلطی کر رہا ہے۔'' وہ بولا۔

''میں کیا کروں وقت مجھ سے کیا چاہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تجھے پتہ ہے تجھے یہاں کیوں ڈالا ہے؟'' وہ بولا۔

''نہیں مجھے پتہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تیری پاکی کا دشمن ہے وہ۔ تو نے اس کو پاکی سے تنگ کیا ہے۔ میرا اختیار اتنا ہے کہ میں تجھے تیری غذا پہنچا دوں۔ لے روٹی اور یہ بوتل پانی، میں کل پھر آؤں گا۔'' اور وہ چلا گیا۔ میں نے روٹی نکالی اور کھانے لگا۔ آج اس خمیری روٹی اور اچار میں مجھے جو ذائقہ ملا وہ تاج محل ہوٹل کے کھانے میں کبھی نہیں آیا تھا تھوڑا سا پانی پیا اور بوتل کو سنبھال کر رکھ لیا۔ پیٹ میں روٹی آ گئی اور حلق بھی خشک نہیں رہا تو چاندنی حسین نظر آنے لگی۔ مگر کچھ ہی دیر میں طبیعت بے زار ہو گئی اس ہولناک سناٹے کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں سے اس ویرانے میں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا پھر مجھے ایسا لگا جیسے گہری دھند میری طرف بڑھ رہی ہے چاندنی ہلکی ہوتی جا رہی ہے اور یہ سب اتنی تیزی میں ہوا کہ میری وحشت اور اضطراب میں بہت اضافہ ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس دھند سے نکل کر کدھر جاؤں۔ میں نے پانی کی بوتل ریت میں دبا دی تھی اور روٹی کھا گیا تھا۔

چند منٹ بعد پنڈت میرے سامنے تھا۔ آتے ہی بولا۔ ''کیسا بے وقوف آدمی ہے تو، ارے تجھے ہم بہت بڑا اسیٹھ بنا رہے تھے اور تو یہاں پڑا ہے بھوکا پیاسا مگر ہے جیوت بڑا ہی ڈھیٹ ہے۔'' میں اس کی شکل دیکھ کر اور انداز گفتگو دیکھ کر سراسیمہ ہو گیا تھا میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ پھر بولا۔

''ارے پاپی اب بھی میری شکتی کی حقیقت کو تسلیم کر لے اب بھی سب کچھ نہیں بگڑا میں سنبھال لوں گا جو حقیقت تسلیم نہیں کرتے وہ سدا دھوکا کھاتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہ تو ابتدا ہے آگے بڑی گھٹنائیاں منہ کھولے کھڑی ہیں۔''

میں خاموش رہا تو وہ بولا۔

''ارے کیا بہرہ ہو گیا ہے۔ بول کیا مرضی ہے۔''

''تو جو کر سکتا ہے کر مجھ سے کسی تعاون کی امید نہیں رکھنا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں رکھوں گا مگر تجھے بھی اتنا رسوا کر دوں گا کہ دنیا میں نہیں رہنا چاہے گا۔'' وہ بولا۔

''میرا نام پھر بھی چلے گا۔'' میں نے کہا۔

''نام چلے گا ارے کتنے دن چلے گا خود بخود ختم ہو جائے گا۔'' وہ بولا۔

''تجھے اپنے بارے میں غلط فہمی ہے، جانا تو تجھے بھی پڑے گا تو جو کچھ کر رہا ہے اس کا حساب ہو گا، تیرے پاس کچھ ہے جو تیرا کچھ بچاؤ کر سکے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے ہزاروں سال اپنے رہنے کا بندوبست کر لیا ہے تو نہیں جانتا۔ میں مر کر بھی نہیں مروں گا چنتا مت کر، اپنی فکر کر تجھے اس نرکھ سے کون بچائے گا؟'' وہ بولا۔

''میرا خدا مجھے بچائے گا۔'' میں نے یقین سے کہا اور پنڈت فوراً چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے بوتل نکالی اور پانی پی لیا۔ دونوں ضرورتیں پوری ہو گئی تھیں، اب نہ بھوک تھی اور نہ ہی پیاس تھی، میں لیٹ گیا اور گہری نیند سو گیا۔ ایسی نیند تو شاید میں کبھی اپنے بستر پر بھی نہیں سویا تھا۔ انسانی زندگی کے لئے کھانے، پینے کے ساتھ ساتھ نیند بھی بہت ہی ضروری ہے۔ یہ سارے غم پریشانی اور تھکن سے نجات دلا دیتی ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اللہ سے نیند مانگو، بستر نہ مانگو، میں بھی بے بستر بڑے سکون سے رات بھر سوتا رہا۔

آنکھ کھلی تو رات نہیں تھی مگر دھوپ بھی نہیں تھی۔ آسمان پر پرندوں کے غول کے غول ایک طرف کو جا رہے تھے، پرندے اپنی خوراک کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔ ان کے ٹھکانے کہاں تھے، مجھے پتہ نہیں تھا اور ان کو کتنی دور اپنا دانہ دنکا ملتا ہے یہ بھی میں نہیں جانتا، کوئی پرندہ صحرا میں نہیں اتر رہا تھا

یہاں تو صرف ریت تھی، تیز ہوا اور بگولے تھے۔ سائیں سائیں کرتی تیز ہوا تنہائی کو اور خوفناک بنا رہی تھی، رات گزر گئی مگر پہاڑ سا دن باقی تھا، سورج آہستہ آہستہ اپنے جوبن پر آ رہا تھا۔ یہی ہوتا آ رہا ہے۔ صدیوں سے وقت کی گردش جاری و ساری ہے۔ اندھیرے اور اجالے کی آمد و رفت ایک میکانیکی عمل ہے، روز صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے اور پرندے اپنا پیٹ بھرنے کے بعد پھر صحرا کے اوپر سے گزریں گے اور اپنے اپنے گھونسلوں میں چلے جائیں گے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ میں زمین کے کس خطے پر ہوں۔ میرے اندر ایک خوفناک احساس پیدا ہوا اگر میں اس صحرا میں مر گیا تو.....؟ دنیا مرتی ہے اگر میں مرا تو کیا ہوا؟ میں نے خود ہی جواب دے دیا۔ میرے اندر ایک بے چینی سی ضرور تھی، شاید نو بجے ہیں۔ یہ وقت میرے دفتر جانے کا ہے، کنول اٹھ گئی ہو گی وہ مجھے تلاش کرتی ہو گی اس پر میرے غائب ہونے سے کیا گزر گئی ہو گی۔

میں کبھی کسی جگہ نہیں رہا، بچپن میں جھگی میں ضرور رہا ہوں مگر اس کی بھی چار دیواری تو تھی، بے شک وہ چٹائی کی تھی، بڑی کمزور سی اور چھت بھی ایسی ہی تھی صرف ایک پردہ سا تھا، نہ وہ بارش میں کام کا پردہ تھا نہ تیز ہوا کو برداشت کر سکتا تھا مگر ایک ڈھارس ضرور تھی۔

آج میں کتنا بے بس تھا دور دور تک کسی کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہاں پر صرف ریت تھی۔ بیابان صحرا اگر کچھ درخت ہوتے تو پھر سر چھپانے کا کچھ ہو سکتا تھا مگر یہاں تو صرف دھوپ اور ریت ہی تھی آگے تو بڑھنا چاہئے، شاید کچھ بہتر جگہ نظر آ جائے، میں نے سوچا اور آگے چل پڑا، پانی کی بوتل میرے پاس تھی اب وہ خالی ہو چکی تھی مگر میں نے اس کو پھینکا نہیں اس لئے کہ شاید کہیں پانی نظر آ جائے تو پھر یہ بوتل کام آئے گی۔ ایک معمولی بوتل بڑی اہمیت اختیار کر گئی تھی۔ میں آگے چل پڑا۔ کپڑے میلے ہو رہے تھے داڑھی بھی بڑھ رہی تھی مجھے احساس تھا اپنی بدلتی حالت کا مگر ایک ڈھارس ایک امید ضرور تھی کہ میں بے سہارا نہیں ہوں۔ میری بھی نگرانی ہو رہی ہے۔ اکیلا نہیں چھوڑا گیا۔ میں اور آگے بڑھ گیا۔ پتہ نہیں میں کس سمت کو جا رہا ہوں کہیں صحرا کے اور اندر تو نہیں جا رہا میرے اندر وہم شک و خوف تو تھا۔ شاید میری قوت ارادی متاثر ہو رہی تھی حالانکہ یہ ایک فطری عمل تھا مگر مجھے اس پر حیرت ضرور ہو رہی تھی۔ مجھے اپنے فیصلے پر شک شبہ ہو رہا تھا کہ شاید میں غلطی تو نہیں کر رہا۔ پھر ایک قوی خیال میرے دل میں ابھرا، اگر میں غلطی کروں گا تو بھی، اور نہ کروں گا تو بھی، پنڈت مجھے معاف تو نہیں کرے گا یہ ریگستان اتنا چھوٹا تو نہیں لگتا کہ میں اس کو پار کر جاؤں۔ لیکن بہتر جگہ کی تلاش کی کوشش تو میں کر سکتا ہوں۔ میں نے پھر آگے قدم بڑھا دیئے، میرے سامنے ایک ٹیلا سا تھا، میں اس پر چڑھ گیا، ٹیلے کے دوسری طرف ریت نہیں تھی۔ ہوا مغرب مشرق چل رہی

تھی، میرا رخ مشرق کی طرف تھا۔ میں ٹیلے کے دوسری طرف اتر گیا۔

وہ شاید کوئی بڑا پتھر تھا جس کو میں ٹیلا سمجھ رہا تھا۔ جس نے ریت کو مشرق کی طرف آنے سے روک رکھا تھا اور سورج ابھی پوری طرح اوپر نہیں آیا تھا۔ یہاں پر دھوپ تھی۔ میں نے اندازہ کرلیا یہاں پر سایہ ہوگا اور میں وہیں پر بیٹھ گیا۔ بوتل میرے ساتھ تھی یہی سرمایہ رہ گیا تھا۔ ابھی ہوا زیادہ گرم نہ تھی۔ میں نے پتھر کا سہارا لے رکھا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

''اوہو! راج کمار جی آرام کررہے ہیں۔'' پنڈت کی آواز پر میں نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ میرے سامنے کھڑا تھا مگر وہ پنڈت پروفیسر نہیں تھا۔ شکل وہی تھی مگر وہ تو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی تھا اس کی زبان بڑی میٹھی تھی اور قرینے سے گفتگو کرتا تھا، یہ کون ہے؟ جو پنڈت کی شکل استعمال کررہا ہے۔

''کیا ٹکر ٹکر دیکھے جارہا ہے؟ زبان تو ہلا لے۔'' وہ بولا۔

''میں دیکھ رہا ہوں بنارس کا وہ پروفیسر جو بچوں کو درس دیتا تھا جس کی زبان شائستہ اور میٹھی تھی وہ کہاں گیا اور تو کون ہے؟ جو اس کا چہرہ استعمال کررہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں وہی ہوں تو نے مجھے ایسا بنایا ہے۔ اگر تو میری مان جاتا تو میں کاہے یہ سب کرتا۔ تو ہی اس منٹے کی جڑ ہے۔ اور پھر پوچھتا بھی ہے۔'' وہ بولا۔

''تو میرے لئے ایک نیا آدمی ہے، میں تجھے نہیں جانتا۔'' میں نے کہا۔

''تیرا جاننا ضروری بھی نہیں ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے مجھے پتہ نہیں کہ تجھے روٹی، پانی کوئی پہنچا رہا ہے مگر کب تک وہ ایسا کرے گا یہ جیل ایسی ہے جس کی چار دیواری نہیں ہے، کوئی پہرے دار بھی نہیں ہے، کھلا آسمان ہے، کوئی سزا دینے والا بھی نہیں اور تو آزاد بھی نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''تیرا مقصد تو پھر بھی ادھورا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو بڑا کم عقل آدمی ہے، زندگی اتنی بے رحم نہیں جتنی تو نے اس کو بنالیا ہے۔ تو اگر چاہے تو تیری زندگی پھر بدل سکتی ہے، تیرے خاندان کو بہت بڑا اسٹھان مل سکتا ہے، مگر تو مایوسیوں کے اندھیرے میں پڑا ہے، لگتا ہے تیری زندگی کی کہانی یہاں ہی پوری ہوگی۔'' وہ بولا۔

''اگر ایسا لکھا گیا ہے تو مجھے منظور ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو سن! ایسا بھی اتنی آسانی سے نہیں ہوگا جتنی آسانی سے تو کہہ رہا ہے۔ تیری آتما قید ہے، تو اس ریگستان میں بند ہے نہ تیری آتما آزاد ہوگی نہ تو، وہ DSP تجھ پر رحم کررہا ہے، میں نے آنکھیں بند کررکھی ہیں، تجھے زندہ بھی تو رکھنا ہے تو نے تاج محل ہوٹل کے کمرے میں بڑے عیش کئے

ہیں، بڑے بڑے شہروں کا مزا لوٹا ہے ذرا اس ویرانے کا بھی تو مزا لے، ابھی کیا ہے آگے اور مزے ہیں۔'' اور پنڈت چلا گیا۔

انسان کے سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تو بھی ایک سہارا باقی رہتا ہے اور وہ سہارا اس قادر مطلق کا ہے جسے رب کائنات کہتے ہیں۔ اس کا سہارا ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اس کو یاد کرنے کے اس سے مدد مانگنے کے بہت طریقے ہیں۔

میرے کپڑے گندے تھے جسم پر ریت اور دھول کی پپڑی جم رہی تھی۔ چہرہ اپنی اصلیت کھو رہا تھا مگر میرا دل وہی تھا اور میں پڑا نگی زمین پر سجدے میں اپنے رب کو یاد کررہا تھا۔

☆.....☆.....☆

کنول نے تین دن تو برداشت کیا۔ مگر وہ عورت تھی اس نے حیدر کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔ وہ جدا بھی ہوئی تو بھی اس کو اندازہ تو رہا کہ حیدر کہاں ہے مگر اب تو صورت حال بالکل الگ تھی۔ حیدر کو کسی نے جاتے نہیں دیکھا وہ راتوں رات غائب ہوگیا۔ تین دن گزر گئے۔ حیدر کا کوئی فون بھی نہیں آیا۔ اس نے خود تلاش کرنے کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ راجیش کو بتانا پڑا۔

اور راجیش نے تلاش کرنا شروع کردیا۔ جب کچھ پتہ نہ چلا تو اس نے اس کی رپورٹ تھانے میں درج کرانا چاہی۔ تو وہاں پر ایک دہشت ناک خبر اس کا انتظار کررہی تھی۔

انچارج بولا۔ ''ہم تو خود تمہارے پاس آنے والے تھے۔ تم نے ایک دہشت گرد کو پناہ دے رکھی تھی۔ تم سے بھی پوچھ پاچھ کرنا ہے۔''

''دہشت گرد! آپ کو غلط فہمی ہورہی ہے، حیدر ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔'' راجیش نے کہا۔

''تم ایسا ہی بولے گا ہم کو پتہ ہے۔'' وہ بولا۔

''میں اس کو ایک زمانے سے جانتا ہوں وہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''آپ آ گیا ہے تو رکو، جاتو تم ویسے بھی نہیں سکتا۔ تم کو SP صاحب کے سامنے پیش ہونا ہے اور ہاں مجرم کی بیوی کو بھی لانا ہے۔'' اور راجیش جو رپورٹ درج کرانے آیا تھا لاک اپ میں بند کردیا گیا۔

دوپہر کو SP صاحب آ گئے۔ تو راجیش کو ان کے سامنے پیش کردیا گیا۔ SP شکلہ کے پاس باندرہ بم بلاسٹ کا چارج تھا ایک ماہ پہلے باندرہ میں ایک بہت بڑا بم بلاسٹ ہوا تھا۔ چالیس، پچاس آدمی مرے تھے اور اب تک مجرم لاپتہ تھے۔ بمبئی پولیس چوکنا تھی اور ہر ایک کا منہ سونگھ رہی تھی۔

''راجیش بابو بہت کچھ پولیس کو پتہ ہے اور بہت کچھ نہیں پتہ۔ جو تم کو پتہ ہے بتا دو تو اچھا ہے

ورنہ آپ تو سمجھ دار آدمی ہیں، پولیس کے پاس بہت طریقے ہوتے ہیں۔'' شکلہ نے کہا۔

''دیکھئے آفیسر! میں حیدر کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ پاکستانی ہے اور پاکستان سے وہ نہیں آیا تھا لندن سے آیا تھا۔ مگر بمبئی میں وہ میری نظروں کے سامنے تھا اس کا میل جول صرف فلمی لائن کے لوگوں سے تھا میں نے اس کو کبھی کسی غیر فلمی آدمی کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ آپ کے شک اور شبہ کی ضرور کچھ بنیاد ہوگی مگر میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں۔'' راجیش نے کہا۔

''راجیش بابو میں اس سیٹ پر صرف اس لئے ہوں کہ میں کیس لینے سے پہلے اس کیس کی پوری ہسٹری پڑھتا ہوں مجرم کے ذہن اور پیدائش سے اس کی کھنگال کرتا ہوں نہ صرف اس کی بلکہ اس کے اطراف بھی میری نظر ہوتی ہے۔ آپ نے تو کچھ بتایا ہی نہیں۔ میں آپ کو بتاؤں آپ سنیں گے۔'' شکلہ نے پوچھا۔

''آپ بتائیں۔'' راجیش نے کہا۔

''حیدر پہلی بار تمہاری بہن کو کراچی سے لے کر آیا تھا۔ تم اس وقت پونا میں ایک چھوٹا سا کاروبار کرتے تھے، حیدر بمبئی آیا تو اس کو راجن بنانے کا خیال تمہارے پتا کے اور تمہارے دل میں آیا۔ بھگوان داس اور تمہارے پتا کو راجن کے حالات اور موت کے بارے میں سب کچھ پتا تھا۔ ان کے ساتھ موہن لال جی نے شیئر کیا اور وہ تمام ثبوت پیدا کئے جس سے حیدر کو راجن بنایا جاسکتا تھا اور پھر حیدر کو ذہنی طور پر راجن بنانے کے لئے پروفیسر پنڈت کی خدمات حاصل کیں گئیں اس نے موہن لال اور بھگوان داس کو خوب بے وقوف بنایا۔ فائدے میں تم بھی رہے تم نے راجن کے نام پر راجن پروڈکشن بنائی اور راجن کے نام کا فائدہ اٹھایا۔ حیدر تم لوگوں کے سامنے خود کو بے بس اور لاچار ظاہر کرتا رہا مگر اس کے اندرونی رابطے کن لوگوں سے تھے اس کے بارے میں تحقیقات ہو رہی ہیں۔

پھر راجن اچانک چلا گیا یعنی حیدر بمبئی چھوڑ گیا۔ اس کا پاسپورٹ سی آئی ڈی آفس میں تم نے جمع کرایا تھا مگر وہ وہاں نہیں ہے اس کا ویزا ختم ہو چکا تھا وہ کسی طرح پاکستان کا سفر نہیں کر سکتا تھا۔ مگر وہ بمبئی ایئرپورٹ سے عزت کے ساتھ اس پاسپورٹ پر چلا گیا۔ امیگریشن والوں نے اس کو جانے دیا اور اعتراض نہیں کیا۔ اس کو ایئرپورٹ پر گرفتار کرنا چاہئے تھا۔ مگر معیاد گزرنے کے بعد اتنی آسانی سے کس طرح گزر گیا۔ اس کو تم لوگ ایئرپورٹ چھوڑنے گئے۔ وہ کون تھا جو اس کو ایئرپورٹ لایا تھا جس نے اس کے ٹکٹ کا انتظام کیا تھا۔ یہ اور بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔'' شکلہ نے کہا۔

''وہ DSP رینک کا آدمی تھا اور بمبئی پولیس کی وردی میں تھا۔'' راجیش نے کہا۔

''اس کا نام کیا تھا اور کس علاقے کا تھا تم بتا سکتے ہو۔'' شکلہ نے پوچھا۔

''یہ تو کسی نے نہیں پوچھا تھا مگر ایئرپورٹ پر اس نے جو کہا سب نے کیا۔ کسی نے اس کے حکم پر اعتراض نہیں کیا تھا۔'' راجیش نے کہا۔

''یہ کہانی بہت لمبی ہے راجیش بابو، تم اور تمہاری بہن کنول دیوی بھی شک شبہ میں ہو، کنول نے اس سے سول میرج کی تھی دلی میں۔ تم نے یا تمہارے پتا نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا وجہ بتا سکتے ہو؟'' شکلہ نے پوچھا۔

''کنول کے ساتھ وہ کراچی سے آیا تھا وہ دونوں کراچی میں ایک گھر میں اکیلے رہتے تھے مگر دونوں پوتر تھے۔ کراچی میں اکیلے رہ کر وہ کچھ بھی کر سکتے تھے ان کو کون روکنے والا تھا مگر دونوں کے کردار اچھے تھے حالانکہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ مگر پاک محبت کرتے تھے۔ بمبئی میں ان پر اسی لئے پابندی نہیں لگائی گئی کہ ان کا کردار بے داغ تھا۔ پھر دونوں نے دھرم کے جھگڑوں میں پڑنے کی بجائے سول میرج کر لی تھی۔'' راجیش نے کہا۔

''اور اس کے بعد وہ کراچی چلا گیا اور پھر لندن میں تمہارے ساتھ کاروبار کرتا رہا اور بمبئی آ گیا۔ میری رپورٹ ہے کہ وہ تم کو بتائے بغیر بھی مختلف ناموں سے انڈیا آتا رہا تھا اور مختلف شہروں میں اس نے دہشت گردی کی راہ نمائی کی ہے اس نے کشمیر اور دلی میں بھی یہ کارروائی کروائی ہے انڈیا میں دہشت گردی کا وہ ماسٹر مائنڈ ہے۔ تم کیا کہتے ہو؟'' شکلہ نے کہا۔

''میری معلومات کے مطابق تو وہ ایک نہایت سیدھا سادہ آدمی ہے آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہو سکتا ہے غلط ہو، ان کے سامنے ایک نام آیا ہے اور آپ کے سی آئی ڈی اور ایجنسی کو فرار کا راستہ مل گیا وہ تحقیقات نہ کر سکے مجرم نہیں پکڑ سکے تو سب کچھ بوجھ اپنے سر سے اتار کر حیدر کے سر پر ڈال دیا اور حیدر کو آپ کے سر پر ڈال دیا۔'' راجیش نے کہا۔

''ایسا بھی ہوتا ہے مگر تحقیقات کی گاڑی کا پیٹرول شک و شبہ ہے۔ یہی گاڑی کو آگے بڑھاتا ہے آپ اپنی مصروفیت بمبئی تک رکھیں گے اور کنول دیوی بھی کہیں نہیں جائیں گی۔ آپ کی ذرا سی لاپرواہی آپ کو بڑی پریشانی میں ڈال سکتی ہے۔ کسی دہشت گرد کی گولی کا نشانہ بھی بن سکتے ہو اور پولیس کی نظر میں مجرم بھی.....'' شکلہ نے کہا۔

''آپ نے اس ڈرامے کے ایک کردار پروفیسر پنڈت کو تلاش نہیں کیا۔'' راجیش نے کہا۔

''اس کی تلاش تو بہت زیادہ ہے مگر وہ روپوش ہے ایک نہ ایک دن اس کو ضرور تلاش کریں گے۔'' شکلہ نے کہا۔

''مجھ پر پابندی کب تک ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''یہ تو کیس کی نوعیت پر ہے۔'' شکلہ نے جواب دیا۔

اور راجیش نے آ کر کنول کو ساری بات بتائی تو وہ بولی۔ ''یہ سب جھوٹ ہے حیدر کو پھنسایا جا رہا ہے۔''

''میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ حیدر کا کون اتنا بڑا دشمن ہے کہ اس کے خلاف اتنا سنگین جرم ڈال رہا ہے۔ پولیس کو اتنی معلومات فراہم کرنے والا کون ہے۔ میرا شبہ صرف پنڈت پر ہے اور وہی روپوش ہے وہی حیدر سے دشمنی کر سکتا ہے کیونکہ گردھاری ٹرسٹ میں صرف اس کو دلچسپی رہ گئی تھی۔ موہن لال اور پتاجی رہے نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی اب صرف پنڈت رہ جاتا ہے، وہی یہ کر سکتا ہے وہی اتنی معلومات بھی رکھتا ہے۔ اس نے حیدر سے ناامید ہو کر یہ کھیل شروع کر دیا ہے اور خود روپوش ہے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی۔'' وہ بولا۔

''کیا بات.....؟'' کنول نے پوچھا۔

''وہ DSP کون تھا جو حیدر کو بمبئی سے کراچی پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''کوئی پولیس ڈیپارٹمنٹ کا ہی ہوگا۔'' کنول نے کہا۔

''مگر اس کی شخصیت راز میں ہے، حیدر کا ایئرپورٹ سے جانا آسان نہ تھا، مگر وہ کس قدر آسانی سے چلا گیا۔'' راجیش نے کہا۔

''اب پھر حیدر کا اچانک غائب ہونا کیا حیرت کی بات نہیں ہے۔'' کنول نے کہا۔

''بہت زیادہ، میں کبھی حیدر کے کردار پر شک نہیں کر سکتا اس کو میں نے ہر طرح پرکھا ہے، دولت سے پیار کرنے والا نہیں وہ تو اندر اور باہر سے یکساں ہے بہت معصوم بہت نرم دل، اس کو دہشت گرد کہنا بہت بڑی بے وقوفی ہے مگر پولیس کو کچھ اس طرح ٹریٹ کیا گیا ہے کہ وہ اس کو دہشت گرد کہہ رہی ہے۔ بلکہ انٹرنیشنل لیبل کا دہشت گرد بنانے پر تلی ہوئی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''اب تو جو کچھ بھی ہوگا وہ کوئی اور ہی کیوں نہ کرے لیکن سب حیدر کے کھاتے میں ڈالا جائے گا۔''

کنول نے کہا۔

''حالات اس قدر خراب ہو جائیں گے مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''اب تو حیدر کی بے گناہی کو ثابت کرنا بھی بہت مشکل ہوگا۔'' کنول نے کہا۔

''جب ہوا کا رخ مخالف سمت میں ہو تو سب ادھر ہی جاتے ہیں۔ حیدر کے حق میں کون جائے

گا، دنیا اپنا پہلو بچاتی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''میں حیدر کی قانونی بیوی ہوں میں اس کی بے گناہی ثابت کرنے کی ضرور کوشش کروں گی۔'' کنول بولی۔

''میں بھی اس کے خلاف نہیں ہوں اس نے بمبئی میں کوئی کام ایسا نہیں کیا جس کو غیر قانونی کہا جا سکے۔ مگر اس کو اس طرح پیش کیا گیا ہے جیسے وہ یہاں اکثر دہشت گردی کرتا رہا ہے۔ شکلہ ایک اچھا پولیس آفیسر ہے وہ ضرور میری بات سنے گا میں اس کو قائل کرنے کی کوشش کروں گا حالانکہ میں خود کئی جگہ الجھ رہا ہوں۔'' راجیش نے کہا۔

''تمہارے سامنے حیدر کی اب تک کی زندگی کا ریکارڈ موجود ہے کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے سب تم کو پتہ ہے یہ بدنامی کا داغ ہم سب مل کر دھوئیں گے تو شاید کامیاب ہو جائیں۔'' کنول نے کہا۔

''میں شکلہ سے کہوں گا کہ جب تک حقائق پوری طرح سامنے نہ آئیں۔ خبریں اخبارات میں نہ آنے پائیں۔ یہ اخبارات میل کا بیل بنا دیتے ہیں۔'' راجیش نے کہا۔

☆.....☆.....☆

''بڑی شانتی کے ساتھ موج کر رہا ہے اور بمبئی میں پولیس تیری تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہے۔'' پنڈت نے آتے ہی کہا۔

''پولیس کو میری کیوں تلاش ہوگئی۔'' میں نے پوچھا۔

''بمبئی میں مہینہ پہلے بم بلاسٹ ہوا تھا پتہ ہے تجھے.....'' پنڈت بولا۔

''میں نے سنا تھا۔'' میں نے کہا۔

''وہ تو نے تو کیا تھا اور اس لئے پولیس تجھے ڈھونڈ رہی ہے۔'' وہ بولا۔

''شرم کر پنڈت اتنی سنگین بات تو نے کتنی آسانی سے کہہ دی۔'' میں نے کہا۔

''نہیں کیا، تو بھی پولیس تو یہی سمجھتی ہے۔'' وہ بولا۔

''اگر پولیس ایسا سمجھتی تو مجھے بمبئی میں پکڑ لیتی۔'' میں نے کہا۔

''پولیس کو اب پتہ چلا ہے تو اب تلاش کر رہی ہے۔'' وہ بولا۔

''اور وہ پتہ تم نے اس کو دیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں اور کیا! دیش کے دشمن کو کون نہیں پکڑوانا چاہے گا۔'' وہ بولا۔

''اور تو دیش کا بہت وفادار ہے مکر و فریب سے گردھاری ٹرسٹ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے یہ کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ ہنرمندی ہے۔'' وہ بولا۔

''جھوٹ مکاری اور ریاکاری کو تم ہنرمندی کہتے ہو شرم کرو تم پروفیسر ہو پڑھاتے رہے ہو کیا تم نے اپنے شاگردوں کو یہی سبق پڑھایا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''بہت پہلے کی بات ہے یہ، اب میرے وچار کچھ اور ہیں، دنیا میں صرف ایک قانون چلتا ہے اور وہ ہے طاقت کا قانون۔'' وہ بولا۔

''تم جس کو طاقت کہتے ہو وہ طاقت نہیں کمزوری ہے۔ میں تمہارے سامنے ہوں تم نے میرے خلاف جو کچھ کیا ہے مگر تم مجھے نہیں مٹا سکتے، میں تمہاری ایک آس ہوں۔ میں راجن ہوں گردھاری ٹرسٹ کا مالک تم مجھے نہیں مارو گے۔'' میں نے کہا۔

''تم تو حیدر ہو راجن تو میں بنانا چاہتا ہوں۔''

''ارے بے وقوف میں حیدر کب تھا میں شروع سے راجن ہوں۔ کچھ لوگ مجھے حیدر کہتے تھے مگر میں اس وقت بھی راجن تھا میں گردھاری ٹرسٹ کا واحد مالک ہوں۔ میں دنیا کو دیکھ رہا تھا، مجھے تیرے اور سب کے کرداروں کا پتہ ہے۔ دولت چاہئے فیکٹری چاہئے بول کیا چاہئے؟ میں دوں گا کیونکہ تو مجھے اس صحرا میں لایا ہے یہاں کی آب ہوا نے میرے دماغ پر پڑا پردہ اٹھا دیا ہے جسے سب یاد آ گیا ہے مجھے چاندنی کی یاد آ رہی ہے۔ تو بتا وہ مجھے کہاں ملے گی۔ تو جو بولے گا میں دوں گا۔''

پنڈت نے حیرت سے یہ باتیں سنیں۔ اور بولا۔ ''واہ رے پنڈت یہ خوب رہی میں نے تو سزا دینے کو یہاں ڈالا تھا۔ مجھے پتہ ہوتا تو بہت پہلے یہ کام کر لیتا ہے۔ راجن بابو جو کچھ ہوا وہ میری بھول تھی معاف کر دینا۔''

''تیری بھول نے مجھے واپس بلایا ہے میری چاندنی کہاں ہے۔'' حیدر نے کہا۔

''چاندنی تمہارے انتظار میں ہے۔ مگر اب تمہارا وہاں جانا بہت خطرناک ہوگا۔'' وہ بولا۔

''کیوں کیا وہاں پر سیلاب آیا ہوا ہے؟'' حیدر نے پوچھا۔

''تمہارے خلاف بہت بڑا کیس ہے پولیس تمہیں جاتے ہی گرفتار کر لے گی۔'' پنڈت نے کہا

''مگر میں نے کیا کیا ہے؟''

''کچھ نہیں کیا حیدر نے بھی کچھ نہیں کیا تھا یہ سارا گراؤنڈ میں نے حیدر کے خلاف بنایا تھا کیونکہ وہ راجن نہیں تھا اور میں اس کو راجن دیکھنا چاہتا تھا میں نے تم سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔ مگر بھول تو بس ہوگئی ہے۔'' وہ بولا۔

''تو پھر تو ہی ان کانٹوں کو چنے گا بھی۔''

''میں کوشش کروں گا آپ کو یہیں پر رہنا ہوگا۔'' وہ بولا۔

''ظاہر ہے خواہ مخواہ پولیس تنگ کرے گی۔'' میں نے کہا۔

''میں اسی ریگستان میں تمہارے رہنے کا انتظام کر دیتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''جو دل کرے کر تجھے کچھ لینا ہے تو دینا تو پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''اچھا میں کرتا ہوں۔'' اور پنڈت چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی DSP آ گیا بولا۔

''بہت خوب حیدر تم نے خوب ڈرامہ کیا۔ اس نے جو آگ جلائی ہے وہ خود بجھائے گا اور جب سب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو پھر تم میدان میں آنا۔'' وہ بولا۔

''پنڈت کی نفرت تو سمجھ میں آتی ہے کیونکہ اس کو دولت کی بھوک ہے وہ گردھاری ٹرسٹ کی دولت کے لئے دیوانہ ہو رہا ہے۔ مگر تم کون ہو؟ تم نے کتنے مقام پر میری مدد کی ہے؟ اپنا تعارف تو کرا دو۔'' میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

''تم اس کو ضروری کیوں سمجھتے ہو؟'' وہ بولا۔

''مہربانوں کو یاد رکھنا اور ان کے احسانات کو یاد رکھنا میری عادت ہے۔'' میں نے کہا۔

''اچھی عادت ہے میں تم کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ دنیا کا کوئی دور کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب دنیا میں کوئی ایسی روح نہ رہی ہو، اس خلاء میں اس فضائے بسیط میں اس دنیا کی لامحدود وسعتوں میں آزادی کے ساتھ سیر نہ کرتی ہو۔ اس کے اشارے پر زمین میں بہت کچھ ہوتا ہے ابر رحمت ان کے اشارے پر دنیا کو سرسبز کرتا ہے اور پھر ان کے اشارے پر سیلاب اور طوفان آتے ہیں ان کے اشارے پر پہاڑ آگ اگلتے ہیں الغرض جہاں جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ وہاں ہوتی ہے دنیا کی آبادی کو بیلنس کرنا زمین کو آباد اور بنجر کرنا۔ دنیا میں سر اٹھانے والے سورماؤں کی سرکوبی اور نہ جانے کتنے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔ ان کے بے حساب سپاہی ہیں جو پوشیدہ رہتے ہیں ان کو جو حکم ہوتا ہے وہ کرتے ہیں۔ کوئی سپاہی کسی کے سامنے نہیں آتا یہ خاموشی سے کام کرتے ہیں میں بھی ایک ایسا ہی سپاہی ہوں۔''

اب میرے اوپر پہلے والی حیرت اور گومگو والی کیفیت نہیں تھی۔ میرے اندر اطمینان اور اعتماد ابھر رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''میرے دوست ابھی بہت کام باقی ہے۔ پنڈت پر بھروسہ کرنا کیا درست ہوگا۔''

''پنڈت کو تم نے بہت اچھا لگایا ہے بے شک کام بہت بڑھ گیا ہے اور سب پنڈت نے بڑھایا ہے وہ خود پریشان ہے مگر وہ اپنے بچھائے سارے جال خود سمیٹے گا اور خود ہی راستہ بھی بنائے گا اب وہ خود نہیں چاہے گا کہ تم پر کوئی آنچ آئے کیوں کہ تم سے اس کو فائدہ ہونے والا ہے۔ میری مدد کی

ضرورت اب شاید تم کو نہ پڑے اگر ضرورت ہوئی تو میں خود آ جاؤں گا۔ تمہارے بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کے سپاہی بلانے سے نہیں آتے خود بخود آتے ہیں۔'' اور وہ چلا گیا۔

شام کو پنڈت آ گیا اور بولا۔ ''آ ورا جن بابو میں نے انتظام کر دیا ہے۔''

''بمبئی کے کیا حال ہیں؟ تم نے بتایا نہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''بہت برے ہیں۔ پولیس منہ سونگھ رہی ہے۔ SP شکلہ شکاری چیتا بنا ہوا ہے۔'' وہ بولا۔

''یہ حالات کب تک رہیں گے تم نے یہ اچھا نہیں کیا پنڈت.....'' میں نے کہا۔

''میں مانتا ہوں میں نے ذرا جلدی کر دی۔'' وہ بولا۔

''تم حیدر کی دشمنی میں بہت آگے چلے گئے اور اپنا بھی راستہ بند کر دیا۔'' میں نے کہا۔

''جنگ میں ایسا ہوتا ہے کبھی کبھی اپنا نقصان ہو جاتا ہے۔'' وہ بولا۔

ہم چلتے چلتے ایک ایسی جگہ آ گئے جہاں پر ایک چھولداری لگی تھی اور اس کے عین سامنے ایک نالی سے پانی آ کر ایک حوض میں گر رہا تھا۔

''ریگستان میں پانی۔'' حیرت کی بات تو تھی۔ میں نے کہا۔ ''یہ پانی کہاں سے آ رہا ہے؟''

''یہ زمین کے اندر کا پانی ہے میں نے اس کو ایک موٹر کے ذریعہ اوپر پہنچایا ہے۔'' وہ بولا۔

''موٹر کہاں ہے؟ اور اس کے چلنے کی کوئی آواز بھی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ موٹر وہ نہیں ہے جیسا تم سوچ رہے ہو یہ میری ودیا کی موٹر ہے میری شکتی اس کو چلاتی ہے یہ سب کچھ کسی کو نظر نہیں آتا مگر کام آتا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تمہارے کرنے کے اور بہت کام ہیں، اب تم نے جو آگ لگائی ہے اس پر پانی ڈالو۔'' میں نے کہا۔

''اچھا راجن بابو ایسا ہی ہوگا۔'' اس نے کہا اور وہ چلا گیا۔ میں چھولداری کے اندر چلا گیا اندر ایک فولڈنگ چارپائی پڑی تھی اور ایک پانی کی صراحی رکھی تھی چارپائی پر بستر بھی تھا اور ایک کمبل بھی تھا۔ میں نے ایک موم بتی اندر جلا دی اور لیٹ گیا۔ میرے پاس ایک کام تھا میں اپنا کھانا بناتا تھا اور کھاتا تھا ضرورت کی ہر چیز مجھے مل رہی تھی۔ تیس طویل اور جاں سوز اور روح فرسا دن گزر گئے۔ میں پوری دنیا سے کٹا ہوا تھا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا تھا اور کیا ہونے والا تھا؟'' کیا میں اس صحرا میں مر جاؤں گا؟ کیا مجھے اب کبھی اپنی بیوی بچوں کی شکلیں دیکھنے کو نہیں ملیں گی؟ مگر یہ کیسی حرماں نصیبی کی موت ہوگی۔ وطن سے دور اپنے پیاروں سے دور ویران ریگستان میں اس چھولداری میں دھوپ اور ہوا میری لاش کو لے اڑیں گی اور میری قبر بھی نہ ہوگی۔ میں ریت کے ذرات کے ساتھ

شامل ہو جاؤں گا اور لاش پر منڈلاتے گدھ اپنی غذا بنا لیں گے۔ کیا ایسا ہوگا؟'' میں نے خود سے سوال کیا۔

''مگر نہیں! میرے پاس غذا ہے پانی ہے سایہ ہے اور امید کا بہت بڑا انمول اور عظیم تحفہ ہے۔ جو لوگ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے وہ کبھی کبھی ہاری ہوئی بازی بھی جیت لیتے ہیں اور ہر بڑی سے بڑی مصیبت بلکہ موت کا بھی منہ پھیر دیتے ہیں۔ میرے پاس تو زندہ رہنے کے پورے لوازمات ہیں۔''

ایک ماہ اور گزر گیا۔ میں نے سوچا۔ میں چاند کو دیکھ کر حساب کر رہا تھا۔ قدیم زمانے کے لوگ بھی ایسا ہی کرتے تھے پنڈت کب آتا تھا مجھے پتہ نہیں چلتا تھا۔ شاید وہ رات کو آتا تھا۔ فروٹ اور میوہ جات بھی وہ رکھ جاتا تھا۔ میری خدمت کرنے میں اس نے کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں حیدر علی اس کا خاص دشمن تھا، مگر وہ تو راجن کی خدمت کر رہا تھا۔ اس کی ضد نے اس کو دیوانہ بنایا ہوا تھا۔

رات کا پتہ نہیں کون سا پہر تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ پنڈت بوری سے سامان نکال کر رکھ رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر کہا۔ ''تم نے تو ملاقات کرنا بھی چھوڑ دیا۔''

''یہ بات نہیں ہے، میں رات میں آتا ہوں وہ آپ کے آرام کا وقت ہوتا ہے اس لئے خاموشی سے چلا جاتا ہوں۔'' پنڈت نے جواب دیا۔

''یہ کون سا ریگستان ہے جہاں پر انسان کا گزر کبھی ہوتا ہی نہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ ہندوستان کا ہی ریگستان ہے مگر جہاں ہم ہیں وہ جگہ گزرگاہ سے بہت دور ہے۔ یہاں پر کوئی نہیں آیا شاید سیکڑوں سال سے اس طرف کوئی نہیں آیا۔'' وہ بولا.....

''بمبئی کا کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بمبئی میں بم بلاسٹ کے مجرم پکڑے گئے ہیں، وہ وہیں کی ایک سیاسی تنظیم کے تھے، انہوں نے تمہارا کوئی ذکر نہیں کیا ہے ایک بڑا کیس تمہارے سر سے اتر گیا ہے۔ جتنے بھی تمہارے اوپر کیس ڈالے گئے تھے میں ان پر ہی کام کر رہا ہوں، شکلہ اور اس کی پولیس کا بڑا نام ہو رہا ہے اور کام میں کر رہا ہوں آہستہ آہستہ کانٹے صاف ہو رہے ہیں فکر نہ کرو زیادہ انتظار نہیں کرنا ہوگا، شکلہ خود تم کو بے گناہ قرار دے گا۔''

☆.....☆.....☆

کچھ لوگوں کو پہلے آسانیاں ملتی ہیں پھر دشواریاں آتی ہیں شاید یہی انسانی زندگی کا امتحان ہوتا ہے میں اس امتحان میں کس حد تک کامیاب تھا پتہ نہیں پاس مارک ملے تھے کہ نہیں۔ میں نے یہاں

بھی اپنے رب کو فراموش نہیں کیا تھا۔ شاید اس لئے دشواریوں میں بھی آسانیاں میرے لئے پیدا ہوگئی تھیں اور آسانیاں پیدا کرنے والا میرا اکثر دشمن تھا۔ یہی حقیقت تھی۔ بعض حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن پر یقین کرنے پر ہمیشہ تامل ہوتا ہے کون یقین کرے گا کہ جو مجھے مارنے اور خوفناک سزا دینے کے لئے اس صحرا میں لایا تھا۔ وہی صحرا میں میرا رکھوالا بنا ہوا تھا وہی دشمن مجھے پال رہا تھا۔ وقت کچھ اور گزر گیا۔ اب تک طوفان کم تو نہیں ہوا تھا۔

مگر پھر بھی ویسا زور نہیں تھا۔ پتہ نہیں اب شکلہ کن خطوط پر سوچ رہا ہوگا امکانات تو بہت تھے امکانات کی حدیں لامحدود ہیں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ یہ پرایا دیس ہے ہماری تو ازلی دشمنی چلی آرہی ہے۔ کہیں پر بھی ہماری کمزوری یہ پکڑ کر بیٹھ جائیں گے۔ اس وقت تو شکلہ کا جھنڈا اونچا ہے۔ وہ جس کو مجرم کہہ دے وہ ہی مجرم کہلائے گا۔ مجھے ابھی بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہے۔

میں نے زندگی میں دو بدو کسی سے لڑائی نہیں کی تھی کسی کو ایک چانٹا بھی نہیں مارا تھا۔ بچپن میں کسی استاد نے مجھے مارا ہو تو مجھے یاد نہیں ہے ہاں کھلاڑی میں ضرور تھا اور دوڑتا بھی تیز تھا میرے بارے میں بڑے کھلاڑیوں کی پیش گوئی تھی کہ میں اچھا کھلاڑی بنوں گا۔ کھیل کے میدان کے باہر بڑا کھیل شروع ہوا اور اب تک وہ کھیل جاری ہے میں نے کبھی فاؤل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ فیئر پلے میرا اصول رہا مگر جیت کے لالچی کھلاڑیوں نے مجھے دوڑا دوڑا کر فاؤل کرائے کئی دفعہ میں تھکن کی مدہوشی میں ایسے شاٹ کھیل گیا جو مجھے کبھی نہیں کھیلنا تھے اور اسی بناء پر مجھے ریڈ کارڈ دیکھنا پڑا، میں میدان سے باہر کر دیا گیا۔ دوبارہ میں کب اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیل سکوں گا اس کا ابھی کچھ اندازہ نہیں تھا۔ مگر میں اپنی ٹیم میں ایک نہ ایک دن ضرور جاؤں گا۔

پڑے پڑے تو لوہا بھی زنگ آلود ہو جاتا ہے کیا میں ناکارہ نہیں ہو رہا۔ میں نے سوچا نہیں ابھی تک ناکارہ نہیں ہوا مگر پڑے پڑے ایسا ہو سکتا ہے پھر میں کیا کروں، میں نے پھر غور کیا ہاتھ، پیر کو حرکت دینا ضروری ہے۔ جواب ملا۔

جہاں پر پانی کا حوض بنا ہوا تھا اس سے ذرا فاصلے پر میں نے زمین کو کیاری کی شکل دینا شروع کر دی اور دو روز میں ایک پندرہ فٹ لمبی اور چوڑی کیاری بن گئی۔ پھر میں نے اس کی مٹی کو گوڈنا شروع کر دیا۔ میرے پاس ایک چاقو اور چمٹا تھا وہی میرے اوزار تھے۔ زمین جب نرم ہوگئی تو اس میں اب بیج ڈالنا تھا۔ میرے پاس صرف دالیں تھیں، لوبیا اور مونگ کے صاف صاف دانے چن کر ذرا ذرا فاصلے پر ڈال دیئے اور ان پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا۔

اور ایک اور کیاری پر کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ میں اطراف میں چکر بھی لگانے لگا۔

کسان کا کام شروع کر دیا ہے تو ضروری تھا کہ کیاریوں کی حفاظت کے لئے ان کی ایک باڑ بھی بنائی جائے۔ میں لکڑیوں کی تلاش میں دور دور چلا جاتا اب مجھے تنہائی کا احساس کم ہوتا تھا میں کام میں لگا رہتا تھا۔

مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا میں نے سوچا آتے ہی کام شروع کر دیتا تو آج کچھ ہریالی ضرور ہوتی۔ مگر میری قیام کی مدت کا اندازہ کب تھا۔ میری راہ میں کتنا کچرا ڈالا گیا تھا مجھے کیا اندازہ تھا۔ آنے والے وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ایک دن پنڈت دن میں آ گیا میں کام میں مصروف تھا اس نے سامان کا تھیلا زمین پر رکھ دیا۔ اور بولا۔ ''تم نے یہاں پر بھی فصل اگانی شروع کر دی راجن بابو.....''

''ہاں فالتو وقت کو اور خود کو مصروف رکھنا ضروری ہوتا ہے میں سوچتا ہوں میں کام آیا۔ آتے ہی اولے پڑیں گے پتہ ہوتا تو شاید نہ آنے کا اپائے کرتا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں راجن بابو میں شرمندہ ہوں یہ سب میرا کیا دھرا ہے۔'' وہ بولا.....

''پینسٹھ، ستر برس کے بعد آیا ہوں میں نے تو کچھ کیا نہیں پھر ساری دنیا میری کا ہے دشمن ہوگئی بتاؤ۔''

''راجن بابو دشمنی آپ سے نہیں ہے آپ کے اس شریر سے ہے یہ شریر ایک مسلے کا ہے وہ پاکستان سے آیا تھا اس نے یہاں اپنا راج چلایا تھا۔ بہت بڑا اسیٹھ آپ کے نام پر بن گیا تھا۔'' پنڈت نے کہا۔ ذرا سانس لے کر پھر بولا۔''

''بھگوان کے کام نیارے ہیں ہم نے ایک دفعہ پہلے حیدر کو راجن بنایا تھا۔ سب ٹھیک ہوگیا تھا۔ صرف قانون کا پیٹ بھرنا تھا اس کا بھی پورا بندوبست کر لیا تھا۔ وہ حیدر بھاگ گیا۔ پاکستان چلا گیا نہ معلوم کس طرح نکل گیا اور ہمارا کام بگڑ گیا اب پھر سے سب کچھ کرنا ہوگا اب تو آپ خود سے پدھارے ہیں زیادہ چنتا نہیں ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم نے بڑی نئی نئی اور انوکھی باتیں بتائی ہیں ہمارا گھر تو کراچی میں تھا ہم وہیں رہیں گے۔'' میں نے معصومیت سے کہا۔

''کراچی تو پاکستان کا شہر ہے وہ گھر تو آپ کو نہیں ملے گا۔ بمبئی اور سارے بھارت کی جائیداد اور آپ کی فیکٹریاں انڈسٹری آپ کو دلوائیں گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ارے پنڈت ہم کو ان سب کی اتنی ضرورت نہیں ہے تم ہماری چاندنی کا بتاؤ وہ کہاں ہے۔'' میں نے اداکاری کی۔

''وہ بمبئی میں ہے فکر نہ کرو، ذرا وقت کی کروٹ بدلے تو ہم اپنا کام دکھائیں۔'' وہ بولا۔

''اور یہ وقت کی کروٹ کون بدلے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہم بدلیں گے اور کون بدلے گا۔'' پنڈت بولا۔

''تو پھر جلدی بدل ڈالو مجھے چاندنی سے ملنا ہے۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''ابھی سے نہیں آیا۔ راجن بابو جلدی کریں گے تو بات بگڑ جائے گی۔ ابھی تک وہ کام نہیں ہوا۔ جس کا بیڑا اٹھایا تھا۔'' وہ بولا۔

''کون سا کام.....'' میں نے پوچھا۔

''راجن کو دنیا میں لانا۔'' وہ بولا۔

''ارے ہم ہیں تو تمہارے سامنے۔'' میں نے کہا۔

''ابھی آپ اس ریگستان کی جیل میں بند ہیں دنیا کے سامنے نہیں ہیں۔'' وہ بولا۔

''تو ہم نے کب دنیا کے سامنے جانے سے انکار کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہر کشتی سے پہلے اکھاڑا بنانا پڑتا ہے پھر کشتی ہوتی ہے، ہم اکھاڑا بنانے کے پھیر میں لگے ہیں۔ وہ حرامی شکلہ شکاری کتے کی طرح تاک لگا کر بیٹھا ہے۔ اس کو ہڈی ڈال دیں اس کا دھیان پھیریں تو پھر اکھاڑے میں اتریں گے اور جب اتریں گے تو جیت بھی لیں گے آپ چنتا نہ کریں آرام سے رہیں، سمے آنے پر ہم خود کہیں گے اور لے جائیں گے اپنے ساتھ۔'' وہ بولا۔

پنڈت چلا گیا مگر بہت سی کام کی باتیں بتا گیا۔ انسان طاقت کے نشے میں بے وقوفیاں بھی کرتا ہے، بلکہ میں کہتا ہوں قدرت اس سے یہ غلطیاں کرواتی ہے۔ اس کی تباہی کے اسباب بھی تو بنانا ہوتے ہیں اور جب وہ طاقتور اپنی تباہی پر غور کرتا ہے تو اس کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے اور وہ شرمندہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کاش میں یہ غلطی نہ کرتا اس طرح قدرت پر الزام نہیں آتا۔''

☆.....☆.....☆

''شکلہ کیسے ہو؟'' سیکریٹری منسٹر رادھے شام نے شکلہ کا استقبال کیا۔

''صاحب کیسے یاد کیا ہے۔'' شکلہ نے پوچھا۔

''تم کو کرائم انچارج بمبئی پولیس بنانے کی مبارک باد بھی تو دینا تھی۔'' رادھے شام نے کہا۔

''شکریہ رادھے شام، صاحب سے ملواؤ.....'' وہ بولا۔

''ہاں آؤ میرے ساتھ۔'' اور وہ دونوں وزیر کے کمرے میں چلے گئے۔''

اندر منسٹر شیام سندر وزیر داخلہ صوبائی موجود تھے۔ رادھے شام ان کے سیکریٹری نے کہا۔ ''سر یہ

انچارج کرائم شکلہ صاحب ہیں۔''

''آؤ آؤ بیٹھ جاؤ تمہاری تو بہت تعریف سنی ہے۔'' شیام سندر نے کہا۔

''سر یہ بہت محنتی اور فرض شناس آفیسر ہیں۔'' رادھے شام بولے۔

''لگتا ہے بمبئی بم بلاسٹ کے مجرموں کو پکڑنا آسان نہ تھا۔'' وہ بولے۔

''سر انسان کوشش کرتا ہے کامیابی تو بھگوان کی کرپا سے ملتی ہے۔'' شکلہ نے کہا۔

''وہ پاکستانی حیدر کا کیا قصہ ہے۔'' شیام سندر نے پوچھا۔

''سر ہمارا بمبئی بم بلاسٹ میں پورا شبہ اس پر تھا مگر مجرم مقامی تھے۔ کسی جگہ حیدر کا نام نہیں آیا اور جتنے بھی کیس حیدر کے نام پر تھے ان سب میں حیدر ملوث نہیں پایا گیا اور ہم بڑی آسانی سے مجرموں تک بھی پہنچ گئے۔'' شکلہ نے کہا۔

''تو اب حیدر کو کس خانے میں رکھو گے۔'' وزیر نے پوچھا۔

''سر ایسا لگتا ہے کسی نے حیدر کو اغوا کر لیا ہے اور اس کے نام اور پاکستانی ہونے کی آڑ لے کر اس کے نام کو استعمال کیا اور پولیس کو بھی غلط لائن پر لگانے کی کوشش کی ہے۔ حیدر کہاں ہے اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔'' شکلہ نے کہا۔

''تو اس کا مطلب ہوا حیدر بے قصور تھا۔'' وہ بولے۔

''ہاں بڑے کیسوں میں تو وہ خود بخود بے قصور ثابت ہو گیا ہے۔ مگر بہت سی باتیں اب بھی حل طلب ہیں۔'' شکلہ نے کہا۔

''مثلاً کیا؟'' وزیر نے پوچھا۔

''بیس، پچیس سال پہلے بھی حیدر بمبئی آیا تھا اور اس نے خود کو راجن بنایا تھا۔ اس کے اس دعویٰ کو یہاں کے بڑے بڑے سیٹھوں نے مان لیا تھا اس نے سیٹھ بھگوان داس کی لڑکی سے سول میرج کر لی تھی اور راجن پروڈکشن کے نام سے ایک فلم کمپنی بھی بنائی تھی۔ وہ آج بھی ہے اور اس کو اس کا سالا راجیش چلاتا ہے۔ قانونی طور پر وہ راجن نہیں تھا ہاں قانونی طور پر اس کو راجن بنانے کی تیاریاں ہو گئی تھیں مگر اچانک وہ بمبئی سے غائب ہو گیا۔

اپنا تمام کاروبار روپیہ پیسہ یہیں پر راجیش کے پاس چھوڑ گیا۔ میں نے پوری معلومات کر لی ہے۔ اس نے اس کے بعد راجیش سے کبھی کوئی تعلق نہ رکھا۔ سمجھ نہیں آتا وہ دولت کی خاطر حیدر سے راجن بنتا ہے، راجن کے نام کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ کروڑوں کا کاروبار کرتا ہے خوب کماتا ہے اور جب راجن بننے کے قریب ہوتا ہے تو خاموشی سے چلا جاتا ہے، سر بات یہاں پر ہی ختم نہیں ہوتی، میں نے کراچی

میں بھی اس کے ساتھ کچھ آدمی لگا دیئے تھے وہ کراچی جاتا ہے اور نئے سرے سے زندگی شروع کرتا ہے ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرتا ہے اور ایک بہت چھوٹا کاروبار کرتا ہے۔

میں حیران ہوں بمبئی کی فلمی دنیا کا راجہ اندر پھر سے معمولی زندگی کیوں پسند کرتا ہے۔ میری زندگی کا یہ بہت ہی عجیب کردار ہے۔'' شکلہ نے کہا۔

''پھر دوبارہ وہ کیوں بمبئی آتا ہے۔'' وزیر نے پوچھا۔

''وقت گزرتا ہے اس کا لڑکا لندن میں جوان ہوتا ہے اور وہ لڑکا باپ کو لندن بلاتا ہے۔ وہیں پر باپ بیٹے ملتے ہیں اس کی بیوی ملتی ہے اور وہیں سے اس کو راجیش دوبارہ بمبئی لاتا ہے اور وہ یہاں سے پھر غائب ہے۔'' شکلہ نے کہا۔

''تم نے اس کو کیسا پایا ہے؟'' وزیر نے پوچھا۔

''سچ بات تو یہ ہے کہ کراچی سے بمبئی اور لندن تک میں نے کھوج کی ہے۔ بڑا وقت میں نے اس پر لگایا ہر مجرم کی نفسیات کو سمجھنے کے لئے اس کے بیک گراؤنڈ اور اس کے حالات کو دیکھنا ہوتا ہے کوئی پیدائشی مجرم نہیں ہوتا حالات مجرم بناتے ہیں۔ میں نے اس کا بہت دور تک تعاقب کیا ہے میں حیران ہوں، اس کے کردار میں کسی جگہ بھی کمزوری نہیں پکڑ سکا۔ وہ ایک صاف شفاف کردار کا مالک شخص ہے ایسا آدمی شاید اس دور میں ملنا دشوار ہے۔'' شکلہ نے کہا۔

''تو اب تم اس کی تلاش کیوں نہیں کرتے؟'' وزیر نے پوچھا۔

''کر رہا ہوں مجھے بہت سے سوالوں کے جوابات اس سے لینا ہیں۔'' شکلہ نے جواب دیا۔

''مثلاً؟'' وزیر نے پوچھا۔

''یہ کہ وہ پہلے کس طرح کراچی گیا اس کی باز پرس ایئر پورٹ پر کیوں نہ ہوئی۔ دوسرے وہ کیوں راجن بننا چاہتا تھا جبکہ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ اس کو دولت سے پیار نہ تھا پھر کس بنا پر وہ راجن بننا چاہتا تھا اور راجن کو وہ کس طرح جانتا تھا۔ اس نے راجن پروڈکشن کے ذریعہ کمائی دولت پر اپنا حق کیوں نہیں جتایا سب کچھ راجیش کو دے گیا۔ کچھ حیرت میں ڈوبے سوالات ہیں اسی قسم کے اور نہ جانے کتنے سوالات ہیں جو میرے ذہن میں آتے رہتے ہیں۔ ذاتی طور پر اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' شکلہ نے کہا۔

''تم نے ٹھیک کہا تم اس کو پا جاؤ تو میری ملاقات بھی ضرور کرانا ایسے عجیب کردار سے میں بھی ملنا چاہوں گا اب تم اس کے خلاف سارے کیس ڈراپ کر دو اور اعلان کر دو کہ حیدر بے گناہ ہے اس کے خلاف الزامات غلط فہمی کی بنا پر بن گئے تھے۔ اس طرح وہ جہاں بھی روپوش ہوگا منظر عام پر آ جائے

گا۔'' وزیر نے رائے دی۔

''آپ کی بات مناسب ہے میں انتظامات کرتا ہوں۔'' شکلہ نے کہا۔ ''اب اجازت ہے۔'' شکلہ نے ہاتھ ملایا اور رخصت ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

میرے پردہ تصور پر ماضی کے نشیب و فراز ایک رواں دواں فلم کی طرح نمودار ہو رہے تھے اور اوجھل ہو رہے تھے۔ میں اسی طرح اکیلا ریگستان میں اپنی بنائی ہوئی کیاری کے ساتھ ہاتھ میں کھرپی لئے بیٹھا تھا پودے اگ آئے تھے اور تیزی سے بڑھ رہے تھے۔

میں بھی انسان ہوں ایک عام انسان، بلکہ شاید عام انسانوں سے بھی زیادہ خواہش رکھتا ہوں۔ میں نے بھی محبت کی ہے، میں اس کو تمام جسمانی اور روحانی شدتوں کے ساتھ چاہتا ہوں، میری محبت ایک مکمل اکائی ہے۔ یہ دوسری بات کہ میں نے اس کا اظہار خود سے بھی نہیں کیا۔ میری محبت تقسیم نہیں ہوئی وقت نے مجھے دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا مگر میری محبت نہیں بٹی میں نے ہر جگہ اس کی کمی محسوس کی وہ قریب ہوئی تو میں دور دور رہا کہ میری خود غرضی ظاہر نہ ہو میرے اندر جو ہے وہ آشکار نہ ہو جائے میں عمر کے اس دور میں اس صحرا میں برملا کہتا ہوں ہاں میں عاشق ہوں عاشق تھا کون ہے جو میرے اس اظہار کا گواہ ہوگا۔ یہ پودے یہ آسمان یہ بگولے اور گرم ہوا۔ کون اس کو بتلائے گا؟ کون یقین دلائے گا؟

ایک دفعہ شاید کسی نے مجھ سے پوچھا تھا۔ تم کنول سے محبت کرتے ہو؟ میں نے اس وقت بھی اندر کی بات نہیں کی تھی۔ بیوی اور معشوقہ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کنول کی دونوں حیثیتیں اپنی جگہ مکمل تھیں وہ بیوی بن کر بھی معشوقہ تھی اور رضیہ صرف ایک اچھی بیوی تھی۔

میرے اردگرد سیکڑوں میل تک کسی انسان کا وجود نہیں ہے اور میں اقرار کر رہا ہوں شاید زندگی میں پھر موقعہ نہ ملے یہ اقرار میں خود سے کر رہا ہوں کیونکہ میں نے اب تک خود سے بھی اقرار نہیں کیا تھا۔ انسان ہر برے بھلے کا اقرار خود سے کرتا ہے اور پھر آگے قدم بڑھاتا ہے۔

اب اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو میں اس کو کیا کہوں بیوی، کہوں معشوقہ تصور کروں یہ فیصلہ کرنا ہے یہ فیصلہ تو میں اس کے سامنے ہی کر سکتا ہوں۔ یا پتہ نہیں ایسا موقعہ آئے گا بھی کہ نہیں یوں تو اکثر اس ویرانے میں میری یادیں زخم بن کر مہکتی رہتی تھیں انگارہ بن کر جلاتی رہتی تھیں مگر آج کی سی کیفیت کبھی نہ ہوئی تھی۔ دل کرتا تھا خود کو کھول کر رکھ دوں وہ میرے پاس نہ تھی مگر ایسا لگتا تھا وہ سب دیکھ رہی ہے سن رہی ہے اس نے میرے اندر بھی دیکھ لیا ہے وہ میرے قریب ہی ہے۔ آج اس کی یاد

میں جو شدت تھی اس سے پہلے نہ تھی۔ محبت کی یہ تپش اتنی تیز نہ تھی۔ یہی وقت تھا جب بمبئی کے گنگا رام اسپتال میں کنول بستر پر پڑی تھی۔ کمرے کے باہر روشن، اس کی بیوی اکبر اس کی بیوی اور راجیش موجود تھے۔

''امی کی حالت ایسی کب سے ہوگئی.....'' اکبر نے پوچھا۔

''بھائی یوں تو وہ ٹھیک تھیں مگر ان کی حالت اس دن سے ہی خراب تھی جس دن سے ڈیڈی گمشدہ ہوئے تھے۔ پہلے تو ان کا خیال تھا وہ کراچی چلے گئے ہیں مگر کراچی میں جب ان کا پتہ نہ چلا تو ان کی حالت گرتی ہی گئی۔ پھر ایک ماہ پہلے ان پر دورہ پڑا مگر بروقت علاج سے ٹھیک ہوگئیں۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے ڈیڈی کا پوچھا تھا میں نے ان کو حقیقت نہیں بتائی تھی جواب گول کر دیا تھا۔ پندرہ دن کے بعد پھر ان پر اٹیک ہوا اور وہ کوما میں چلی گئیں اور آج تک ان کی وہی حالت ہے۔ ڈاکٹر اپنی سی کر رہے ہیں مگر ان کا علاج تو ڈیڈی ہیں وہ ہم کہاں سے لائیں۔''

روشن نے اداسی سے کہا۔ تو اکبر نے کہا۔ ''بھائی جان آپ نے مجھے بڑی دیر میں خبر کی۔''

''دراصل اکبر میری حالت خود امی کو دیکھ کر اچھی نہیں تھی۔ ماما الگ پریشان تھے۔ ڈیڈی کی گمشدگی معمہ بنی ہوئی تھی اس پر دوسرا وار یہ ہوا کہ ان کو بمبئی بم بلاسٹ کا مجرم بنا ڈالا ان پر نہ معلوم کتنے کیس ڈال دیئے ان کی زد میں، میں اور ماما بھی آ گئے۔ مگر ان کو ہمارے خلاف کوئی ثبوت نہ مل سکا ماما اور میں ہر طرف سے پریشانیوں میں گھر گئے۔

ایک کے بعد دوسری پریشانی آ رہی تھیں اس میں، میں تم کو بلا کر پریشانی میں نہیں ڈال سکتا تھا مجھے پتہ تھا تم کو بھی اس کیس میں گھسیٹا جا سکتا ہے مگر انسان سچا ہو تو اس کی مدد قدرت کرتی ہے بمبئی بم کیس کے مجرم پکڑے گئے اور وہ تمام کیس جو ڈیڈی پر ڈالے گئے جھوٹے ثابت ہوتے گئے اور اب ڈیڈی پر کوئی کیس نہیں ہے سرکاری رپورٹ بھی آ گئی ہے کہ وہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا تھا کسی نے پولیس ڈیپارٹمنٹ کو مس گائیڈ کیا تھا۔ مگر یہ سب ہوتے ہوتے امی کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ پندرہ دن سے انہوں نے آنکھ نہیں کھولی۔ کوئی بات نہیں کی ہے۔ ڈاکٹر ناامید ہیں۔'' روشن کی آواز لڑکھڑا رہی تھی کانپ رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو رواں تھا۔

''بھائی جان حوصلہ کریں۔'' اکبر نے کہا مگر خود اس کی حالت خراب تھی۔ روشن اور اکبر کی بیویاں سر جھکائے کھڑی تھیں۔

ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر باہر آیا اور روشن کے قریب آ کر بولا۔ ''آئی ایم ویری سوری مسٹر روشن، ہم ان کو روک نہیں سکے۔''

روشن نے ڈاکٹر کو دیکھا اور دھاڑ مار کر اکبر سے لپٹ گیا اب تک جس سیلاب کو اس نے روکا ہوا تھا وہ ایک شور کے ساتھ بند توڑ کر بہہ نکلا اور اسپتال میں صرف ایک ہی آواز تھی رونے کی، آہیں بھرنے کی۔

چاندنی مر گئی اور اس کے ساتھ لاڑکانہ کی کنول بھی مر گئی۔ یہ وہی وقت تھا جب صحرا میں حیدر اس کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی محبت کا اعتراف کر رہا تھا اس کی محبت کو خراج عقیدت پیش کر رہا تھا۔ شاید کنول کی روح نے یہ سب سنا ہو شاید اس نے یقین بھی کیا ہو۔

ہندو رسم رواج کے مطابق کنول کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ روشن نے ارتھی کو آگ دکھائی اور کنول کا کومل بدن مٹی ہوگیا۔ اکبر کا ویزا ختم ہوگیا وہ کراچی سے آیا تھا۔

''بھائی مجھے تو جانا ہوگا ویزا کل ختم ہو جائے۔'' اکبر نے کہا۔

''ہاں اکبر جانا تو پڑے گا۔ میں بھی چند دن میں لندن چلا جاؤں گا۔ یہاں پر مجھے صرف مما یاد آتی ہیں۔'' روشن نے کہا۔

''بھائی جان صبر تو کرنا ہوگا زندگی اور موت کا ایک فاصلہ ہوتا ہے یہ فاصلہ جب بھی مختصر ہو جائے اس کو نہ کم کیا جا سکتا ہے نہ بڑھایا جا سکتا ہے تو پھر پریشانی اور الجھن کس بات کی۔ موت کا وقت تو اٹل ہے۔ موت کا تصور باعث رنج تو ہے مگر یہ اٹل حقیقت ہے۔ انسان بے بس ہے صرف صبر کر سکتا ہے۔''

''تم نے اچھی بات کی ہے اکبر! میں بھی خود کو یہی سمجھا رہا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''ماموں آپ بھائی جان کا خیال رکھنا۔'' اکبر نے راجیش سے کہا۔

''یہ تو کرنا ہی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

اور اکبر کراچی چلا گیا۔ اس کی بیوی بھی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

مجھ پر بے وجہ ہی سوگواری سی چھائی ہوئی تھی۔ میں کیاری کے قریب بیٹھا تھا۔ میں ایسا اداس تو نہ تھا۔ اب پھر کنول یاد آ رہی ہے۔ شاید وہ بھی مجھے یاد کر رہی ہو، کہتے ہیں کوئی یاد کرتا ہے تو جس کو یاد کیا جاتا ہے اس کو ہچکی آتی ہے۔ مجھے ہچکی تو نہیں آتی۔ وہ سمجھ رہی ہوگی میں پھر بھاگ گیا اس نے ضرور کراچی فون کیا ہوگا۔

اکبر بھی پریشان ہوگا اس کی ماں بھی پریشان ہو جائے گی۔ اتنے لوگ میری وجہ سے پریشان ہوں گے لندن تک پریشانی پھیل جائے گی۔ میری زندگی کیا صرف اس لئے ہے کہ کبھی خود پریشان تو

کبھی میرے پیارے میری وجہ سے پریشان کیا یہ زندگی کے کھیل کا حصہ ہے۔

کچھ لوگ ظلم کرنے کو آتے ہیں اور کرتے ہی رہتے ہیں کچھ لوگ ظلم سہنے کو آتے ہیں اور وہ ظلم سہتے ہی رہتے ہیں کسی کے ہاتھ میں لکڑی ہوتی تو کسی کے سر پر لکڑی پڑتی ہے اور پوری زندگی پڑتی رہتی ہے یہ تو نصیب کی بات ہے۔ تو ثابت ہوا کہ سارا کیا دھرا نصیب کا ہے پھر رونا دھونا کیا، ڈال تو دیا نصیب پر پھر یہ اداسی اور سوگواری کیوں؟ جو سامنے ہے اسے تو بھگتنا پڑے گا راضی سے یا غیر راضی سے آخر نصیب کا لکھا ہے۔

میں نہ جانے کیا اناپ شناپ سوچتا چلا جا رہا تھا، سوچ کی گاڑی رک ہی نہیں رہی تھی کہ اچانک پنڈت آ گیا۔

''میں نے کہا آج تم ٹھیک وقت پر آئے ہو میرا دل کسی سے بات کرنے کو کر رہا تھا۔''

''فرصت ملتی ہے تو ضرور آتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''چاندنی کا کیا حال ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ! ہاں وہ! بس کیا بتاؤں؟'' وہ بولا۔

''تم کہتے کہتے رک گئے، بتاؤ کیا حال ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''بات یہ ہے راجن بابو کہ کتنے دنوں سے میں ان کے پاس نہیں جا سکا ہوں کچھ آپ کے ہی کام کر رہا تھا۔'' پنڈت نے جواب دیا۔

''تم کو میرا اس لئے خیال ہے کہ میں گردھاری ٹرسٹ کا ہونے والا مالک ہوں کروڑوں کی جائیداد اور پورے بھارت میں میری دولت بکھری پڑی ہے اور تم کو میری سب سے پیاری چیز کا ذرا سا خیال نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''غلطی ہو گئی کام بہت تھا اور وقت کم تھا معاف کر دو راجن بابو۔'' وہ بولا۔

''دیکھو پنڈت! میں تم کو اپنی پوری جائیداد اور دولت دے سکتا ہوں چاندنی کا تم کو خیال رکھنا ہوگا، اس کے بغیر میرا جنم ادھورا ہے، میں پھر واپس جا سکتا ہوں، چاندنی کے بغیر میں اس جنم کو قبول نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کہا نا کہ معاف کر دو، خیال رکھوں گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم اندازہ نہیں کر سکتے میں اس جنم میں آیا ہی چاندنی کی خاطر ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہی تم نے واپسی کی جو بات کی ہے کیا یہ تمہارے بس میں ہے۔'' پنڈت نے پوچھا۔

''بس میں اس طرح ہے کہ میں اس شریر کا ہی خاتمہ کر دوں۔'' میں نے کہا۔

''نا نا یہ نہ کرنا یہ تو آتما ہتھیا ہو جائے گی۔'' پنڈت نے کہا۔

''جو کچھ بھی ہو، میں اس کی پرواہ نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''ابھی تمہاری ضرورت مجھے بہت ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں جانتا ہوں تم کو میری گدی نظر آ رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''چاکری کا کچھ تو کارن ہوتا ہے۔ آخر میں بھی انسان ہوں میری بھی کچھ تو خواہش ہوگی۔'' وہ بولا۔

''میں نے کہا نا کہ میں سب کچھ تجھے دینے پر تیار ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ کام اس طرح تو نہیں ہوگا۔ عدالت میں جج کے سامنے اقرار کرنا ہوگا دھرم کے لوگوں کو یقین دلانا ہوگا راجن سیٹھ کا دوسرا جنم بڑی دھوم سے ہوگا۔ یہ کوئی معمولی نوعیت کا جنم نہیں ہوگا۔ آخر ستر سال کے بعد راجن پھر زندہ ہوگا اس کا جشن ہندو جاتی کے ہر گھر میں ہوگا۔ میرے عقیدے کے سب قائل ہوں گے آواگون کو نہ ماننے والے بھی اس کے گواہ بن جائیں گے یہ ہمارے دھرم کی بہت بڑی فتح ہوگی۔'' پنڈت نے جوش سے کہا۔

''تم نے تو بڑے بڑے پروگرام بنائے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کوئی نیا پروگرام نہیں بنایا ہے میں اسی سلسلے کو آگے بڑھاؤں گا جو موہن لال اور بھگوان داس نے پروگرام بنایا تھا۔ ان کے پروگرام میں ذرا سی تبدیلی کرنا ہوگی تمہاری پیدائش تو وہی رکھنا ہوگی صرف کچھ عرصہ پھر تم بھول گئے تھے اور تیس سال تم نے بھول میں حیدر بن کر گزار دیئے اور اب پھر سے تم راجن ہو اب کے راجن میں اور پہلے کے راجن میں یہ فرق تھا کہ وہ کبھی کبھی بہک جاتا تھا اس کے دماغ کو کنٹرول کرنا پڑتا تھا۔ اس کو راجن بنایا گیا تھا اور تم کو تو از خود اپنا پچھلا جنم یاد آیا ہے حیدر اور راجن میں کیا تعلق ہے یہ بات اب تک میری بھی سمجھ میں نہیں آئی شاید حیدر کی شکل وصورت راجن کی شکل وصورت ہے اور اسی بنا پر چاندنی حیدر کی طرف راغب ہوئی تھی آگے کا بھگوان جانے۔'' پنڈت نے کہا۔

''بھگوان تو جانتا ہی ہے اور میں بھی یہ جانتا ہوں کہ چاندنی کے بغیر میرا جنم بے کار ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا۔ راجن بابو۔'' وہ بولا.....

''حالات کو قابو کرنا ہے۔''

''ارے کیا قابو کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ابھی کچھ کانٹے ہیں وہ شکلہ انتظار کر رہا ہے وہ پھر کرید کرے گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''کب تک میں اس ریگستان کی دھول چاٹتا رہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''اب زیادہ نہیں تھوڑا سا اور انتظار ہے۔'' وہ بولا۔

اور پنڈت چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی DSP آ گیا۔

''بہت دن بعد چکر لگا۔'' میں نے کہا۔

''ضرورت نہیں تھی اس لئے نہیں آیا۔'' وہ بولا۔

''کچھ حالات تم بتاؤ بمبئی میں کیا ہو رہا ہے؟''

''میں بمبئی سے نہیں آیا ہوں۔'' وہ بولا۔

''پھر بھی کچھ تو بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''تم نے جو کھیل شروع کیا ہے وہی توڑ تھا پنڈت کے منتر کا، اس نے خود تمہارے راستے کے تمام کانٹے چن لئے ہیں۔ مگر ایک بہت بڑا کانٹا شکلہ کا موجود ہے وہ تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ تمہارے راجن کے روپ کو صرف وہی خطرہ ہے تم حیدر کے روپ میں اس کی نظر میں بے گناہ ہو اس نے بہت دور تک تحقیقات کر لی ہے مگر راجن کا روپ اس کو پھر چونکا دے گا۔ پنڈت تم کو اس کے روبرو کرنا نہیں چاہتا کیونکہ پنڈت کو شکلہ سے خطرہ ہے۔'' DSP نے کہا۔

''اس کا تو مطلب ہوا شکلہ میرے لئے فائدہ مند ہے۔'' میں نے کہا۔

''ضرور ہے مگر پنڈت تم کو یہ فائدہ کب اٹھانے دے گا۔'' وہ بولا۔

''تم مجھے بمبئی شکلہ کے پاس نہیں پہنچا سکتے۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں یہ میرے دائرہ اختیار سے باہر کی بات ہے۔'' وہ بولا۔

''پھر تم کیا کر سکتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ سانپ اور سیڑھی کا کھیل ہے۔ پنڈت کو ابھی سیڑھی مل رہی ہے وہ اوپر جا رہا ہے۔ وہ پھر نیچے جائے گا اور پھر میں سیڑھی پر ہوں گا۔ اس کے لئے دانے کی محتاجی تو ہے مگر نہ ہمیشہ کسی کو سیڑھی ملتی ہے۔ نہ وہ ہمیشہ سانپ کے منہ میں جاتا ہے بڑے تحمل اور صبر کی ضرورت ہے۔'' وہ بولا۔

''کچھ دنوں سے میری بے چینی بڑھ گئی پہلے ایسا نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔

''میں جانتا ہوں مگر ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ تم نے مقابلہ اچھا کیا ہے مگر کھیل ختم کہاں ہوا ہے ابھی آخری سیٹی ریفری نے نہیں بجائی۔'' DSP نے کہا۔

''مجھے لگتا ہے تم کچھ مجھ سے چھپا رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''سب کچھ پتہ نہیں ہوتا اور سب کچھ بتایا نہیں جاتا۔ کہیں پر نقصان کا ڈر ہوتا ہے تو کہیں فائدے کا ڈر ہوتا ہے انسانی فطرت ہے کہ وہ صرف اپنی حد تک دیکھتی ہے۔ مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی ذات کی نفی کرتے ہیں اوروں کی فکر کرتے ہیں حکم صرف ان کے چلتے ہیں سب کے راستے بنے ہوئے ہیں ان راستوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا میں کون ہوں اس کی کھوج کبھی مت کرنا اور اگر کرے تو بھی کچھ نہیں ملے گا۔ پنڈت نے بھی کھوج کی ہے کیا ملا، شکلہ نے نجی پورا عملہ لگایا ہوا ہے مگر وہ مجھ سے دور ہے اور دور ہی رہے گا۔'' DSP نے جواب دیا۔

''تم نے اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا ورنہ مجھ سے غلطی ہو ہی جاتی۔'' میں نے کہا۔

''تمہیں کیا کرنا ہے میں تجھے نہیں بتا سکتا جو کرنا ہے خود کرنا ہے۔'' وہ بولا۔

''تو پھر تم میری کسی مقام پر مدد بھی نہیں کرو گے۔'' میں نے پوچھا۔

''اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''مجھے تم کو دیکھ کر ایک ڈھارس ہوتی ہے کہ میرے بھی ہمدرد بمبئی میں ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اپنے راستے خود بنانا پڑتے ہیں تم کسی پر بھروسہ نہ کرو خود پر بھروسہ سچا بھروسہ ہے۔'' وہ بولا۔

''تم نے بہت اچھی بات کی ہے سچا بھروسہ خود کا بھروسہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''کچھ باتیں انسان جانتا نہیں اور جو جانتا ہے اس کے بتانے سے نقصان ہے تو نہ بتانا ہی بہتر رہتا ہے۔ بعض دفعہ آگہی دردسری بن جاتی ہے میری بات سمجھ میں آ رہی ہے۔'' DSP بولا.....

''کچھ سمجھ رہا ہوں کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''بس اتنا ہی بہت ہے جو کھلاتا ہے اس کا حق تم پر بنتا ہے یاد کرتے رہنا میں جاتا ہوں۔'' اور DSP چلا گیا جو باتیں وہ کر گیا اس سے پہلے کسی نے نہیں کی تھیں۔ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا کچھ نہیں سمجھ سکا تھا میرے سوالات کے جواب بھی اس نے نہیں دیئے۔ وہ میری ہمدردی میں آتا ہے۔ ضرور، میرے ہی فائدے کی بات ہوگی اس کا ہر حکم اس کا ہر اشارہ مجھے سمجھنا ہوگا کیونکہ میرا فائدہ اسی میں ہے۔ پنڈت تو دشمنی ہے جس طرح بلی، چوہے کو دوست بناتی ہے۔ اسی طرح پنڈت نے مجھے دوست بنایا ہے جب ضرورت پوری ہوگی وہ مجھے الگ کر دے گا۔

☆.....☆.....☆

روشن بمبئی میں تھا۔ راجیش نے پھر سے کاروبار سنبھال لیا تھا۔ مگر روشن کا دل ابھی تک کسی جگہ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ماں کا اکلوتا تھا کنول اس کو بے پناہ چاہتی تھی۔ مگر اس نے روشن کو کبھی اپنے دھرم پر

نہیں لگایا اس نے کبھی گھر میں یا مندر میں روشن کو کبھی پوجا کرنے کو نہیں کہا وہ خود کبھی کبھی مندر جایا کرتی تھی مگر روشن کو ہمیشہ مندر سے دور رکھتی تھی۔ روشن جب ذرا سمجھ دار ہوا تو اس نے صاف صاف بتا دیا۔ ''بیٹا تیرا باپ مسلمان ہے تو ہندو نہیں ہے۔'' حیدر کی خواہش کا اس نے احترام کیا۔ روشن اپنی ماں کی باتیں یاد کرتا رہتا۔ میری ماں کتنی عظیم عورت تھی۔ پھر بڑے ہو کر اس نے باپ کو دیکھا اس کے کردار کو دیکھا۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایسے باکردار ماں، باپ ملے وہ دوستوں میں فخر سے اپنے باپ کا ذکر کرتا تھا۔

وہ اگر ماں کو یاد کرتا تھا تو صرف ماں کو ہی نہیں یاد کرتا تھا اس کے بلند کردار کو بھی یاد کرتا تھا۔

''یوں کب تک رہو گے جو آتا ہے اس کو جانا ہے کچھ خیال کرو۔'' راجیش نے ایک دن کہا۔

''خیال تو کرنا ہوگا ماما.....'' روشن نے کہا۔

''ہمت کرو اگر اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ گے تو کیا کنول کی آتما خوش ہوگی۔'' راجیش نے کہا۔

''آپ نے ٹھیک کہا ہے ماما، میں کوشش کرتا ہوں۔''

''دنیا کے کاروبار بند نہیں ہوتے ہم نے کسی کی جگہ لی ہے کوئی ہماری جگہ لے گا یہی ہوتا آیا ہے۔ تیاری کرو تمہاری ضرورت لندن میں ہے حیدر کے نہ ہونے سے ضرور کچھ نہ کچھ فرق تو پڑا ہے۔ میں بمبئی میں ہوں حیدر کی تلاش جاری رکھوں گا تم اس طرف کی فکر نہ کرنا۔'' راجیش نے کہا۔

''ماما اب میرا دنیا میں صرف ایک پیارا ہے اور وہ ڈیڈی ہیں، ماں چلی گئی، میں ڈیڈی کو کھونا نہیں چاہتا۔'' روشن نے جذباتی ہو کر کہا۔

''میں جانتا ہوں! میں خود حیدر کو کھونا نہیں چاہوں گا کیونکہ میں نے اس کو ہر کسوٹی پر پرکھا ہے، وہ کھرا ہی نکلا ہے، ہر ترازو پر رکھا ہے اس کا وزن کم نہیں ہوا۔ میرے دل میں اس کی بڑی عزت ہے اہمیت ہے۔ میں کب اس کو کھونا چاہوں گا۔'' راجیش نے کہا۔

''اور جب وہ آ جائیں تو میری فوراً بات کرا دینا، میں جاتے ہی واپسی کا ٹکٹ خرید لوں گا۔'' روشن نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم تیاری کرو۔''

روشن لندن چلا گیا۔ بڑا اداس بڑا غمگین یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ اتنا اداس گیا تھا۔ راجیش راجن پروڈکشن کے آفس آ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا سیکریٹری نے فون پر بتایا۔

''سر ایک آدمی آپ کا انتظار کر رہا ہے۔''

''ابھی کسی کو مت بھیجنا میں کہوں تو.....'' اور اس نے فون رکھ دیا۔ ''روشن کو دیکھ کر وہ خود بھی کنول کو یاد کر رہا تھا وہ کتنی بلند کردار تھی اس کی یاد نے حیدر کی بھی یاد دلا دی تم دونوں نے مجھے بہت سبق دیا ہے تم دونوں ہی عظیم ہو میں تم دونوں کا حق ادا نہ کر سکا۔'' راجیش نے خود سے کہا۔

اس نے فون اٹھایا اور سیکریٹری کو کہا۔ ''کون ہے؟ بھیج دو۔''

آنے والا کوئی اور نہیں پروفیسر پنڈت تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔ راجیش نے حیرت سے اس کو دیکھا اور بولا۔ ''ارے پروفیسر بڑے دن بعد درشن ہوئے ٹھیک تو ہو۔''

''ہاں خوب ٹھیک ہوں مگر تم نے تو یاد نہیں کیا۔'' وہ بولا۔

''کیا تھا مگر تم جانتے ہو کاروبار تو کرنا ہی ہے زندہ تو رہنا ہے۔'' راجیش نے کہا۔ پھر سانس لے کر بولا۔

''پنڈت، راجن ہوائی کردار تھا تم اس کے ڈائریکٹر تھے اور موہن لال نے کہانی لکھی تھی۔ میں اور پتاجی تو معاون تھے اس ہوائی کردار کو تم نہ بنا سکے تو جھوٹل مجھ پر کیوں اتارتے ہو۔ ہم نے تو تمہارا ساتھ دیا تھا تم تو بار بار رسی توڑ رہے تھے۔''

''میں نے میدان چھوڑا تو نہیں تھا۔'' وہ بولا۔

''ہم نے تم کو میدان میں رہنے کی پوری فیس ادا کی تھی۔'' راجیش نے کہا۔

''وہ آپ کی مجبوری تھی اور میری ضرورت بھی تھی۔'' پنڈت نے کہا۔

''پھر کھیل کیوں بگڑ گیا؟'' راجیش نے پوچھا۔

''یہی سوال میں تم سے کرتا ہوں تم بتاؤ۔'' پنڈت بولا۔

''میرے اندازوں اور معلومات کے مطابق ہماری سب کی بدنصیبی تھی کہ ہم کامیاب نہیں ہوئے۔'' راجیش نے کہا۔

''کوئی وجہ تو ہوگی۔'' پنڈت نے پوچھا۔

''وجہ تم جانتے ہو وہ کون تھا جس نے حیدر کو کراچی روانہ کر دیا تھا۔'' راجیش نے کہا۔

''مجھے کیا پتہ، پتہ ہوتا تو میں کچھ کرتا۔'' پنڈت نے کہا۔

''اب لکیر کو پیٹنے کا فائدہ سانپ تو چلا گیا بات ختم۔'' راجیش نے کہا۔

''اور اگر میں کہوں بات ختم نہیں ہوئی تو پھر۔'' پنڈت نے کہا۔

''پھر کے آگے بھی تم ہی بولو۔'' راجیش نے جواب دیا۔

''حیدر کو واقعی اپنا پچھلا جنم یاد آ گیا ہے۔'' پنڈت نے رازداری سے کہا۔

راجیش اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہا کہا تم نے دوبارہ کہو۔'' وہ بولا۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ اور شانتی سے میری بات سنو۔'' پنڈت نے کہا۔

''جلدی سے بولو تم نے ابھی کیا کہا تھا۔'' راجیش بے چینی سے بولا۔

''حیدر اب حیدر نہیں ہے وہ راجن ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''مگر وہ ہے کہاں یہ تو بتا؟'' راجیش بے تاب تھا۔

''تمہیں اب اس سے کیا کہ وہ کہاں ہے۔'' پنڈت بولا۔

''یہی تو ضروری ہے کہ وہ کہاں ہے؟'' راجیش نے پوچھا۔

''اگر زیادہ ہوشیاری کرو گے تو گھاٹے میں رہو گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''اچھا تو بتاؤ میں خاموش ہوں۔'' راجیش بولا۔

''اب آئے نا کینڈے پر زیادہ ہوشیاری بھی کبھی کبھی مہنگی پڑ جاتی ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

راجیش خاموش رہا۔

پنڈت بولا۔'' تم موہن لال اور تمہارے پتا بھگوان داس حیدر کو راجن بنانے میں خرچ ہو گئے اور جب بنا پائے تو وہ خرچ ہو گیا وہ بات ہی ختم ہو گئی۔ مگر بات موہن لال جی کے لئے ختم ہو گئی تھی تمہارے پاس اور بھگوان داس کے پاس ختم ہوئی تھی میرے پاس تو ختم نہیں ہوئی تھی۔

میں تو تیاری کر رہا تھا اور آج گرو کی کرپا سے ضرورت بھر شکتی میرے پاس ہے۔ حیدر دوبارہ آئے اس کے تو میں انتظار میں تھا میں نے اس کو دھرتی کے اس چھور پر پہنچا دیا جہاں آدمی کا گزر نہیں ہے اور شکلہ کے ذہن میں بمبئی بم بلاسٹ کرنے والے ماسٹر مائنڈ کا نام حیدر ڈال دیا۔

اس کے خلاف فائل کھل گئی اگلی پچھلی ساری باتیں سامنے آنے لگیں۔ بمبئی سے فرار کی داستان بھی آ گئی مگر یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ کون تھا جو حیدر کو صاف بچا کر لے گیا۔

اور بھی کیس اس پر بنوائے گئے میں چاہتا تھا سب کھایا پیا نکلوا دوں۔ مگر واری قسمت میں خود اپنے جال میں پھنس گیا۔ یہاں پر میری شکتی میرے گلے میں اٹک گئی۔

اچانک حیدر راجن بن گیا۔ اس کو اپنا پچھلا جنم خود بخود یاد آ گیا اور وہ چاندنی کو پوچھنے لگا میں نے اس کے اندر باہر دیکھنے کی کوشش کی مگر سارے دروازے بند تھے میں اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔ مگر اب اس کا منظر عام پر آنا موت کو دعوت دینا تھا۔ پولیس اس کی تاک میں تھی شکلہ دانت نکوس رہا تھا۔ اب میں کیا کروں تو پھر مجھے الٹی فلم چلانا پڑی۔

بمبئی بم بلاسٹ کے مجرم کون تھے ان کو تلاش کرنا پڑا اور ان کے ٹھکانے اور نام شکلہ کے ذہن

میں ڈالنا پڑے اور مجرم پکڑے گئے۔ اسی طرح سب کام کرنا پڑا اور حیدر کی پوزیشن صاف کرنا پڑی اب شکلہ کے ذہن میں حیدر کے لئے ہمدردی تو ہے مگر پھر بھی کچھ سوالات ہیں۔

ان کے جوابات وہ لازمی چاہے گا دوسری سب سے بڑی پریشانی یہ ہو گئی ہے کہ وہ چاندنی کو پوچھتا ہے وہ آتے ہی اس سے ملنا چاہے گا اس کا کیا حل ہے میری ودیا اور عقل دونوں یہاں آ کر جواب دے جاتی ہیں۔ سب سے بڑی سمسیا ہے یہ۔'' پنڈت بولا۔

''اس کو ٹالا نہیں جا سکتا۔'' راجیش نے کہا۔

''ارے بھلے مانس وہ چاندنی کے بدلے اپنی پوری جائیداد اور دولت دینے کو تیار ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''دیکھو پنڈت مجھے راجن اور چاندنی میں دلچسپی نہیں ہے مجھے اس کی دولت سے بھی سروکار نہیں ہے تم نے محنت کی ہے وہ تمہارا ہی حق ہے میری دلچسپی صرف حیدر میں ہے وہ میرا بہنوئی ہے۔ بہن نہیں رہی مگر رشتہ تو برقرار ہے میں حیدر کو زندہ سلامت دیکھنا چاہتا ہوں خواہ وہ راجن کے طور پر ہو، مجھے اور روشن کو اس کی زندگی عزیز ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''تو پھر تم کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں ہر طرح تم سے تعاون کروں گا۔'' راجیش نے کہا۔

''تم فلمی آدمی ہو بوڑھے کو جوان جوان کو بوڑھا کرتے ہو۔ میک اپ اور گیٹ اپ کے تم ماہر ہوتے ہو۔ کچھ عرصہ کے لئے کسی کو تم کوئی چاندنی نہیں بنا سکتے جو عمر کنول کی تھی اسی عمر کی عورت اسی ڈیل ڈول کی اور کچھ تھوڑی بہت ملتی جلتی سی تلاشی کرو اس کو اس کا پارٹ کراؤ جب تک راجن کے بیانات کورٹ میں نہ ہو جائیں وہ اس کی بیوی کا پارٹ کرلے گی اس کو ٹرینڈ کرنا اور پارٹ یاد کرانا تمہارا کام ہے اگر اس کام میں کچھ وقت بھی لگتا ہے تو لگنے دو مگر کام پکا کرو عورت کو بھرپور معاوضہ دو۔ باقاعدہ اس پر ایک آدمی مقرر کر دو وہ روز اس کے ساتھ اس کو مشق کروائے۔

ایک ڈمی راجن اس کے ساتھ ہو تم مجھ سے بہتر جانتے ہو نقلی کو اصلی کس طرح بنایا جاتا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم نے سوچ لیا اور ہو گیا، ارے یہ کوئی فلم ہے کہ پھر ری ٹیک کر لیں گے۔'' راجیش بولا۔

''ہاں اس میں غلطی کی ذرا سی گنجائش نہیں ہے۔'' پنڈت بولا۔

''ساری محنت پر ذرا سی غلطی پانی پھیر سکتی ہے۔''

''میں نے بچپن میں ایک فلم دیکھی تھی وہ آئیڈیا میرے ذہن آتا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''بتاؤ شاید ٹھیک ہو۔''

''فلم کی پہلی ریل میں ہی ہیروئن کو جادوگر مینا بنا دیتا ہے۔ ہیرو پوری فلم میں مینا کو اپنے ساتھ رکھتا ہے اور جادوگر سے جنگ کرتا رہتا ہے اور ریل کے آخری حصہ میں مینا پھر عورت بن جاتی ہے اور فلم ختم ہو جاتی ہے ہیروئن نے کچھ نہیں کیا مگر فلم چل تو رہی تھی۔

''آئیڈیا اچھا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''چاندنی کو بیمار کر دیتے ہیں بات چیت سے پرہیز اس طرح بہت سی باتوں سے ہم شک شبہ سے دور ہو جائیں گے راجن خود اب کون سا جوان ہے ظاہر چاندنی بھی بوڑھی ہو گئی ہے۔ رنگ روپ میں فرق تو آنا ہی ہے اور پھر بیمار بھی ہے عورت کے ڈائیلاگ کم سے کم رکھنے ہیں اور ڈائریکٹر روز اس کو آ کر پلے کرنے کے ڈھنگ بتائے گا یہ پکا بندوبست کرنا ہے آدمی بھروسے کے ہوں۔ عورت بھروسے کی ہو بس اس کا خیال رکھنا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''پنڈت تمہاری کھوپڑی خوب چلتی ہے ان کاموں میں۔'' راجیش نے کہا۔

''ہر توڑ کا جوڑ ہوتا ہے کرنے والا چاہئے۔'' وہ بولا.....

''ٹھیک ہے پلان تم نے دے دیا میں تیار ہوں صرف حیدر کی بقا اور زندگی کی خاطر میں تمہاری بات مان رہا ہوں پھر کہتا ہوں مجھے کسی قسم کا لالچ نہیں ہے۔ جو خرچ ہو گا وہ بھی کروں گا تم سے نہیں کہوں گا تم سے صرف حیدر کی خیریت طلب کروں گا۔'' راجیش نے کہا۔

☆.....☆.....☆

فلم کی دنیا نقل کی دنیا ہے۔ یہاں پر اصل بھوکا ہے اور نقل محلات میں رہتا ہے۔ اصل بھوکا ہے اور نقل تاج میں ڈنر کرتا ہے۔ یہاں پر ہر چیز میں ملاوٹ ہے۔ یہاں تک کہ محبت میں بھی ملاوٹ ملتی ہے۔ ساری ریت رواج اس کے الگ ہیں۔ راجیش تو ایک بڑی کمپنی کا مالک تھی کئی کئی فلمیں اس کی سیٹ پر تھیں اس کے لئے نقلی چاندنی پیدا کرنا کون سا مشکل کام تھا۔

اس نے کنول کی عمر کی پرانی ہیروئنوں پر نظر ڈالی اور اس کی نظریں پربھا پر ٹک گئیں۔ پربھا کسی زمانے میں ہیروئن ہوا کرتی تھی۔ بڑے بڑے ہیرو اس کی چوکھٹ پر کھڑے رہتے تھے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر ملاقات کا وقت مانگا کرتے تھے مگر وقت بدلہ، اس نے شادی کر لی ایک لڑکی پیدا ہو گئی اور پربھا کی چوکھٹ سونی ہو گئی۔ اس کے قدردان کسی اور کی تلاش میں چلے گئے ہیروئن کے بعد ماں کے پارٹ پر ہی اس کو قناعت کرنا پڑی مگر اس کی بیماری نے اس کو وہ بھی نہ کرنے دیا آخر وقت سے پہلے ہی لڑکی کو فلم لائن میں لانا پڑا کیونکہ پتی تو لڑکی پیدا ہوتے ہی ہوا ہو گیا تھا۔ یہ یہاں کی پرانی ریت

ہے، جوانی کے سب ساتھی ہوتے ہیں بڑھاپے میں کوئی قریب نہیں آتا، لڑکی کو چھوٹے موٹے پارٹ مل رہے تھے مگر وہ اپنا گزارا کسی بھی طرح کر لیتی تھی۔ پربھا کو اگر کوئی ڈھنگ کا کام دیتا تو کر لیتی مگر بیماری کا سن کر تو کوئی قریب بھی نہیں آتا تھا۔

بوری بندر کی جھونپڑ پٹی میں رہتی تھی۔ وہاں پر کسی ڈائریکٹر کی گاڑی نہیں جا سکتی۔ راجیش نے اپنے سیکریٹری سے پوچھا۔

''تم پربھا کو جانتے ہو کسی زمانے میں ہیروئن تھی پھر ماں کے پارٹ کرتی تھی۔ اپنے زمانے میں اچھی تھی۔''

''سر میں نے تو نام بھی نہیں سنا۔'' وہ بولا۔

''میں نے سنا ہے تم اس کا پتہ چلاؤ کہاں رہتی ہے اور اس کو بلواؤ ضرورت ہے۔'' راجیش نے کہا اور سیکریٹری نے کھوج کرنا شروع کر دیا اس نے اس کی لڑکی کا کھوج نکال لیا اور پیش کر دیا۔

''سر یہ پربھا کی لڑکی ہے۔'' سیکریٹری نے بتایا۔

راجیش نے پوچھا۔ ''پربھا کیسی ہے؟ کام کرے گی۔''

''اب تو ٹھیک ہیں سر، ذرا کمزور ہیں۔'' وہ بولی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' راجیش نے پوچھا۔

''میرا نام کملی ہے سر، میں اسی نام سے کام کرتی ہوں۔''

''کل اپنی ماں کو لے کر دفتر آنا تمہیں بھی کام دوں گا اور پربھا کے لئے ایک پارٹ ہے بہت بڑھیا تم دونوں کو کام ملے گا۔ اگر تم نے محنت سے کام کیا تو ہیروئن بنا دوں گا۔'' راجیش نے کہا۔

کملی کا تو یہ سن کر دم پھول گیا اس نے کب یہ سوچا تھا وہ تو اڑتی ہوئی پربھا کے پاس پہنچی اور پھولی سانسوں سے بڑی مشکل سے بولی۔

''ماں جی، کمال ہو گیا! آج میں بہت خوش ہوں۔''

''اری کیا دیوانی ہو گئی ہے۔ آرام سے بات کر ہوا کیا ہے؟''

''ماں آپ نے راجیش بابو کا نام سنا ہے۔'' وہ بولی۔

''اری کوئی نیا ہے تو میں کیا جانوں۔'' وہ بولی۔

''وہ تم کو جانتا ہے، اس نے آج اپنے دفتر میں بلایا تھا۔ بولا تمہاری ماں کیسی ہے کام کرے گی، میں تو حیران ہوں، ماں تمہارے جاننے والے آج تک ہیں۔''

''کیوں مجھے بے وقوف بنا رہی ہے؟'' پربھا نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اس کے پاس کوئی خاص طور سے تمہارے لئے کریکٹر ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے۔'' کملی نے کہا۔

''اری میرے لئے اب خاص طور سے کریکٹر پیدا کرنے والے نہیں رہے مذاق کرنا ہوگا۔'' وہ بولی۔

''اس نے کہا ہے ماں کو لے کر آجانا دفتر میں، تم چلو تو بہت بڑا فلم میکر ہے مجھے بھی ہیروئن بنانے کا کہہ رہا تھا۔'' وہ بولی۔

''اری بے وقوف، کیوں ہوا میں اڑ رہی ہے۔ پوری زندگی اس نگری کی نذر کردی۔ یہاں پر بغیر مطلب کے بیٹا، باپ کو باپ نہیں کہتا آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل جو ایک بار گرا پھر اس کی پیٹھ پر لاتیں پڑتی ہیں اس کو اٹھانے والے ہاتھ نہیں ملتے۔'' پربھا نے اپنے تجربے کی بات بتائی۔

''مجھے پتہ ہے، ماں یہ سب تو میں بھی دیکھ رہی ہوں مگر اس نے بلایا ہے تو تم اسے مل لو ایک تجربہ اور کرلو۔'' کملی نے کہا۔

''مجھے امید تو نہیں بتا کب بلایا ہے۔'' پربھا نے پوچھا۔

''کل ہی بلایا ہے۔'' کملی خوشی سے بولی۔

دوسرے دن دونوں راجیش کے دفتر میں موجود تھیں۔ راجیش بعد میں آیا۔ سیکریٹری نے بتایا۔'' سر یہ پربھا ہیں اور یہ ان کی لڑکی ہے۔''

''مجھے پتہ ہے تم جاؤ۔'' اور پھر پربھا سے بولا۔ ''تم کیسی ہو، پربھا دیوی.....''

''ٹھیک ہوں سر.....'' وہ بولی۔

''کچھ کام کر رہی ہو کہ فارغ ہو۔'' وہ بولا۔

''کام کون دیتا ہے مجھے سر، میں تو بھولی بسری ہوگئی ہوں۔'' پربھا نے کہا۔

''میرے پاس ایک کریکٹر ہے تم اگر کرو تو بولو۔'' راجیش نے کہا۔

''ضرور کروں گی سر کیوں نہیں کروں گی۔''

پھر اس نے گھنٹی بجائی چپراسی آن کھڑا ہوا تو وہ بولا۔

''پاڈیکر کو بلاؤ۔''

چند منٹ میں ہی ایک جوان سا آدمی اس کے پاس کھڑا تھا۔ راجیش بولا۔ ''پاڈیکر اس لڑکی کے دو چار فوٹو بناؤ۔ بہت اچھا فوٹو سیشن کراؤ ذرا زوردار طریقہ پر دو چار میگزین میں پبلی سٹی کراؤ پھر بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے؟''

پاڈیکر نے بڑے ادب سے کملی کو کہا۔ ''آیئے میڈم۔'' کملی نے حیرت سے اس کو دیکھا۔ کملی ایکسٹرا گرل اور میڈم، حیرت کی تو بات تھی۔ پربھا کے لئے کچھ کم اور کملی کیلئے بہت زیادہ پاڈیکر کے ساتھ کملی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد راجیش نے پربھا کو کہا۔

''حیرت نہ کرو پربھا دیوی، کبھی کبھی خوش نصیبی دروازے پر دستک دے کر بھی آجاتی ہے۔''

''آپ نے ٹھیک کہا مجھے بھی زندگی کا پہلا تجربہ ہوا ہے۔ اس لئے حیران ہوں۔'' وہ بولی۔

''تم نے تو اس لائن میں ٹھنڈا گرم سب کا مزا لیا ہے بتاؤ یہ سب میں کیوں کر رہا ہوں۔'' راجیش بولا۔

''آپ برا تو نہیں مانیں گے سر۔'' پربھا نے کہا۔

''میں ناکارہ سی عورت ہوں مجھے کام بھی کوئی نہیں دیتا۔ پھر آپ کو ضرور مجھ سے کچھ کام تو لینا ہے۔'' وہ بولی۔

''تمہارے تجربے نے بالکل ٹھیک تم کو بتایا۔'' راجیش نے کہا۔

''اس بے وفا نگری کی دھول چاٹی ہے سر۔'' وہ بولی۔

''ایک پلے ہے میرے پاس بڑا پلے ہے شاید دو چار سال تک تم کو متواتر کرنا پڑے۔'' وہ بولا۔

''کوئی بہت بڑا پروجیکٹ ہے۔'' وہ بولی۔

''ہاں بہت بڑا۔ اتنا بڑا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔'' راجیش نے کہا۔

''اتنا بڑا پلے مجھے ملے گا اس عمر میں، میں نہیں سوچ سکتی تھی۔'' پربھا نے کہا۔

''وہ کریکٹر کچھ اس قسم کا ہے کہ اس میں ری ٹیک کی ذرا سی گنجائش نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اسٹیج پر کھیل ہو رہا ہے ذرا سی بھول پورے کھیل کو ختم کرسکتی ہے۔''

''سر آپ نے تو مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے کوئی اسٹیج ڈرامہ ہے کیا۔'' وہ بولی۔

''نہ یہ کوئی اسٹیج ڈرامہ ہے نہ اس میں تم کو کوئی کمرہ نظر آئے گا نہ اسٹارٹ کٹ کی آواز آئے گی کوئی تمہارے پاس نہیں ہوگا جو پارٹ تمہارا ہے تم کو بتا دیا جائے گا تمہاری آسانی کو بہت کم ڈائیلاگ رکھے ہیں تم کو بھرپور معاوضہ دیا جائے گا کرنا کچھ نہیں ہوگا تم اسپتال کے ایک ایئر کنڈیشن کمرے میں ہوگی اور اپنا پارٹ اکیلے میں بھی اور ہیرو کے ساتھ بھی پلے کرو گی تو خود کو کبھی یہ نہ سمجھنا کہ تم اکیلی ہو تم جب تک اس کمرے میں رہو گی اداکاری کرو گی۔ تمہارا علاج بھی ہوگا اس کا خرچ بھی میں ادا کروں گا آگے کا سارا پروگرام ڈائریکٹر بتائے گا سب سے بڑی شرط تمہارے لئے یہ ہے کہ تم کسی سے نہیں ملو گی اور تم سے ملنے اسپتال کوئی نہیں آئے گا اور جو کچھ تم سے کروایا جائے کرو گی اور تم بھول جاؤ گی کہ تم پربھا

دیوی ہو یہی اس کریکٹر کی خاص بات ہے اور یہ ایک بہت بڑا راز ہے کام ختم ہونے کے بعد بھی کسی کو نہیں بتاؤ گی۔

تمہاری لڑکی کملی کو میں اسٹار بناؤں گا یہ میرا وعدہ ہے مگر تم کو ثابت کرنا ہوگا کہ تم بھی اچھی اداکارہ ہو اگر تم نے اچھا کام نہ کیا اور شرائط پر پوری نہ اتریں تو تمہاری لڑکی ایکسٹرا گرل ہی رہے گی اور تم بوری بندر کی جھونپڑ پٹی میں واپس چلی جاؤ گی بولو تم کو منظور ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''مجھے تو لگ رہا ہے جیسے میں سپنا دیکھ رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''بعض دفعہ جاگتے ہوئے بھی انسان سپنا دیکھتا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''میں اپنی پوری زندگی کا نچوڑ اس کریکٹر میں پیش کروں گی۔'' وہ بولی۔

اور پربھا کو ناناوتی اسپتال کے ایئر کنڈیشن روم میں داخل کر دیا گیا۔ کملی کو ایک فلیٹ کمپنی نے دلا دیا اور کملی کی پبلی سٹی زوروں پر ہونے لگی۔ پربھا کے پاس ڈائریکٹر روز آنے لگا۔ پربھا حیران تھی فلم کا کوئی شور نہ تھا فلم کا کوئی نام نہ تھا۔ کسی کردار کا پتہ نہ تھا اور ڈائریکٹر اس کو ریہرسل پر ریہرسل کرا رہا تھا۔ اس کو ایک، ایک ڈائیلاگ بتا رہا تھا۔ اس کی صحت بہتر ہو رہی تھی میک اپ مین آ رہا تھا ہر زاویئے سے اس کو دیکھا جا رہا تھا۔ فوٹو بن رہے تھے اور میک اپ میں ضروری تبدیلی کی جا رہی تھی۔ کسی عورت کے فوٹو سے اس کے فوٹو کو ملایا جا رہا تھا پھر اس کو ویسا ہی میک اپ کیا جا رہا تھا یہ کام تسلسل کے ساتھ ہو رہا تھا۔

''تم پربھا دیوی نہیں ہو اب تم کو صرف وہ نام یاد رکھنا ہے جو کریکٹر کا ہے اور وہ نام چاندنی ہے تم پربھا کو بھول جاؤ اور خود کو چاندنی خیال کرو اب تم چاندنی ہو۔'' ڈائریکٹر نے کہا۔

تین ماہ کے بعد پربھا چاندنی بن گئی اس کا اٹھنا بیٹھنا بات کرنے کا انداز سب کچھ چاندنی کا تھا۔ اس کو ہر طرح آزمایا گیا پربھا کے نام سے پکارا گیا مگر اس نے خود کو چاندنی کے روپ میں ڈھال لیا وہ صرف چاندنی کے نام سے مخاطب ہوتی تھی۔ پربھا دور ہوتی گئی اور اس پر چاندنی سوار ہو گئی۔ ڈائریکٹر نے راجیش کو رپورٹ دے دی۔ ''سب کچھ ٹھیک ہے۔''

☆.....☆.....☆

ساڑھے تین ماہ کے بعد پنڈت آ گیا۔ آتے ہی بولا۔ ''تیاری ہو گئی یا کچھ کمی ہے۔''

''پوری تیاری ہے۔'' راجیش نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے اب راجن کے آنے کا وقت آ رہا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''شکلہ کے بارے میں کیا سوچا ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''شکلہ کو حیدر کی تلاش ہے اور حیدر اب حیدر نہیں راجن ہے وہ شکلہ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے گا۔ ہم سب ہی اس کو راجن کے نام سے پکاریں گے حیدر کوئی نہیں کہے گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''تو پھر کب راجن آ رہا ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''میرے ساتھ منگل وار دوپہر ٹھیک بارہ بجے تمہارے دفتر آ جائے گا۔ تم کسی کو نہیں بتاؤ گے یہ اچانک ہوگا سب کو ایسا ہی لگنا ضروری ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ایسا کیوں ضروری ہے؟ فوٹو گرافر اور اخباری رپورٹر موقعہ پر ہوتے تو پبلی سٹی شروع ہو جاتی۔'' راجیش نے کہا۔

''مگر اس میں تمہارے ملوث ہونے کا بھی ثبوت ملتا۔ تم اگر الگ رہو گے تو فائدہ ہی ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ریکارڈ کے مطابق یہ واقعہ دوسری دفعہ ہوگا پہلی دفعہ تم اس میں شامل تھے تو وہ خود آ کر تم کو پہچان لے گا تو بات میں زور پیدا ہوگا اور لوگ بھی ہماری بات کو سچ مانیں گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''ٹھیک ہے تمہارا پلان ایسا ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''تم اپنے پروگرام کے مطابق دفتر آؤ گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''کہہ تو دیا تمہارے پروگرام پر عمل ہوگا۔'' راجیش نے کہا۔

''راجن بابو خوش ہو جاؤ۔'' پنڈت نے جاتے ہی کہا۔

''کیا خوش خبری ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ کے ملن کا سمے آ گیا ہے۔'' پنڈت بولا۔

''تو پھر تیاری کروں چلنے کی۔'' میں نے کہا۔

''آپ کو میں اسی حالت میں لے کر جاؤں گا۔'' پنڈت بولا۔

''اس سے فائدہ۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ کی گھٹنائیوں کا اندازہ بھی تو کرانا ہے۔'' پنڈت بولا۔

''کہاں لے کر جاؤ گے، مجھے۔'' میں نے پوچھا۔

''بھئی راجیش کو تو آپ جانتے ہی ہو بھگوان داس کا لڑکا، جس کی بہن چاندنی ہے۔'' پنڈت بولا.....

''خوب جانتا ہوں اس نے تو میرے ساتھ مل کر بہت بڑا دھندہ کیا تھا۔ چاندنی کہاں ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ کچھ بیمار ہے اسپتال میں پڑی ہے مگر چنتا کی آویشکتا نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''چاندنی بیمار ہے اور تم کہتے ہو آویشکتا نہیں ہے۔ کیا کہہ رہے ہو۔'' میں نے زور سے کہا۔

''زیادہ بیمار نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''میں سب سے پہلے اسپتال جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ وہ کس اسپتال میں ہے پتہ نہیں ہے راجیش کے ساتھ جانا ہوگا۔'' پنڈت نے بتایا۔

''اچھا تو ٹھیک ہے چلو جلدی کرو۔'' میں نے بے چینی ظاہر کی۔

''ہاں آؤ۔'' پنڈت بولا۔

میں نے کیاری کی طرف منہ کر کے کہا۔ ''اچھا میری تنہائی کے دوستو میں چلتا ہوں۔''

''تم آنکھیں بند کرو اور زمین پر لیٹ جاؤ میں جب کہوں تو آنکھیں کھول دینا۔'' پنڈت نے کہا۔

میں نے زمین پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں اور پھر میرے وجود پر غنودگی چھا گئی۔ نہ معلوم کتنی دیر گزری تھی کہ پنڈت کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ ''آنکھیں کھول لو۔''

میں بمبئی کے سینٹرل اسٹیشن کے گیٹ پر کھڑا تھا میرے ساتھ ایک اپٹوڈیٹ آدمی کھڑا تھا میں نے غور سے اس کو دیکھا وہ پنڈت تھا۔

''آؤ راجن بابو۔'' اس نے ایک ٹیکسی کو روکا اور دفتر کا پتہ بتایا۔ ٹیکسی روانہ ہوگئی۔ ٹیکسی ایک بڑی بلڈنگ کے سامنے رک گئی ہیں اور پنڈت ٹیکسی سے اتر پڑے۔

''آؤ راجن بابو۔'' اور لفٹ کے ذریعہ ہم اوپر پہنچ گئے ایک بہت شاندار دفتر کے باہر بڑا خوبصورت بورڈ لگا تھا راجن پروڈکشن۔ ''اندر آجاؤ راجن سیٹھ۔'' پنڈت نے پہلی بار مجھے سیٹھ کہا میرا بہت بڑا فوٹو دفتر میں لگا تھا میں بہت پرانے دور کے میلے کپڑوں میں اس فوٹو کے سامنے کھڑا تھا ایک طرف سے راجیش آیا اور مجھے لپٹ گیا۔ ''راجن سیٹھ۔''

اور پھر سب طرف سے راجن سیٹھ آ گیا، آ گیا کی آوازیں آنے لگیں اور کچھ ہی دیر میں بھیڑ لگ گئی ہزاروں سوالات تھے جو لوگ مجھ سے کر رہے تھے میرے پھٹے پرانے کپڑے ان پر اثر ڈال رہے تھے۔ میرے دکھوں کی داستان سنا رہے تھے۔ میں کسی کے سوال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

پنڈت بھی خاموش تھا۔

پھر فوری طور پر تاج میں کمرہ بک کرایا گیا اور میں وہاں چلا گیا۔ میرے ساتھ صرف پنڈت اور

راجیش تھے میں نے بہت عرصہ کے بعد اچھا غسل کیا صاف کپڑے پہنے اور اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ اب مجھے کنول کی فکر تھی۔

میں باہر آیا اور پنڈت سے بولا۔ ''چاندنی کے پاس نہیں چلو گے۔''

''ہاں چلو ہم تو تیار ہی ہیں۔'' اور راجیش کی گاڑی ناناوتی اسپتال کی طرف دوڑنے لگی۔ واڈیکر نے ہمارا استقبال کیا۔ راجیش نے پوچھا۔

''سب ٹھیک واڈیکر۔''

واڈیکر بولا۔ ''سب پرفیکٹ ہے سر.....''

واڈیکر پہلے ہی ہیروئن کو بتا چکا تھا کہ اب ہیرو کی انٹری ہونے والی ہے۔

چاندنی بستر پر لیٹی تھی میں اس کے بستر کے قریب کھڑا تھا۔ وہ بے تابی سے مجھے دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کرتی ہے پھر لیٹ جاتی ہے۔ اس کے چہرے کے نقوش کچھ بدلے بدلے سے مجھے لگتے ہیں اگر میں راجن ہوتا تو ضرور گڑبڑا جاتا عمر کی زیادتی اور بیماری کو اس کا کارن سمجھتا مگر میں حیدر تھا اور کنول نے میرے ساتھ عمر گزاری تھی میں دھوکا نہیں کھا سکتا تھا میں نے پہلی نظر میں ہی پہچان لیا کہ یہ اداکاری کر رہی ہے اس کی اداکاری جان دار تھی مجھے بحیثیت راجن کے اس کو چاندنی ماننا تھا۔ یہ بھی مجھے گیم کا ایک حصہ لگتا ہے یہ سب میں نے منٹ کے اندر اندر سمجھ لیا۔ مجھے بے تابی کا اظہار کرنا تھا اگر اس عورت کی اداکاری بھرپور تھی تو اسی کی ٹکر کی اداکاری کرنا تھی۔ میں آگے بڑھا اور میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ ''میری چاندنی تم کب سے بیمار ہو مجھے پتہ نہ تھا ورنہ اڑ کر تمہارے قدموں میں آجاتا۔'' میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور آنسو میری آنکھوں میں آ گئے۔ چاندنی بے تاب ہوگئی۔ وہ بولی۔ ''راجن میرے راجن اب تو تم آ گئے ہو میں ٹھیک ہو جاؤں گی کیوں چنتا کرتے ہو؟'' میں نے کہا۔

''واری قسمت ہم ملے تو اس عمر میں، میں موت سے نہیں ڈرتا مگر اب تم سے بچھڑنے کے خیال سے ڈرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''موت سے ڈرنا کیسا راجن میری اور تمہاری آتماؤں کا ملاپ تو اوپر ہو چکا ہے۔ اب ہم جدا نہیں ہو سکتے اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی۔'' چاندنی نے کہا۔

''میں اب تم سے ایک پل کو جدا نہیں ہو سکتا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے بہت انتظار کیا ہے میں بھی تم کو اپنی نظروں سے دور نہیں کر سکتی۔'' وہ بولی۔

وہ عورت جو بھی تھی بڑی پختہ اداکاری کر رہی تھی اس نے کہیں پر جھجک یا بناوٹ کا احساس نہیں

ہونے دیا۔ میں نے راجیش سے کہا۔

''ڈاکٹروں سے پوچھ لو میں یہاں چاندنی کے پاس رہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''ارے نہیں راجن سیٹھ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں اچھا انتظام ہے۔'' راجیش نے جواب دیا۔

''مگر چاندنی کو میری ضرورت ہے۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''ہے مگر اسپتال میں جو انتظام ہوتا ہے وہ اچھا ہوتا ہے آپ یہاں رہیں گے تو بھی اور نہ رہیں گے تو بھی یہ لوگ ان کا پورا پورا خیال رکھ رہے ہیں آپ روز آسکتے ہیں آنے پر کسی قسم کی پابندی تو نہیں ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں وہاں رہوں گا تو بھی میرا دل تو یہاں ہی رہے گا۔'' میں نے کہا۔

''ظاہر ہے آپ کا تو جنم جنم کا ساتھ ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

میں ایک گھنٹے تک اس کے سرہانے بیٹھا اس عورت کا سر دبا تا رہا وہ خاموش پڑی رہی۔

میں نے اس دوران اس کے چہرے اور بدن کو اچھی طرح چیک کرلیا۔ وہ عورت بڑی بلا کی ذہین اور اداکارہ تھی شاید کسی فلم میں ایسا پارٹ کرتی تو ہال تالیوں سے گونج اٹھتا۔ میں کھڑا ہوگیا۔ ''اچھا چاندنی۔ اور زیادہ میں اپنے صبر کا امتحان نہیں لے سکتا۔ پھر آؤں گا۔'' اور میں نے کسی طرف نہ دیکھا اور کمرے سے باہر آ گیا۔

میں نے خود سے کہا واہ میاں حیدر کبھی تم نے ایسی نیچرل اداکاری کرنے کا سوچا تھا۔ مانا کہ یہ مصلحت اندیشی تھی اور معاملہ فہمی کی ضرورت تھی۔ مگر میں یہ سب کر پاؤں گا اس کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا اب تو نہ معلوم اور کتنی زندگی اسی اداکاری میں گزرے گی کتنے جھوٹ بولنا ہوں گے میرے رب تو جانتا ہے میں کتنا مجبور اور لاچار ہوں میں وہ کر رہا ہوں جو میں نہیں کرنا چاہتا۔''

میں نے باہر آ کر کسی سے بات نہیں کی اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ صرف پنڈت کچھ دیر کے بعد کمرے میں آیا اور بولا.....

''میں آپ کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا ہوں مگر اب اتنی زیادہ فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ چاندنی بہت جلد آپ کے کمرے میں ہوگی وہ بہت تیزی سے صحت مند ہو رہی ہے۔''

''میں سوچ رہا ہوں چاندنی کو عمر نے اور بیماری نے کیسا بدل سا دیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم اس کو ستر سال پہلے کی نظر سے نہ دیکھو کیا تم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔'' وہ بولا۔

''ہاں تم نے درست کہا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس نے اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی پہچان لیا۔ کیا یہ بات تمہارے لئے حیرت کی نہیں۔ تم کو اپنا جنم یاد آیا ہے تو کیا اس کو نہیں یاد آیا اس کو بھی سب کچھ یاد آ گیا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''یہ تو بہت اچھا ہوا ہے ہم دونوں کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہ گیا۔'' میں نے کہا۔

''یہ دنیا کا انوکھا ملن ہے ساری دنیا اس کو دیکھے گی اور یہ چمتکار بھارت کی سرزمین پر ہوا ہے یہ کتنی خوشی کی بات ہے۔ تم کو دنیا دیوتا کی طرح پوجے گی اور چاندنی دیوی کے مندر بنائے جائیں گے ابھی آگے دیکھنا پورے دیش کے اخبار اور ریڈیو تمہارے غلام ہوں گے بات آہستہ آہستہ پھیل رہی ہے۔'' پنڈت بولا۔

میں نے دل میں سوچا۔ ''پھر پرانا ڈرامہ رچایا جا رہا ہے۔''

اب تک کنول کا پتہ نہ تھا۔ میں کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے سوچا شاید کنول بمبئی میں نہیں ہے وہ روشن کے پاس لندن چلی گئی ہوگی میری گمشدگی نے اس کو بہت پریشان کر دیا ہوگا۔ اگر کبھی ایسا موقعہ آیا تو پتہ کروں گا اس کے بارے میں پوچھنا شک وشبہ کی بات ہوگی۔

راجن پروڈکشن میں ایک جان سی پڑ گئی۔ نئے نئے پروگرام بننے لگے بڑے بڑے پروجیکٹ پر کام ہونے لگا اور کملی ٹاپ کی ہیروئن بن گئی۔ میں روز اس انجان عورت کے پاس جاتا رہا روز اس کو اپنی محبت کا یقین دلاتا رہا وہ بھی بڑی جذباتی ایکٹنگ کرتی رہی۔ ہم دونوں اداکار تھے وہ یہ سمجھتی تھی کہ وہ اداکاری کر رہی ہے۔ میں بھی یہ سمجھتا تھا کہ اداکاری کر رہا ہوں دونوں اپنی اپنی جگہ اداکاری کرنے پر مجبور تھے۔ میں اپنی مجبوری جانتا تھا اس کی مجبوری مجھے پتہ نہیں تھی۔ میں نے کبھی شک اس پر نہیں کیا۔ وہ اپنی پرفارمنس پر خوش تھی مجھے اصل کردار سمجھ رہی تھی واہ ری زندگی یہ ایک نیا روپ میرے سامنے آیا تھا۔

میں RP کے دفتر کے شاندار روم میں بیٹھا تھا کہ SP شکلہ کا کارڈ میرے سامنے آیا اور پھر وہ میرے سامنے آ گیا۔ وہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان تھی قد کا لمبا تھا اور چہرے پر ذہانت نظر آتی تھی۔ باریک باریک مونچھیں اس کے چہرے پر اچھی لگتی تھیں میں نے کہا۔ ''فرمائیے آفیسر کیسے آنا ہوا؟''

اس نے میرے چہرے پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور بولا۔ ''میں دو اور دو چار بات کرتا ہوں آپ برا تو نہیں مانیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''اچھی بات ہے اس سے دونوں کے وقت کی بچت ہوگی۔''

''آپ کا نام کیا ہے۔'' وہ بولا۔

''میرا نام راجن گردھاری ہے۔'' میں نے کہا۔

''راجن گردھاری مگر راجن گردھاری تو تقریباً ستر سال پہلے مر چکا ہے۔ اس کی بیوی چاندنی بھی مر گئی تھی۔ پھر تم کون سے راجن گردھاری ہو۔'' وہ بولا۔

''میں راجن گردھاری ہوں میں سلطان پور میں پیدا ہوا ایک مسلمان کے گھر وہ گھرانہ پاکستان چلا گیا، میں کراچی میں اکیلا رہ گیا وہیں پر مجھے چاندنی ملی اور میں بمبئی آ گیا۔ یہاں پر مجھے پہچان لیا گیا اور مجھے بھی یاد آ گیا کہ میں کون ہوں؟ میں نے اس ادارے کی بنیاد ڈالی اور کاروبار کرنے لگا۔ میری قانونی پوزیشن صاف نہیں تھی کیونکہ پاکستان سے آیا تھا۔ اسی پوزیشن کو صاف کرنے کے چکر میں تھا کہ ایک DSP نے مجھے پاکستان دھکیل دیا اور مجھے پھر سے نئی زندگی شروع کرنا پڑی، پاکستان پہنچتے ہی میں پھر بھول گیا کہ میں کون تھا اور میں نے وہاں پر شادی کر لی۔ انڈیا میری چاندنی سے شادی دلی کی عدالت میں سول میرج تھی۔ اس سے میرا ایک لڑکا روشن ہے اور وہ لندن میں ماں کے پاس ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کی بہت باتیں درست ہیں مگر وہ DSP کون تھا؟ اس کا تو بتائیں۔''

''اس کے بارے میں تو میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔ وہ آپ کے ادارے کا آدمی تھا۔ ایئرپورٹ پر سب اس کے حکم پر چل رہے تھے اس کا بہت رعب تھا۔'' میں نے کہا۔

''ابھی ایک کردار پروفیسر پنڈت کا بھی باقی ہے۔ اس کے بارے میں بتائیں۔'' وہ بولا۔

''پروفیسر نے اس وقت میری بڑی مدد کی تھی موہن لال بھگوان داس اور پروفیسر یہ سب میرے ہمدرد تھے گردھاری ٹرسٹ وہ مجھے دلوانا چاہتے تھے۔'' مین نے کہا۔

''یہ سب بلاوجہ ہی آپ کی مدد تو نہیں کر رہے ہوں گے۔'' وہ بولا۔

''دنیا میں بغیر کسی لالچ کے کوئی کچھ نہیں کرتا۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے کچھ تو اندازے لگائے ہوں گے۔'' وہ بولا۔

''میرا اندازہ تھا وہ لوگ میرے ساتھ شیئر کرنا چاہتے تھے جس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ کوئی محنت کرتا ہے تو اس کا حق بن جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کو اب بھی گردھاری ٹرسٹ کی دولت سے دلچسپی ہے۔'' شکلہ نے پوچھا۔

''مجھے صرف RP فلمز سے دلچسپی ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ گردھاری ٹرسٹ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں گے۔'' وہ بولا۔

''ایسا ارادہ ابھی تک نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''اگر آپ کو پھر پاکستان جانا پڑ جائے تو.....'' وہ بولا۔

''میں اس کو اپنے نصیب کا چکر ہی خیال کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''اگر آپ کو زبردستی راجن بنایا جا رہا ہے تو آپ میری خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔'' وہ بولا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

آپ نے جو باتیں کہی ہیں وہ میں پہلے سے جانتا تھا اس لئے سچ مانتا ہوں مگر ابھی تک آپ کے راجن ہونے والی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ یہی کہہ رہا ہوں کہ میری مدد کی ضرورت پڑے تو ضرور یاد کرنا آپ کی سچائی نے مجھے متاثر کیا ہے۔'' اور شکلہ چلا گیا۔

میں نے اندازہ لگایا شکلہ ایک دیانت دار اور اصولی آفیسر ہے۔ میری سچی بات کا اس نے اعتراف کیا اور اپنی آفیسرانہ پوزیشن کا کہیں اظہار نہیں کیا۔

رات کو پنڈت آ گیا اور بولا۔ ''میں نے سنا ہے شکلہ تمہارے پاس آیا تھا۔''

''ہاں کل آیا تھا۔'' میں نے بتایا۔

''کیا کہتا تھا؟'' پنڈت نے پوچھا۔

''بہت پرانی کہانی سننا چاہتا تھا وہ میں نے سنا دی۔'' میں نے کہا۔

''میرے بارے میں ضرور پوچھتا ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''ہاں پوچھتا تھا میں نے موہن لال بھگوان داس کے ساتھ ہی تمہاری بات کی ہے۔ الگ سے نہیں کی۔'' میں نے کہا۔

''زیادہ کریدتو نہیں کی اس نے۔'' پنڈت بولا۔

''کہتا تھا اگر تم کو زبردستی راجن بنایا جا رہا ہے تو مجھے بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''زبردستی کون کر سکتا ہے تم تو ہو ہی سیٹھ راجن۔'' وہ بولا۔

''میں نے بھی اس سے یہی کہا ہے۔''

''اور گردھاری ٹرسٹ کے بارے میں کچھ پوچھا۔''

''کہتا تھا کیا تم گردھاری ٹرسٹ کی جائیداد میں دلچسپی رکھتے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''میں صرف RP میں دلچسپی رکھتا ہوں۔''

''بہت خوب تم نے اس کا منہ بند کر دیا۔ ارے گردھاری ٹرسٹ اب کتنی دور ہے کریں گے دعا کہ اور ایسا کریں گے کہ پورا بھارت دیکھے گا۔'' پنڈت بولا۔

''کیوں؟ کیا تم اندرونی طور پر کچھ کر رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''ارے کھیل تو گردھاری ٹرسٹ کے کارن ہی رچائے ہیں۔'' پنڈت بولا۔

''ایک بات بتاؤ پنڈت۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں بولو۔'' وہ بولا۔

میں نے کہا۔ ''شکلہ کی باتوں سے میں نے اندازہ کیا ہے کہ وہ ابھی تک پوری طرح مطمئن نہیں، مجھے کھلا چھوڑ کر وہ کچھ اندازے کر رہا ہے، میرے پاس کون آتا ہے کون جاتا ہے، میں کیا کرتا ہوں، میرے کن کن لوگوں سے کاروباری تعلقات ہیں۔ وغیرہ وغیرہ؟ ان حالات میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، تم یہ نہ سمجھنا کہ اس نے ہم کو کھلا چھوڑ دیا ہے قانونی طور پر اس کی پوزیشن ہم سے بہتر ہے اور پھر وہ پولیس کا بڑا آفیسر ہے کچھ بھی کر سکتا ہے کبھی بھی اس کے دماغ میں سانپ رینگ سکتے ہیں۔'' میں نے بات ختم کی تو پنڈت بولا۔

''تمہاری بات سمجھ میں آ رہی ہے ہم کو ٹھنڈا کر کے کھانا ہوگا جلد بازی منہ کو جلا سکتی ہے۔''

''دیکھو پنڈت مجھے اپنی خاندانی دولت اور جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اگر اس کو حاصل کرنے کو تم کوشش کرو گے تو بھی میں منع نہیں کروں گا کیونکہ اس میں بھی میرا فائدہ ہے محنت اور طریقہ کار تم کرو گے میں تمہارے ساتھ ہوں جو کہو گے کرتا جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تم سے یہی امید ہے راجن بابو، مگر یہ شکلہ کا کانٹا بڑا بھاری پڑ رہا ہے۔'' وہ بولا.....

''تم تو شکتی رکھتے ہو کچھ علم اور ودیا پراسرار بھی تمہارے پاس ہے تمہاری ودیا مجھے ہزاروں میل دور صحرا میں پہنچا سکتی ہے تو کرو دشکلہ کا بھی کلیان.....'' میں نے کہا۔

''تم کیا سمجھتے ہو میں نے اب تک کوشش نہیں کی ہوگی۔ ارے بھولے ناتھ میں کوشش کر چکا ہوں مگر کوئی ایسا ہے جو میرے بیروں کو پلٹا دیتا ہے۔ تم کو شاید پتہ نہیں ہے جب کوئی بیر واپس آتا ہے تو کتنا خطرناک ہوتا ہے کئی دفعہ تو میں خود اپنے بیروں سے بچا ہوں۔ یہ کام بڑا خطرناک ہوتا ہے اس لئے اب ذرا دیکھ بھال کر کچھ کرنا ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ شکلہ بھی غافل نہیں ہے اس نے بھی اپنی حفاظت کا انتظام کیا ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس لئے تو وہ اب تک بچا ہوا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تمہاری بات سمجھ میں آ گئی ہے ہمیں ذرا انتظار کرنا ہوگا۔'' پنڈت بولا۔

''فی الحال تم گردھاری ٹرسٹ کو بھول جاؤ اور تیاری کرو اندر اندر.....'' میں نے کہا۔

''سیٹھ راجن کی بات تو ماننا ہی ہوگی۔'' وہ بولا۔

''اور میرے پاس آنا جانا بھی کم کرنا ہوگا فون بھی کم کم کرو گے وہ بڑا ہوشیار آفیسر ہے ہر طرف اس کی نظر ہوگی وہ میری یا تمہاری کوئی کمزوری پکڑنا چاہے گا اسپتال میں بھی دیکھ بھال کر آنا چاندنی پر بھی اس نے ضرور نظریں رکھی ہوں۔ کسی طرف سے اس کو اندر آنے کا راستہ نہیں دینا ہے ابھی تک ہم دونوں کی پوزیشن صاف نہیں ہے وہ مجھے حیدر بنا کر لندن روانہ کر سکتا ہے اور تم کو تو پہلے ہی تلاش کر رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''راجن سیٹھ آپ کی باتیں حقیقت سے بہت قریب ہیں میں مانتا ہوں ان پر عمل بھی کروں گا۔'' وہ بولا۔

''ایک بات اور طاقت کے نشے میں آدمی غلطیاں بھی کرتا ہے۔ تم بے شک ایک پڑھے لکھے آدمی ہو مگر ذہین لوگ ہی غلطیاں کرتے ہیں۔ ان کی غلطی بھی بہت بڑی اور نقصان ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ قانون سے ٹکراؤ کرنے کی کبھی غلطی نہ کرنا۔'' میں نے کہا۔

''اب اتنا نادان بھی نہیں ہوں۔'' پنڈت نے کہا۔

پنڈت چلا گیا اور میں اسپتال روانہ ہو گیا۔ کمرے میں چاندنی کے علاوہ ایک نرس تھی مجھے دیکھ کر نرس کمرے سے چلی گئی اور چاندنی کھڑی ہو گئی اور بولی۔ ''آؤ راجن بہت دیر لگا دی۔''

میں نے دل میں سوچا کتنی اچھی اداکارہ ہے یہ عورت مگر آواز تو قدرتی ہوتی ہے اس کا وہ کیا کرے گی میں نے کنول کی آواز قریب دور سے خوب سنی ہے وہ کبھی ایک سانس میں پورا جملہ نہیں کہتی۔ وہ رک رک کر بڑے خوبصورت انداز میں جملہ پورا کرتی ہے۔

''تم کیسی ہو کب تک اسپتال کو آباد رکھو گی گھر نہیں چلو گی۔'' میں نے پوچھا۔

''گھر ہی جانا ہے میں خود یہاں سے گھبرا گئی ہوں۔'' وہ بولی۔

''ڈاکٹر کیا کہتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''راجیش کو پتہ ہوگا مجھے تو کچھ بتاتے نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اچھا میں راجیش سے پتہ کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''راجن تم دور دور کیوں ہو میرے قریب آ کر بیٹھو نا۔'' وہ ناز سے بولی یہاں پر بھی اس نے بھرپور ایکٹنگ کی میں اس کے قریب ہو گیا اور بولا۔ ''تم کو کراچی والا گھر یاد ہے۔''

''اب سب کچھ تو ایک سانس میں کہاں یاد آتا ہے آہستہ آہستہ یاد آ رہا ہے۔'' وہ بولی۔

''کتنی ہوشیاری سے اس نے خود کو اگلے سوال سے بچا لیا۔

''ہاں بات تو درست ہے ابھی بہت کچھ یاد نہیں آیا۔'' میں نے کہا۔

''تم کتنے کمزور ہو گئے ہو بھگوان نے ہمیں ملایا بھی تو کس عمر میں۔'' وہ بولی۔

''کراچی میں تم نے مجھے پہچان لیا تھا مگر میں ہی بھولا ہوا تھا کاش مجھے بھی اپنا پچھلا جنم وہیں یاد آ جاتا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں تم کتنے سندر تھے جوان تھے مجھ سے عمر میں کم تھے۔'' وہ بولی۔ ہوم ورک بھی پورا کیا ہے میں نے سوچا اور کہا۔ ''تم کو کراچی تو یاد ہے نا۔''

''کچھ کچھ یاد آ رہا ہے تم ہاکی کرکٹ کھیلتے تھے کتنے اسمارٹ تھے میں خود چل کر تمہارے پاس گئی تھی میں نے تمہارے اندر اپنے پتی کو دیکھ لیا تھا مجھے پتہ تھا تم کراچی میں بچھڑے ہو کراچی میں ہی ملو گے اور تم مل گئے تھے مگر تم کو میں کس طرح کہتی کہ تم ہی میرے سر کے تاج ہو تم ہی میرے پتی دیو ہو میں کیا کرتی، تم کو چھوڑ بھی نہیں سکتی تھی اپنا بھی نہیں سکتی تھی۔ تم میرے تن من دھن سب کے مالک تھے مگر تم نہیں جانتے تھے اور میں تم کو بتا نہیں سکتی تھی تمہارا دھرم دوسرا تھا وہ تم کو کبھی نہ ماننے دیتا اور تم مجھ سے دور ہو جاتے اس کارن میں خاموش تھی۔'' وہ چپ ہو گئی۔

خوب میں نے اپنے دل میں اس کو داد دی ڈائریکٹر بھی اچھا ہے اور ڈائیلاگ بھی نیچرل یا کرائے ہیں وقت اور موقعہ کے اعتبار سے اس سے بہتر سین کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنی اداکاری اور ڈائیلاگ سے سین میں جان ڈال دی تھی۔

''تم نے ٹھیک کہا کراچی کے حالات میرے خلاف تھے میں بے وقعت اور بے کار نوجوان تھا تمہارے سہارے نے مجھے انسان بنا دیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''یہ سب بھگوان کی لیلا تھی کہ تم مجھے دوبارہ مل گئے اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ میں نہ جانے کون سے جہان میں چلی گئی اور گم ہو گئی پھر دوبارہ بھگوان نے مجھ پر کرپا کی تو وقت بہت آگے جا چکا تھا تم بڑھاپا تھا اور میں بھی ایسی ہی بیمار کمزور تھی۔ مگر ہمارا ملن شریروں کا ملن نہیں ہے۔ آتماؤں کا ملن ہے۔ میرا نام چاندنی ہو یا کچھ اور تمہارا نام راجن ہو یا کچھ اور ناموں میں کیا رکھا ہے سچا سمبندھ تو من کا من سے ہوتا ہے ہماری آتماؤں کا ملاپ زمین پر نہیں آسمانوں پر ہوا ہے، اسی لئے سچا ہے۔ ہم بار بار مل رہے ہیں دنیا میں کتنے ہیں جو ہماری طرح ملتے رہے ہیں۔'' وہ خاموش ہو گئی۔ وہ چاندنی نہیں تھی میں جانتا تھا مگر اس نے میرے دماغ میں کھلبلی مچا دی تھی وہ انوکھی حقیقت بیان کر رہی تھی۔ میرے دل میں اگر اس کے متعلق شک و شبہ نہ ہوتا تو شاید اس کے اور قریب ہو جاتا۔ میں نے کہا۔ ''میری منزل تم ہو پتہ نہیں تم کب تک چاندنی ہو اور میں کب تک راجن ہوں، ہمارے ساتھ تو یہ ہوتا ہی رہا ہے۔ میں اب تم کو اپنی دسترس میں رکھنا چاہتا ہوں۔ مگر میں بے بس ہوں نہ معلوم کب بلاوا آ جائے۔'' میں

نے کہا۔

''میرے دل میں بھی یہی وسوسے آتے ہیں لیکن چنتا کی ضرورت نہیں ہے پانے کے تصور کے تو ہزاروں رنگ ہیں۔ آتماؤں کا ملاپ کبھی ختم نہیں ہوتا۔'' وہ بولی۔

''مرنے کے بعد تو سب کچھ مٹی ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں شریر تو ضرور مٹی ہو گا مگر آتما تو برقرار رہتی ہے۔ ہم بار بار پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں۔ جب تک کہ ہمیں جسمانی لذتوں سے نفرت کرنے کی صلاحیت حاصل نہ ہو جائے یہی تناسخ ہے اور ہم اور ہمارا دھرم اس کو مانتا ہے اس لئے آتماؤں کا ملاپ کسی بھی جنم میں کسی بھی دور میں ہو سکتا ہے۔'' وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے ہوم ورک اچھا کیا تھا یا وہ خود بہت سمجھ دار تھی ہر موقعہ کے اعتبار سے بات کر سکتی تھی میں نے دل میں اس کی قابلیت کو سراہا اور کہا۔

''تم دھرم کے معاملے میں مجھ سے آگے ہو۔''

''میں برہمن کی اولاد ہوں برہمن اپنی اولاد کو کچھ دے نہ دے مگر دھرم کی بہت گہری اور اچھی بری سب باتیں ضرور بتاتا ہے۔ اپنی اپوزیشن برقرار رکھنے کے ڈھنگ بھی سکھاتا ہے۔'' وہ بولی۔

''مجھے تمہارے بارے میں یہ پتہ نہ تھا۔'' میں نے کہا۔

''پتہ کس طرح ہوتا میں تو خود تمہارے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ محبت میں یہ تو ہوتا ہے کسی کو اپنا بنانا پڑتا ہے یا پھر کسی کا ہونا پڑتا ہے۔'' وہ بولی۔

''تم نے کیا کیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تمہارے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ کیونکہ تمہارے کردار میں ذرا سا جھول نہیں تھا۔'' وہ بولی۔

''کمزوریاں انسانی فطرت کا حصہ ہیں میں بھی انسان ہوں۔'' میں نے کہا۔

''مگر نظر ترازو کے دونوں پلڑوں پر رکھنا پڑتی ہے پلڑا کس طرف جاتا ہے پھر فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے دل میں سوچا یہ عورت بہت ہوشیار اور پورا ہوم ورک کر کے آئی ہے اس کو شاید باتوں میں گھیرنا مشکل ہے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اچھا اب چلتا ہوں پھر آؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''اتنی جلدی چل دیئے۔'' وہ بولی۔

''اور بہت سے کام ہیں اور وقت دینا پڑتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں جانتی ہوں تم نے راجیش کے ساتھ پھر کام شروع کر دیا ہے۔'' وہ بولی۔

''کچھ تو کرنا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔

☆.....☆.....☆

راجیش نے ایک بہت ہی شاندار بنگلہ میرے رہنے کو خرید لیا اور میں چاندنی کے ساتھ اس میں آ گیا۔ راجیش نے شاید روشن کو حالات بتا دیئے تھے کہ وہ میرے پاس نہیں آیا میں نے اس کو خط میں کنول کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا وہ ٹھیک ہے کوئی تفصیل نہیں کی۔

رضیہ کے حالات میں نے فون پر پتہ کر لئے اکبر سے بات ہوئی اس نے بتایا نبیلہ کا آخری سال ہے اس کے بعد وہ سرجن ہو جائے گی۔ میں یہ سب خفیہ اور اپنے طور پر کر رہا تھا کیونکہ میں راجیش کی نظر میں اور سب کی نظر میں تو راجن تھا۔

پربھا بہترین اداکارتھی وہ اپنا پارٹ بہت عمدہ طریقے پر کر رہی تھی اس نے خود کو چاندنی کے سانچے میں ڈھال لیا تھا جو کچھ کمزوریاں مجھے نظر آتی تھیں ان کو میں نظر انداز خود کر دیا کرتا تھا کیونکہ میں خود اداکاری کر رہا تھا۔ میرا پارٹ اس سے زیادہ مشکل تھا۔ کیونکہ میں تو ہر وقت سیٹ پر تھا میرا تو کوئی راز دار نہ تھا مجھے تو سب کے سامنے اپنا پارٹ پلے کرنا تھا۔

میں تو مجسم راجن گردھاری تھا۔

پربھا کو تو کم از کم یہ آسانی تھی کہ اس کے کچھ راز دار تھے جنہوں نے اس کو چاندنی بنایا تھا اور وہ گھر کے اندر رہنے والی تھی لوگوں کا سامنا نہیں کرنا تھا۔ میں ہر وقت تلوار کے نیچے تھا ہر وقت لوگوں کے سامنے تھا۔ کوئی بھی کیسا بھی سوال میرے سامنے آ سکتا تھا۔ مجھے راجن کے روپ میں سامنا کرنا تھا۔ ذرا سی غلطی معاملہ بگاڑ سکتی تھی۔ شکلہ کی نظریں میری طرف تھیں۔ پنڈت راجن کی دولت پر نظریں جمائے تھا۔

صرف راجیش ہی ایسا تھا جس کو میری ذات سے غرض نہ۔ تھی میں راجن ہوں تو وہ میرے ساتھ تھا حیدر ہوں تو وہ میرے ساتھ تھا۔ میں صرف اس پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ کنول لندن جا کر مجھے بھول گئی تھی روشن بھی گول گول باتیں کرتا تھا۔ روشن سے مجھے یہ امید نہ تھی۔

میری سوچوں کا رخ نہ جانے کہاں کہاں جاتا تھا۔ مجھے سوچوں میں دیکھ کر چاندنی میرے قریب آ گئی اور کاندھے پر ہاتھ رکھ بولی۔ ''زیادہ نہ سوچا کرو صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔'' وہ بولی۔

''سوچتا ہوں میں اب تک وہیں کھڑا ہوں جہاں سے چلا تھا۔'' میں نے کہا۔

''مجھے بتاؤ شاید میں کچھ مدد کروں منش منش کا مددگار ہوتا ہے میں تو پھر تمہاری پتنی ہوں۔''

وہ میرے بہت قریب بیٹھ کر بولی۔ ''تم عورت ہو تم نہیں جانتیں کہ مجھے کتنے لوگوں کا سامنا

ہے۔'' میں نے ٹالا۔

''جیون میں آرام کے ساتھ ساتھ گھٹنائیاں بھی ہیں ان کو بھی بھوگنا پڑتا ہے نراشا کی کیا بات ہے۔'' وہ بولی۔

''میں نراش نہیں ہوں مگر سوچنا تو پڑتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا اب میں آفس جا رہا ہوں شام تک ہی آنا ہوگا دوپہر کو انتظار نہ کرنا۔'' میں یہ کہہ کر اس سے جان چھڑا کر دفتر آ گیا۔ راجیش موجود تھا بولا۔

''آج کیا بات ہے، بہت دیر کر دی، آپ تو مجھ سے پہلے آتے تھے۔''

''چاندنی نے باتوں میں لگا لیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''نئی لڑکی کملی کی فلم ریلیز ہو گئی ہے پورے سرکٹ سے اچھی خبریں آ رہی ہیں۔'' راجیش بولا۔

''تمہاری پسند کی ہیروئن تھی کامیاب کیوں نہ ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''اس لڑکی نے بڑا دل لگا کر کام بھی کیا تھا۔ میں نے اس سے صرف ایک فلم کا کنٹریکٹ کیا تھا۔ کیا خیال ہے دو چار کے لئے کر لوں۔'' راجیش نے پوچھا۔

''مجھ سے زیادہ تم بہتر جانتے ہو تم تو اس نگری کے تیراک ہو۔'' میں نے کہا۔

''اچھا ایسا کرتا ہوں ایک فلم کا اور کنٹریکٹ کرتا ہوں اور اس کو آزاد کر دیتا ہوں وہ جس کی فلم چاہے سائن کر سکتی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''یہ مہربانی اس پر خاص طور سے کیوں؟ تم تو باندھنے کے قائل تھے۔'' میں نے پوچھا۔

وہ غریب لڑکی ہے اچھا ہے کچھ اپنی محنت سے کما لے گی۔'' راجیش بولا۔

''تمہارا بندر ہے تم ہی نچاؤ۔'' میں نے کہا۔

راجیش زور سے ہنس پڑا۔ ''یہ خوب کہی۔'' وہ بولا۔

میں بھی ہنس پڑا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

میری موجودہ زندگی نے میرے ذہن کی اخلاقی قدروں کے تصور کو بہت پامال کر دیا تھا میں ایک ایسی عورت کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا جس کو میں جانتا تک نہ تھا۔

وہ میری بیوی بنی ہوئی تھی۔ میں کب تک دور رہ سکتا تھا خود کو کب تک اور کتنی دور رکھ سکتا تھا اس کو حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے قربت کی ضرورت تھی۔ میں خود بندگلی میں پھنس گیا تھا خاکے میں حقیقت کا رنگ مجھے بھی بھرنا پڑ رہا تھا۔

دونوں اپنی اپنی جگہ پر مجبور تھے وہ اداکارہ تھی اور میں اداکاری کر رہا تھا یہ کیسا انوکھا ملاپ تھا نہ

میں نے اس سے شادی کی، نہ اس نے کبھی میرے بارے میں سوچا ہوگا۔ مگر دونوں ایک چھت کے نیچے میاں، بیوی تھے۔ میں کیا کروں اس گرداب سے کیسے نکلوں؟ مجھے کردار کی ہزیمت کب تک برداشت کرنا ہوگی احساس ملامت مجھے ہر وقت کچوکے لگا رہا تھا۔

مگر میری مجبوریاں بھی میرے آگے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ پنڈت منع کرنے کے باوجود برابر میرے پاس آ رہا تھا۔ آج وہ بہت خوش تھا آتے ہی بولا۔

''ایک بڑی خبر ہے تمہارے لئے راج سیٹھ۔''

''میرے لئے سب برابر ہے تمہارے لئے بڑی ہوگی سناؤ۔'' میں نے کہا۔

''سنا ہے شکلہ کی ترقی ہوگئی ہے اور وہ دلی جا رہا ہے۔'' پنڈت بولا۔

''سنی سنائی پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔'' میں نے کہا۔

''یہ ٹھیک ہے مگر خبر اچھی ہے نا سیٹھ.....'' وہ بولا۔

''تم مجھے سیٹھ نہ کہا کرو۔'' میں نے کہا۔

''ہو تو کہہ رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''نہیں میں جب سیٹھ تھا تو سیٹھ اچھا لگتا تھا اب تو معمولی سا آدمی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ارے میں تم کو دوبارہ اسی گدی پر بٹھانے والا ہوں۔'' وہ بولا.....

''اب زندگی بہت کم رہ گئی ہے اسی طرح گزر جائے گی میرے لئے دوڑ دھوپ مت کرو۔'' میں نے کہا۔

''وہ تو کرنا ہی ہوگی آدھی زندگی گردھاری ٹرسٹ کے نام کر دی اور جو باقی بچی ہے وہ بھی اسی کے نام کر دیں گے مگر کام پورا کریں گے۔'' وہ بولا۔

''تم بہت زیادہ جذباتی ہو گردھاری ٹرسٹ کے لئے مگر مجھے اس سے دلچسپی نہیں رہی۔'' میں نے کہا۔

''مجھے پتہ ہے تم کو چاندنی مل گئی جانو سب کچھ مل گیا مگر میرے ساتھ تو ایسا نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''میں تم کو پوری دولت دیتا ہوں گردھاری ٹرسٹ تم کسی طرح حاصل کرو میں اس میں سے کچھ نہیں لوں گا کہو تو لکھ کر دے دوں۔'' میں نے کہا۔

''ارے واہ ایسا دیالو میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔'' وہ بولا۔

''میں ہوں نا۔'' میں نے کہا۔

''شکلہ کی شکل بمبئی سے دفع ہو تو میں پلان بناؤں۔'' پنڈت نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم اس کے جانے کا انتظار کرو۔''

فون کی گھنٹی بجی میں نے فون اٹھایا آواز آئی۔ ''راجن بابو سے بات کرائیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں بول رہا ہوں۔''

''آپ ذرا ہولڈ کریں شکلہ صاحب بات کریں گے۔'' میں چوکنا ہو گیا۔

پھر شکلہ کی بھاری آواز آئی۔ ''کیسے ہو راجن بابو؟''

میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہوں بھگوان کی اور آپ کی کرپا سے۔''

''بھگوان کی تو ٹھیک مگر میری کیا کرپا ہوگئی ہے۔'' شکلہ نے کہا۔

''آپ کو پتہ نہیں میں تو محسوس کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم سمجھ دار آدمی ہو مگر تم راجن نہیں ہو۔'' شکلہ نے بے دھڑک کہا۔

''آپ مذاق بھی خوب کرتے ہیں۔'' میں نے بات بنائی۔

''میں سنجیدہ ہوں میری بات سنو! میں دلی جا رہا ہوں دفتر خارجہ میں، میں ہوں گا مجھے تم سے نہ جانے کیوں ہمدردی ہوگئی ہے۔ شاید اس کی وجہ تمہاری سچائی ہو یا شاید تمہارا کردار ہو یا شاید کچھ اور ہو میں جانتا ہوں کہ تم ایک پارٹ پلے کر رہے ہو تم راجن نہیں ہو اس کا مجھے یقین ہے۔

تم دولت کی خاطر پارٹ نہیں کرو گے اس کا مجھے یقین ہے دیکھو حیدر میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں، کیوں اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ جب تمہارا دل اس پارٹ سے بھر جائے تو فون کر دینا یا چلے آنا۔ بس یہی بات کرنا تھی۔''

میں تذبذب میں گرفتار تھا میں نے بڑی مشکل سے شکریہ ادا کیا اور فون بند ہو گیا۔

کتنا سچا اور کھرا انسان تھا سب اس کو پتہ تھا مگر وہ خاموش تھا۔ میرا راز فاش ہو گیا۔ شکلہ نے فاش کر دیا اس نے صرف مجھ پر ہی فاش کیا مجھ کو ہی میری اصلیت بتائی کسی اور کو نہیں مگر مجھے ایسا لگا کہ اب میرا پردہ نہیں رہا۔ ابھی کوئی بھی مجھے حیدر کے نام سے پکارے گا اور میں مخاطب ہو جاؤں گا۔

میری حقیقت شکلہ کو پتہ ہے۔ تو پھر میرا راجن بنے رہنا کیا معنی، کیا میں اس عورت کے لئے راجن بنا رہوں؟ کیا پنڈت کے سپنے کو پورا کرنے کو راجن بنا رہوں اب مجھے اس لائن پر سوچنا ہے۔ راجیش کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ وہ پنڈت کے ساتھ نہیں ہوگا۔ موہن لال اور بھگوان داس رہے نہیں اب صرف پنڈت ہی رہ جاتا ہے میں پنڈت کے ہاتھوں کھلونا نہیں بنوں گا۔

میں نے فیصلہ کر لیا مگر کنول کے بارے میں یہ سچ ہے کہ ایک خوف میرے دل میں سانپ بن کر بیٹھا تھا اس کے بارے میں مجھے کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ وہ خوف مجھے مسلسل ڈس رہا تھا۔ ابھی میں اس

پوزیشن میں نہیں تھا کہ کسی سے کنول کے بارے میں سوال کرتا۔ ابھی میرا تعلق صرف چاندنی سے ہوسکتا تھا کنول سے تعلق پیدا کرنے کو حیدر کو سامنے لانا ہوگا۔

پنڈت کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اس کو سمجھنا ہوگا۔ شکلہ کے بارے میں میرے خدشات ختم ہوگئے تھے مگر میں نے پنڈت سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا شکلہ پنڈت کے لئے خوف کی علامت تھا اور میں اس کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

شکلہ چلا گیا پنڈت نے سکھ کی سانس لی وہ دوڑا دوڑا میرے پاس آیا اور بولا۔ ''کانٹا نکل گیا شکلہ گیا۔ بہت پریشان کیا تھا۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم ایسے شکتی والے آدمی کے لئے شکلہ پریشانی کا باعث بن گیا یہ سمجھ میں نہیں آتا۔'' میں نے انجان بن کر پوچھا ''تم نہیں جانتے ماورائی طاقت والوں کے لئے بھی کچھ حد بندی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک کے اوپر ایک پڑا ہے میں نے کیا نہیں کیا ہوگا مگر شکلہ تک میرے تیر نہیں جا پاتے تھے۔ اس کی رکھشا کوئی اور کر رہا تھا۔ کون کر رہا تھا کہ یہ میں نہیں سمجھ سکا کیونکہ وہ صرف چھپ کر ڈیفنس کر رہا تھا سامنے تو آیا ہی نہیں۔ اگر لڑنے سامنے آتا تو اس کا راز کھلتا۔'' پنڈت نے بتایا۔

''اب تم پھر جلدی کرو گے اور کام خراب کرو گے صبر تو تم میں ہے نہیں۔'' میں نے کہا۔

''ارے پوری زندگی صبر کیا ہے، تم کہتے ہو صبر نہیں ہے، تم تو ایئر کنڈیشن میں موج کر رہے ہو دھوپ میں تو میں جل رہا ہوں اب اور کیا کروں۔'' پنڈت جل کر بولا۔

''تم ایسا کرو RP میں آجاؤ ایئر کنڈیشن کمرہ بنائے دیتا ہوں یہاں پر کہانیاں لکھو اور موج کرو کیوں مارے مارے پھرتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''خوب کہی! میں نے پوری زندگی گردھاری ٹرسٹ کے سپنے دیکھے ہیں اور تم مجھے معمولی نوکری دے رہے ہو میں نہ جانے کتنی RP خرید لوں گا ذرا وقت کا انتظار ہے۔'' وہ بولا۔

''میری جو حیثیت تھی میں نے اسی کے مطابق آفر کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم بہت نیچے کی سوچ رہے ہو میں بہت اونچی سوچ رہا ہوں حالانکہ تم راجن سیٹھ ہو تمہاری سوچ اونچی ہونا چاہئے تھی۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں سیٹھ تھا مگر اب نہیں ہوں میں اتنی اڑان اڑتا ہوں جتنی پروں میں طاقت ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے پروں میں مشین میں فٹ کراؤں گا پھر تم نہیں تھکو گے۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں حال کی بات کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''مستقبل کی بات یہ ہے کہ میں نے وہی پرانا وکیلوں کا چینل جج کیا ہے ان میں سے دو تو پرلوک سدھار گئے ہیں ان کی جگہ جوان وکیل رکھے ہیں پہلے ان کو بہت بریف کر دیا تھا اب نئی صورت حال کے پیش نظر پھر سے ان کو بتایا جا رہا ہے وہ قانونی نقطے تلاش کر رہے ہیں۔'' پنڈت نے کہا۔

''پہلے تو بھگوان داس اور موہن لال فنانسر تھے اب وہ تو رہے نہیں فنانس کون کرے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''اب طریقہ کار میں تبدیلی کر دی ہے سات وکیلوں کا پینل ہے سب برابری سے کام کریں گے کل مالیت کا بیس فیصد ان کو ملے گا وہ اس کو آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔'' پنڈت نے بتایا۔

''بہت خوب تم نے اچھا انتظام کر لیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب تمہاری اس پینل سے ملاقاتیں شروع ہوں گی کاغذات تیار ہو رہے ہیں۔ کاغذات پر تمہارے دستخط ہوں گے اور پھر اپیل دائر کر دی جائے گی۔'' پنڈت نے کہا۔

''راجیش اور مجھے تو اس کام میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے جو کچھ کرو گے تم ہی کرو گے یاد رکھنا۔'' میں نے کہا۔

''اور اب تک کس نے کیا ہے؟'' پنڈت نے پوچھا۔

''تم نے کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

''اس کے باوجود بھی میں اتنا نردوئی نہیں ہوں کہ تم کو بھول جاؤں تمہارا برابر کا حصہ دوں گا اور موہن لال نے جو لگایا ہے وہ بھی ادا ہوگا بھگوان داس کا راجیش کو ملے گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''آج تو ایمانداری کا پھول کھلا ہے خوشبو آ رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''آگے بھی ایسے ہی پھول کھلیں گے۔'' پنڈت بولا۔

''میرا خیال ہے پروفیسر تم کچھ اور انتظار نہ کر لیتے۔'' میں نے کہا۔

''گاڑی یا بس نہیں کہ سواریوں کا انتظار کیا جائے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تمہارے خیال میں شکلہ تمہاری اور میری طرف سے مطمئن ہو کر گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اگر نہ بھی مطمئن ہوا تو بھی بمبئی سے تو دور ہے۔''

''میں منع کروں گا تو کہو گے میں تمہارے ساتھ تعاون نہیں کر رہا ہوں مگر سرکاری آفیسر کسی جگہ ہو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اپنی میز پر بھی کچھ ضروری ریکارڈ اس نے چھوڑا ہوگا۔ آنے والے کو بھی بریف کیا ہوگا جو اہم پوائنٹ ہوں گے اہم لوگ ہوں گے الجھے کیس ہوں گے۔ کچھ گرفت سے بچے ہوئے مجرم ہوں گے سب کی لسٹ اس نے اپنی جگہ آنے والے کو دی ہوگی۔ تم کیا سمجھتے ہو وہ منہ اٹھا کر دلی چلا گیا

ہوگا وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھا بمبئی کی ذمہ داری پوری کر کے دلی گیا ہوگا تم نے جو کرنا ہے ضرور کرنا مگر میں اپنے اوپر یہ الزام نہیں لینا چاہتا کہ میں بھی کسی لالچ کا شکار ہو گیا تھا۔ تم بھی یہیں پر ہو میں بھی ہوں دیکھو شکلہ کی جگہ جو آیا ہے وہ کیا کرتا ہے شکلہ نے تو قبول کر لیا تھا کہ میں راجن ہوں وہ حیدر کو بھول گیا تھا۔ مگر میرا پاسپورٹ بتاتا ہے کہ میں حیدر ہوں اور میرا پاسپورٹ پاکستانی ہے میں لندن سے آیا ہوں بہت کچھ تحقیقات ہونے کی گنجائش ہے۔ میرے خلاف کچھ بھی ہو سکتا ہے تم مجھے جیل میں پہنچانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم نے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔'' پنڈت نے جواب دیا۔

''کچھ باتیں بظاہر بڑی ناگوار لگتی ہیں مگر اس سے، ان کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہوتا میری پوزیشن ہر وقت نازک رہی ہے شکلہ نے مجھ پر ہاتھ نہیں ڈالا اس کی وجہ میں نہیں جانتا مگر ہر آفیسر کا کام کرنے کا اپنا انداز ہوتا ہے پتہ نہیں شکلہ کیا سوچ رہا تھا۔ نیا آفیسر بھی شکلہ کے انداز میں سوچے گا ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری رائے کیا ہے؟'' پنڈت نے پوچھا۔

''تم کچھ عرصہ خاموشی سے تماشہ دیکھو بلکہ روپوشی اختیار کر لو تو زیادہ اچھا ہے۔ مجھ سے بھی کم سے کم رابطہ کرو جب فائل کھلتی ہے تو ہر ایک کا منہ سونگھا جاتا ہے۔ ہر آنے والے اور جانے والے کے قدم گنے جاتے ہیں۔ سب کچھ کھنگال دیا جاتا ہے۔ تمہارا اور میرا سارا ریکارڈ ان کے پاس پہلے سے موجود ہے۔ انہیں مطمئن کرنے کو یہ سب کرنا ہے جلد بازی کام خراب کرتی ہے۔''

''میں نے جلد بازی کب کی ہے میں مانتا ہوں تمہاری بات میں وزن ہے۔ تمہارے اندازے بھی درست ہو سکتے ہیں امکانات کی حدیں نہیں ہوتیں۔ سرکاری آفیسر اور بل ڈاگ میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ یہ سب ایک طرف دوسری طرف دیکھو عمر کی پونجی کتنی بچی ہے۔ زیادہ وقت تمہارے اور میرے پاس نہیں ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم نے زندگی میں ضرور اچھی کامیابیاں حاصل کی ہوں گی۔ تم نے اپنی آنے والی نسل کو اچھا انسان تو ضرور بنایا ہوگا مگر نا کافی ہے۔ دولت کما لینا ہی کامیابی نہیں ہے۔ تم نے دولت کو حاصل کرنے کے لئے کتنی محنت کی ہے، کیا کیا جتن تم نے نہیں کئے؟ تم نے ماورائی قوتوں کو زیر کیا ان سے بھی کام لیا۔ میں تمہاری لگن کی داد دیتا ہوں مگر دولت آج بھی تم سے اتنی ہی دور ہے جتنی پہلے تھی۔ وقت خود راستے بناتا ہے ہم اس کے بنائے راستے پر ہی چلتے ہیں انسان اپنے طور پر کچھ سوچتا ہے اور وقت اپنے طور پر فیصلے کرتا ہے انسان کے سوچے منصوبے دھرے رہ جاتے ہیں فیصلے وقت کے ہی مستحکم ہوتے

ہیں انسان کو ان پر چلنا پڑتا ہے۔'' میں خاموش ہو گیا۔ پنڈت بھی سوچ میں گم خاموش رہا۔ پھر بولا۔

''تم نے بڑی بھاری اور عقل کی باتیں کی ہیں میں حالانکہ تمہاری ساری باتوں سے اتفاق نہیں کرتا مگر کچھ باتیں تم نے بہت حقیقت سے قریب کی ہیں، ان پر ضرور غور کروں گا مگر تم میری بات پر غور کرو زندگی کے کھیل میں کیا صرف جیت ہی جیت ہوتی ہے ہار بھی کھیل کا حصہ ہے۔ اگر ہار نہ ہو تو زندگی کی داستان ادھوری رہ جائے۔ واقعات ہوتے ہیں اور انسان سوچتا ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا، میں ایسا کرتا تو ٹھیک ہوتا میں ایسا کرتا تو ایسے ٹھیک ہوتا اور جو ہوتا ہے اس کا مقصد ہوتا ہے پتہ چلتا ہے کنٹرول کہیں اور ہے اس سب کے باوجود بھی انسانی جستجو کم ہوتی تجسس کا جذبہ ختم نہیں ہوتا کوشش پر کوشش ہوتی رہتی ہے انسان خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رکھتا ہے یہ بھی زندگی کے کھیل کا حصہ ہے جس طرح ہار جیت کھیل کا حصہ ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں تمہاری بات کو غلط نہیں کہتا، مگر حالات اور وقت بھی کچھ کہتا ہے اس کو بھی سننا ضروری ہوتا ہے۔ ریل کی پٹری کے ساتھ سگنل بھی ہوتے ہیں ہر ٹرین ڈرائیور اس پر نظر رکھتا ہے سرخ بتی اس کو روکتی ہے یعنی خطرہ ظاہر کرتی ہے وہ اس کو نظر انداز کسی حالت میں نہیں کر سکتا۔ انسان کے اندر بھی قدرت نے ایسا نظام رکھا ہے جو لوگ اس کو نظر انداز کرتے ہیں نقصان اٹھاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مان لیا، راجن بابو مان لیا میں ابھی کچھ نہیں کروں گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''چلو ایک بات تو تم نے مان لی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میں تو تمہاری خوشی میں خوش ہوں راجن سیٹھ۔'' پنڈت بولا۔

''تم راجن بابو کہتے ہو تو اچھا لگتا ہے اور جب سیٹھ کہتے ہو تو گھونسا سا پڑتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''زبان سے نکل جاتا ہے کیا کروں۔'' پنڈت نے کہا۔

''ذرا کنٹرول کرنے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا۔

''یہ بھی کروں گا اب تو وہی کرنا ہوگا جو حکم کرو گے۔'' پنڈت سر جھکا کر بولا.....

رات مجھے پربھا کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔ رات کھانے کے بعد میں اکیلا نکلا کرتا ہوں۔ میری کچھ ضرورتیں ہیں وہ میں پربھا سے پوری نہیں کر سکتا۔ پربھا نے کبھی میرے ساتھ جانے پر اصرار نہیں کیا۔ اس کے دل میں چور ہے کسی مقام پر کوئی اس کا پرانا جاننے والا اس کے نام سے مخاطب نہ کرے وہ زیادہ وقت گھر میں رہتی تھی۔ اس نے بھی بہت گرم سرد دور دیکھے تھے۔ اب وہ بہت ہوشیار تھی چوکنی تھی وہ اپنی اداکاری میں ذرا سی غلطی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی لڑکی کملی اس کے پاس کبھی نہیں آئی تھی وہ ہیروئن بن گئی تھی کامیاب بھی ہو گئی تھی اس کے پاس بہت کام تھا۔ پربھا کو پتہ تھا۔ شاید ماں بیٹی میں

فون پر بات ہوتی ہو۔

میں اس کی نظر میں اس سے مطمئن تھا۔ اس کی بھرپور اداکاری نے اس کو یقین دلا دیا تھا اور میں نے بھی اب تک یہی تاثر دیا تھا۔ میں اپنی ضرورت کا محتاج تھا تو وہ اپنی ضرورت کی غلام تھی۔

ہم دونوں غرض مند تھے۔ دونوں اپنا اپنا الو سیدھا کر رہے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم نے تاج محل دیکھا ہے۔ چاندنی۔''

''بہت زمانہ ہوا نہیں دیکھا۔'' وہ بولی۔

''تم میرے ساتھ ایک دفعہ گئی تھیں یاد ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''دھندلی سی یاد ہے۔'' وہ بولی۔

''تمہاری بہت سی یادوں پر دھند کی چادر تنی ہوئی ہے اب تک.....'' میں نے کہا۔

''ہاں ایسا ہے یہ جنم جنم کے چکر ہیں۔ میں کیا بتاؤں؟'' وہ بولی۔

''میرے خیال میں ہم لوگ بڑھاپے میں ملے ہیں اور جو شریر ہمارے حصے میں آئے ہیں وہ وقت پورا کر چکے ہیں۔''

میں نے کہا۔ تو وہ بولی۔ ''ہر شریر کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے اس کے بعد اس کو فنا ہونا ضروری ہے۔'' وہ بولی۔

''تو پھر فنا سے پہلے کچھ سیر کر لی جائے۔'' میں نے کہا۔

''میں ساتھ ہوں۔'' وہ خوشی سے بولی۔

''تاج محل دیکھنے چلتے ہیں کیا خیال ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ خوشی سے بولی۔ ''پرانی یادیں تازہ ہو جائیں گی چلو۔''

آگرہ شہر ویسا ہی تھا۔ شاید اس شہر میں تبدیلی ہوتی ہی نہیں تھی۔ اسی طرح تاج محل کبھی پرانا نہیں ہوتا جب دیکھو نیا لگتا ہے اس کے دیکھنے والوں میں کبھی کمی نہیں ہوتی۔ یہ دنیا کی وہ حسین عمارت ہے کہ جس کو پوری دنیا کے لوگ دیکھنے آتے ہیں اور دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں آج ترقی یافتہ دور میں بڑی بڑی کرینیں ہیں، بھاری سے بھاری پتھر کی نقل و حرکت نہایت آسان ہے۔ بنیادیں کھودنے کو ایک سے بڑھ کر ایک بورنگ سسٹم ہے مگر تاج محل کے بلند میناروں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کم گولائی میں اتنے بلند مینار بنانے والے نے ان کی بنیاد کتنی گہری رکھی ہوگی کسی مقام پر لوہے کا استعمال نہیں کیا گیا وہ کون سا سیمنٹ اور مصالحہ ہے جو پتھر کے ساتھ پتھر بن گیا ہے اور آج سیکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی ویسا کا ویسا ہے۔ مزار کے اندر جانے پر آدمی کا مزاج خود بخود سنجیدہ

ہو جاتا ہے۔ یہ معمار کا کمال ہے یا کسی جذبے کا اثر ہے۔

تاج محل کی عمارت کے دائیں اور بائیں دو مسجدیں بنی ہوئی ہیں ایک کا قبلہ تو مغرب کی طرف ہے اور ایک کا قبلہ مشرق کی طرف ہے ظاہر ہے یہ صرف شوپیس ہے اور اصل عمارت کی خوبصورتی کو بیلنس کرنے کو یہ شوپیس بنایا گیا ہے مگر اس میں بھی کاریگری کے سلسلے میں ٹال مٹول نہیں کی گئی ہے۔ اصل مسجد کی طرح اس کو بھی بنایا گیا ہے۔ اصل مسجد میں آج بھی باقاعدہ پانچ وقت نماز ہوتی ہے۔ نماز جمعہ بھی ادا کی جاتی ہے۔ وضو کے لئے پانی کا حوض ہے۔

میں نے اس عمارت کی اچھی طرح سیر کی ہے کسی مقام پر آپ اس میں کمی نہیں پائیں گے یہ عمارت اب دریا ہے جمنا اس سے ٹکرا کر چلتا ہے۔ مگر آج تک بنیادوں کو ذرا نقصان نہیں ہوا۔ یہ عمارت ایک عجوبہ ہے۔ اس کو دیکھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے۔

''کچھ یاد آیا چاندنی تم نے کب اس سے پہلے تاج محل دیکھا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

اس کے اسکرپٹ میں شاید اس کا جواب نہیں تھا۔ مگر تھی ہوشیار بات بنانے کو بولی۔ ''اب میں نے غور سے دیکھا ہے پہلے اگر دیکھا بھی تھا تو غور نہیں کیا ہوگا۔''

''مگر اب غور کر لو میں تم کو بتاتا ہوں تم نے اس سے پہلے کبھی تاج محل نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ تم کبھی آگرہ نہیں آئی ہو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''مذاق مت کرو۔'' وہ بولی۔

''یہ مذاق نہیں ہے پربھا دیوی میرے ساتھ چاندنی آئی تھی۔'' میں نے کہا۔

وہ اپنا نام میری زبان سے سن کر چونک پڑی جیسے اس کو کرنٹ لگ گیا ہو۔ میں نے پھر کہنا شروع کر دیا۔

''میں شروع سے جانتا ہوں کہ تم چاندنی نہیں ہو مگر یہ بات میں نے کسی کو نہیں بتائی اور تم کو چاندنی تسلیم کر لیا۔ تم نے ہر مقام پر اپنا پارٹ خوب اچھی طرح سمجھ کر پلے کیا ہے تم اچھی اداکارہ ہو ڈرامہ اور زندگی کے اصل حقائق دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ تم نے اسکرپٹ سے ہٹ کر بھی اچھی اداکاری کی ہے اگر میں تم کو پہچان نہ چکا ہوتا تو شاید بہت زیادہ تم کو داد دیتا۔

مگر چاندنی کی کچھ نشانیاں ایسی تھیں جن کو صرف میں یعنی اس کا پتی ہی دیکھ سکتا تھا۔ اس کے جسم کی بناوٹ اور انداز تم سے جدا تھا۔ تم کتنی بھی نیچرل اداکاری کرو میں پہچان جاؤں گا مگر میں نے تمہارا راز کسی پر نہیں کھولا۔ میں نے تم کو برداشت کیا ہے۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم ایک جھونپڑی سے آئی ہو تمہاری لڑکی ایکسٹرا کے طور پر کام کرتی ہے۔ اس کی جوانی کو ایکسٹرا سپلائر روندر ہے ہیں۔ تمہارے

بڑھاپے نے تم کو موت کے نزدیک کر دیا تھا۔ یہ سب جاننے کے بعد بھی میں نے تمہارا راز نہیں کھولا کیونکہ راجیش تم کو پھر وہیں پہنچا دیتا۔ تمہاری لڑکی کچھ دنوں بعد اسی جھونپڑی کے دوسرے بستر پر پڑی ہوتی۔ بولو کہ میں نے جھوٹ کہا ہے۔ جواب دو۔'' میں نے پوچھا۔

وہ سر جھکائے تاج محل کے سامنے گھاس پر بیٹھی تھی اور گھاس کریدر ہی تھی خاموش تھی۔ میں نے پھر کہا۔ ''تم نے جواب نہیں دیا۔''

''مجرم جب رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے تو وہ اپنی صفائی میں کیا کہتا ہے؟'' وہ بولی۔

''تم نے تسلیم کیا کہ میں نے جو کہا وہی حقیقت ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں وہی ہے جو آپ نے بتایا ہے۔'' وہ بولی۔

''کئی دفعہ مجھے تم پر ہنسی آتی تھی مگر میں خود پر کنٹرول کر لیا کرتا تھا۔ بعض وقت آگہی بڑا ظلم کرتی ہے۔ اس ظلم کو میں متواتر برداشت کرتا رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں تم نے ٹھیک کہا میں آپ کی بلندی کی پیائش کر رہی ہوں یہ مینار تو بہت چھوٹا ہے آپ کی اونچائی اس سے کہیں زیادہ ہے۔'' وہ بولی۔

''یہ تمہاری نظر کا دھوکا ہے۔ انسان کا ہر فعل غرض سے مشروط ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے تم کو وہ مقام دیا جو پنڈت اور راجیش چاہتے تھے اس کی کوئی تو وجہ ہوگی بے غرض آج کا انسان نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تو ابھی تک کچھ نظر نہیں آیا۔'' وہ بولی۔

''ہر چیز نظر نہیں آتی کچھ محسوس کی جاتی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''شاید میرے احساسات مردہ ہو گئے ہیں۔'' وہ بولی۔

''ابھی میں تم کو اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاؤں گا اور تمہاری پوزیشن کو برقرار رکھوں گا۔ مگر اب اداکاری نہ کرنا اپنی قدرتی زندگی بسر کرنا تم موقعہ اور وقت سے کملی کو بھی بلا سکتی ہو مجھ سے زیادہ تم اس بات کو سمجھ سکتی ہو کہ کیا غلط ہے اور کیا تمہارے اور تمہاری لڑکی کے لئے ٹھیک ہے۔ میری طرف سے تم پر پابندی نہیں ہے۔ مگر یاد رکھنا کہ راجیش اور پنڈت تمہاری طرف سے غافل نہیں ہیں کیونکہ وہ تم کو بھرپور معاوضہ ادا کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کی بات کا خیال رکھوں گی۔ مگر یہ کھیل کیا ہے نہ کوئی شوٹنگ ہے نہ کمرہ ہے نہ گانے ہیں آخر یہ سب اتنا خرچ کیوں کیا جا رہا ہے آخر یہ سب کیا ہے؟'' وہ بولی۔

''میں درویشی اور عیاری دوستی بھی اور عبادت بھی کا قائل نہیں ہوں۔ میں نے چہرے پر کبھی

نقاب نہیں رکھا۔ مگر حالات نے مجھے ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے کہ میں ابھی خود کو تمہارے سامنے منکشف نہیں کر سکتا۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کی بات تسلیم کر لیتی ہوں اس لئے کہ غریبی بہت سی مجبوریوں کو جنم دیتی ہے اور اس مجبوری سے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔'' پربھا نے دکھ سے کہا اس آواز کا کرب میں محسوس کر سکتا تھا۔

''ابھی میرے بارے میں کوئی سوال نہ کرنا اور کرو گی تو جواب نہیں ملے گا میں جب تک اشارہ نہ کروں تم چاندنی ہو جب میں اشارہ کروں اس وقت تم اور تمہاری لڑکی کسی بہتر مقام پر ہو گی تم جانتی ہو میں راجن سیٹھ ہوں کروڑوں کا کاروبار ہے میرا۔ میرے اشارے پر بہت کچھ ہو جاتا ہے راز کو راز رکھنا۔''

پتہ نہیں میں نے یہ درست کیا تھا یا غلط کیا تھا۔ بس میرے دل نے اس ڈرامے کو ختم کرنے کو کہا اور میں نے ختم کر دیا۔ عورت کے پیٹ میں نو ماہ تک ایک بچہ رہ سکتا ہے۔ مگر راز کی بات نو دن نہیں رہ سکتی یہ میں جانتا تھا۔ مگر پھر بھی میں نے پربھا کو ایک راز سونپ دیا مگر وہ عجیب راز ہے اس راز میں اس کی بھی بقا ہے۔ اگر وہ کہتی ہے کہ میں اس کی اصلیت جان گیا ہوں تو پھر اس کا پارٹ ختم وہ اپنی بقا کی خاطر کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی۔

میں روز اسکرپٹ کے مطابق اس کے ڈائیلاگ سن سن کر بیزار ہو گیا تھا۔ آخر کب تک انسان ایکٹنگ کر سکتا ہے وہ بھی اس سے ضرور تنگ ہو گئی ہو گی مگر اس کو تو اس کام کے دام مل رہے تھے اس لئے کر رہی تھی۔ مگر اعصاب اس کے بھی تھک گئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ اپنی جوانی میں کیسی ایکٹریس تھی۔ مگر میں نے یہ محسوس ضرور کیا کہ احساس محرومیت کے دور میں اس کا جذبہ تخلیق بہت بہتر تھا اور اس نے بہت اچھی اداکاری کی تھی۔ اس کا انعام میں جو دے سکتا وہ یہ تھا کہ اس کے پارٹ کو قائم رکھوں جہاں تک ممکن ہو۔

☆.....☆.....☆

میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں گردھاری ٹرسٹ کا مالک بن جاؤں سیٹھ راجن کہلاؤں۔ کروڑوں کا کاروبار کروں مگر آخر میں تھا تو ایک انسان اپنے آپ سے کتنا ہی بے نیاز کیوں نہ ہوں۔ اپنے بارے میں کچھ نہ سوچوں مگر بحیثیت انسان میں ضروریات زندگی سے الگ تو نہیں ہو سکتا تھا ان ہی ضروریات کو پورا کرنے کو میں نے کراچی میں ایک کاروبار کیا تھا رضیہ کے اخراجات ضروری تھے ان کو پورا کرنا تھا۔ میرے اندر فطری طلب تھی اور میری ازدواجی زندگی بھی بھرپور رہی تھی۔ کنول اور رضیہ

دونوں نے مجھے بھرپور محبت اور رقابتوں سے نوازا تھا۔ مگر ایک زدواجی زندگی مجھ پر اور لاد دی گئی تھی میں اس سے کنارہ کشی کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ایک ہی طریقہ میری سمجھ میں آیا تھا کہ خود کو آشکار نہ کروں مگر پربھا کو بتادوں کہ تم چاندنی نہیں ہو۔

وہ جب سے واپس آئی تھی ایک عجیب کیفیت کا شکار تھی۔ دور رہنا چاہتی تھی مگر شاید میری ضرورت کے خیال سے دور نہیں رہتی تھی۔ اس کے گفتگو کرنے کے انداز میں ایک شرمگیں کیفیت میں نے محسوس کی تھی۔ اس کا انداز مجھے احساس دلاتا تھا کہ وہ ان لمحات کو یاد رکھے ہوئے ہے۔ جو ہم دونوں پر گزر چکے ہیں مگر میرے دل کے کسی گوشے میں احساس گناہ موجود تھا۔ میں اس کی تلافی کس طرح کروں گا یہ خود میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا میں آگرہ سے آنے کے بعد اس سے دور دور تھا اس نے قریب آنے کی کچھ کوشش تو کی تھی مگر میرے رویئے نے اس کے حوصلے پست کردیئے۔

جب تک وہ چاندنی تھی اس وقت تک اس کے حوصلے بلند تھے مگر اب پربھا میرے رحم وکرم پر تھی۔ میں نے اس کے مرجھائے اور اداس چہرے کو دیکھا تو ایک دفعہ مجھے اس پر رحم آیا کہ چاندنی کا پارٹ اس کو کرنے دوں میرا کیا جائے گا مگر میرے اندر سے آواز آئی۔

ان راستوں کو بالکل بھول گیا جو زندگی گزارنے کو متعین کئے گئے ہیں۔ حرام حلال کی تمیز بھول گئے۔ یہ عورت کون ہے؟ جائز اور ناجائز میں فرق نہیں رہا۔ سارے احکامات فراموش کردیئے۔ اب کون سی مجبوری تم پر ہے۔ میں جہاں تھا وہیں رک گیا۔ میں نے کہا۔

''تم نے جھوٹ فریب سازشوں اور ہوسناکیوں کے گھناؤنے گناہوں کے ماحول میں زندگی بسر کی ہے۔ تم نے محبت اور سچائی کو صرف فلم میں دیکھا ہے۔ اب اگر سچائی تمہارے سامنے آتی ہے تو تم کو اجنبی لگتی ہے اس کے باوجود کہ میں تمہاری ساری سابقہ زندگی کے بارے میں جان گیا ہوں۔ تم میرے ساتھ ہی رہو گی اور چاندنی والا کردار کرو گی اب تمہارے کردار کے دو ڈائریکٹر ہوں گے ایک ڈائریکٹر تم کو چاندنی بنائے گا اور میں تم کو پربھا ہی بناؤں گا مگر سب کے سامنے تمہارا چاندنی والا کردار حاوی رہے گا۔ مگر میرے سامنے پربھا والا کردار تم کرو گی۔ یہ دوہرا کردار ہے اب دیکھنا ہے کہ تم کتنی اچھی ایکسٹریس ہو۔''

میں نے بات ختم کی تو وہ بولی۔

''بہت مشکل دوراہے پر کھڑی ہوں۔ تمہاری حقیقت پسندی نے مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ بے شک میں پیسے لے کر محبت کررہی تھی۔ مگر تم نے محسوس کیا ہوگا کہ اس نقلی محبت میں اصل ٹچ بھی تھے میں خود اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی ہوں۔ میں نہیں جانتی تم کون ہو مگر محبت کا ہو

حقیقی ڈرامہ میں نے کھیلا ہے اس کے بعد میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ میں جانتی ہوں میں تمہارے لائق نہیں ہوں مجھے پورا احساس ہے کہ تم کوئی بہت اونچے انسان ہو میں نالی میں پڑی ایک گندی مخلوق ہوں تمہارا میرا کوئی جوڑ نہیں ہے ہمارا ملاپ لکھا تھا اس لئے ہوا اور بس مگر میرے محبوب کیا کوئی دیوتا یہ حق رکھتا ہے کہ کسی پجاری کو اس کی پرستش سے روک دے۔ میری زندگی میں کچھ نہیں تھا۔ پھر نا معلوم میری کس نیکی کے بدلے میرے دل میں محبت کی روشنی پیدا ہوگئی۔ میں اس روشنی میں زندگی گزاروں گی مجھے تمہیں پانے کی آرزو ہرگز نہیں ہے۔'' پربھا کی آواز لرز رہی تھی نگاہیں زمین پر تھیں۔

وہ مجھے چند لمحے تک چاندنی نظر آتی رہی۔ مگر فوراً میرے دل میں خیال آیا۔ ''میں راجن کب ہوں۔ میں تو حیدر ہوں۔ میرا چاندنی سے کیا واسطہ میرا تو کنول سے واسطہ ہے اور وہ لندن میں بیٹے کے پاس ہے یہ عورت ایکٹریس ہے اب اس نے نیا ڈرامہ شروع کردیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم نے یہ کون سا ڈرامہ شروع کردیا۔''

''تم نے ٹھیک کہا میں تو ہوں ہی ایکٹریس ڈرامہ کرنا ہی میرا کام ہے۔'' وہ بولی۔

''اب تم اصل زندگی میں بھی ڈرامے کرو گی۔'' میں نے کہا۔

''ہاں اب تو میری زندگی ہی ڈرامہ ہے میری ارتھی پر ضرور آنا وہ میرا آخری پارٹ ہوگا۔'' وہ بولی۔

''مرنے کی باتیں نہ کرو انسان اداس ہوجاتا ہے۔''

''موت کا تصور اداس تو کرتا ہے مگر یہ اٹل حقیقت بھی ہے۔''

''اس میں شک نہیں ابھی تم بہت کچھ دیکھو گی تم نانی بنو گی۔'' میں نے کہا۔

''شاید ایسا ہوجائے میری یہ خواہش بھی تھی مگر اب امید کم ہے۔'' وہ بولی۔

''کیوں امید کم کیوں ہوگئی؟'' میں نے پوچھا۔

''پتہ نہیں یہ اندر کی آواز ہے۔'' وہ بولی۔

تین دن کے بعد پربھا پر سخت دل کا دورہ پڑا۔ میں اس کو اسپتال لے کر گیا۔ اس نے ڈاکٹروں کے سامنے بڑی کمزور مگر صاف آواز میں کہا۔

''راجن تم کو میں نے پتی سویکار کیا تھا۔ بے شک یہ پارٹ کا ایک قصہ تھا مگر میرے دل نے تمہیں پتی مان لیا تھا میری ارتھی کو تم اگنی کے حوالے کرو گے۔'' اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا اور مرگئی۔

آخری رسومات میں پوری انڈسٹری نے شرکت کی یہ پربھا کی آخری رسومات نہیں تھیں۔ یہ

چاندنی مری تھی سیٹھ راجن کی دھرم پتنی انڈسٹری کو تو آنا ہی تھا۔ کملی نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کہا۔ ''اپنا خیال کرو اپنی ماں کا آخری پارٹ خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہونے دو اس کا پردہ فاش مت کرو یہی اس کی خواہش تھی۔''

چاندنی پھر مر گئی۔ راجن اکیلا رہ گیا۔

راجیش نے کہا۔ ''صبر کرو یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔''

پنڈت نے کہا۔ ''بڑے بے وقت مری ہے۔ ذرا اور رہتی تو کچھ سہارا مجھے ملتا۔''

''تم صرف اپنے مطلب کی حد تک سوچتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''ارے راجن بابو یہ زندگی کے کھیل ہیں کبھی تین چھکے کبھی ایک بھی نہیں۔'' وہ بولا۔

''ابھی تین چھکے دور ہیں۔'' میں نے کہا۔

''کوئی چھنا نہیں، قریب بھی آ ہی جائیں گے۔'' وہ بولا۔

''ابھی اس قسم کی بات نہ کرنا میں ذہنی طور پر بڑا الجھا ہوا ہوں۔'' میں نے کہا۔

پنڈت مسکرا کر بولا۔ ''یہ تو وہی بات ہوئی مجھے تم چھیڑو گے۔''

''ہاں اسی لئے میں نے کہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''میں اتنا بے رحم نہیں ہوں جتنا تم خیال کرتے۔'' وہ بولا۔

''مان لیا تم بڑے رحم دل غریب پرور ہو مجھ غریب پر رحم کرو۔'' میں نے کہا۔

''وارے غریب۔'' پنڈت بولا۔

''تم سمجھ نہیں سکتے کہ غربت کا مطلب کیا ہوتا ہے اور امیر کون ہوتا ہے تمہارا پیمانہ تو سونا ہے نوٹ ہیں۔ تم میری بات کو اسی پیمانے پر رکھ رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''یہاں تم نے قائل کر لیا سیٹھ۔'' پنڈت بولا۔

''قائل بھی ہوئے تو ٹانگ اوپر ہی رکھی۔'' میں نے کہا۔

''ٹانگ اوپر کس طرح رکھی۔'' پنڈت بولا۔

''آخر میں سیٹھ کہہ دیا۔'' میں نے جواب دیا۔

پنڈت زور سے ہنس پڑا۔ اور بولا۔ ''تم سے جیتنا بہت مشکل کام ہے گرو معاف کر دو۔''

''ارے میں تمہارا گو انہیں ہوں کیوں بدنام کرتے ہو۔'' میں نے کہا۔

پنڈت زور سے ہنسا اور چلا گیا۔ سیٹھ راجن کی بیوی کا انتقال ہوا اخبارات نے بڑی بڑی خبریں لگائیں۔ بہت سے اخبارات جو چاندنی کے بارے میں جانتے تھے۔ انہوں لکھا ''چاندنی پھر مر گئی اور

راجن پھر اکیلا رہ گیا۔''

اکبر کا فون آیا اس نے پوچھا۔ رضیہ نے پوچھا۔

اور روشن خود آ گیا۔ اس نے آتے ہی پوچھا۔ ''ڈیڈی کون مر گیا۔ سب اخبارات خبریں لگا رہے ہیں میں تو گھبرا گیا۔''

''یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا پہلے تم بتاؤ تمہاری ماں کا کیا حال ہے وہ کیوں نہیں آئی۔''

روشن نے ایسے میری طرف دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ اگ آئے ہیں۔

''ارے بتاؤ نا دیکھ کیا رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ کو اب تک پتہ نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''کس بات کا.....'' میں نے کہا۔

''ڈیڈی آپ جب لاپتہ تھے اس وقت ہی مما کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کو اب تک نہیں پتہ.....''

روشن نے معصومیت سے یہ سارے الفاظ میرے کانوں تک پہنچائے۔ اور صرف ایک لمحے میں، میں صدیوں پر پھیلی ہوئی اذیت سے زیادہ کربناک صورت حال سے دوچار ہو گیا۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں اس لمحے کی سرگزشت بیان کر سکوں۔ میرا چہرہ شاید میرے اندرونی کرب کا آئینہ دار بن گیا تھا۔ الفاظ اندر گھٹ کر رہ گئے تھے۔ زبان پر کانٹے پڑ گئے مجھے ایسا لگا جیسے میں ہواؤں میں تیرتا پھر رہا ہوں۔

روشن نے شاید میری کیفیت کو محسوس کر لیا اس نے پکڑ کر مجھے صوفے پر بٹھا دیا اور بولا۔

''آپ نے مجھ سے پوچھا تھا مگر ماما نے مجھے منع کر دیا تھا۔ کیونکہ آپ کی طبیعت خراب تھی اور کسی بھی صدمے سے اور زیادہ بگڑ سکتی تھی۔ ماما نے آپ کو بہت یاد کیا تھا۔''

روشن نے مجھے پانی پلایا تو ذرا میرے گلے کے کانٹے مرجھائے اور میں نے کہا۔ ''تو چاندنی مر گئی تھی مجھے نہیں بتایا گیا اور نقلی چاندنی پیدا کر دی گئی۔ میرے ساتھ خوب مذاق ہوا ایک اتنی بڑی المناک حقیقت کو مجھ سے چھپایا گیا۔ اب میں کس سے سوال کروں؟ کون جواب دے گا؟ اس مجرمانہ فعل کا کون ذمہ دار ہے؟ مجھے بتاؤ۔'' میں نے روشن سے پوچھا۔

''ڈیڈی سب ہی کو آپ کے گم ہونے کا دکھ تھا آنے پر آپ کو آتے ہی رنج پہنچانا کسی نے نہیں چاہا۔ شاید اتنی خبر آپ تک پہنچانے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔'' روشن کے لہجے میں بلا کا کرب تھا۔

میں خاموش رہا تو وہ پھر بولا۔ ''ڈیڈی آپ مجھ سے کہیں زیادہ سمجھ رکھتے ہیں میں آپ کو کیا بتاؤں انسان کو بعض اوقات بڑے سخت مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے زندگی اور موت کا کھیل تو ہمیشہ سے

ہوتا آیا ہے جو آتا ہے اس کا جانا بھی اٹل حقیقت ہے۔ اسی کا نام زندگی ہے۔''

کتنی سچی حقیقت میرا بیٹا بیان کر رہا تھا میرا دل خوشی سے بھر گیا میرا بیٹا بڑا جو ہو گیا تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ بھی مسکرانے لگا میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور روشن کو گلے لگا لیا۔ اور کہا۔

''تو بڑا ہو گیا ہے، کنول کا بیٹا مجھے پڑھا رہا ہے دیکھ لے کنول تو بھی خوش ہو جا تیرے جانے کا جو غم مجھے ملا تھا تیرے بیٹے نے اس کو دور کر دیا میں پھر سے تر و تازہ ہو گیا ہوں۔''

روشن نے کہا۔ ''ڈیڈی میں کتنا ہی بڑا ہو جاؤں رہوں گا۔ آپ کا ہی محتاج۔''

''تم کبھی محتاج نہیں ہو گے تم یادگار ہو، کنول کی محبت کی یادگار، حیدر کی محبت کی یادگار، ہماری پاک محبت کی یادگار۔''

میں نے راجیش سے کوئی سوال نہیں کیا۔ پنڈت سے بھی کچھ نہیں پوچھا۔ سب بیکار تھا۔ کسی کے پاس اتنا اچھا جواب نہیں تھا جو روشن نے مجھے دیا تھا اب اور کیا باقی تھا جو میں کسی سے پوچھتا۔

راجیش البتہ کچھ شرمایا شرمایا سا تھا کہ شاید میں اس سے سوال کروں گا مگر میں نے کچھ نہ پوچھا تو خود بولا۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے۔''

''کیوں ناراض کیوں ہوں گا؟'' میں نے کہا۔

''میں نے کنول کی موت کو آپ سے چھپایا تھا۔ اس لئے۔''

میں نے کہا۔ ''میں صدق دل سے کہہ رہا ہوں کہ تم سے ناراض نہیں ہوں تم خود حالات کی گردش میں تھے مگر کبھی وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ زندگی میں تغیرات آتے جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مگر میری نظریں آپ کے سامنے سدا جھکی رہیں گی۔'' وہ بولا۔

''تم مجھے کنول کے سامنے شرمندہ کرو گے۔ وہ نہیں کہے گی تم نے میرے بھائی کو شرمندہ کر دیا۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا۔'' وہ بولا۔

''ارے ہاں معاف کر دیا۔ میں نے معاف کیا میرے خدا نے معاف کیا۔'' میں نے کہا۔

پھر روشن اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

روشن نے کہا۔ ''ڈیڈی آپ میرے ساتھ چلیں یہاں پر آپ گھبرائیں گے۔''

میں نے راجیش کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''سن رہے ہو کیا کہہ رہا ہے؟''

''میرے خیال میں تو مناسب ہے، کنول کی یادیں یہاں زیادہ آپ کو ستائیں گی۔'' راجیش

نے جواب دیا۔

''میرے جانے سے کچھ یہاں فرق تو نہیں آئے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں! میں ہوں۔'' راجیش نے کہا۔ اور میں کسی کو بتائے بغیر لندن پرواز کر گیا۔

پنڈت کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی اس کا سارا پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا۔ سب وکیلوں اور اس نے جو محنت کیس بنانے میں کی تھی، رائیگاں چلی گئی۔ راجیش نے تو صاف کہہ دیا کہ روشن آیا تھا اس نے کنول کی موت کی بات بتا دی اور ساتھ لے کر چلا گیا۔ مجھے خود پتہ نہیں کہ ان کا پروگرام کب جانے کا بنا۔

پنڈت ہاتھ ملتا واپس آ گیا۔ مگر اس کو چین کہاں تھا۔ گردھاری ٹرسٹ کے محلات اور فیکٹریاں اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کرتے تھے اس نے نہ جانے کتنے پروگرام بنا لئے تھے۔

''میری ہی غلطی ہے۔'' اس نے سوچا اس کو اسی ریگستان میں رکھنا تھا۔

''اب میں کیا کروں اس کو کس طرح لاؤں بمبئی، آدمی ضدی ہے اگر زبردستی سے لایا گیا تو بھی کام نہیں بنے گا ابے او حیدر کے بچے ذرا اور رک جاتا۔'' اس نے ایک گالی دل میں دی اور خود سے بولا۔ ''میں تیرا پیچھا تو نہیں چھوڑوں گا۔ لاؤں گا تجھے پھر واپس لاؤں گا اور اب کے تیرا وہ حشر کروں گا کہ تو جانے کے قابل نہیں رہے گا۔''

اور پنڈت بنارس روانہ ہو گیا۔ کلیان روڈ پر ایک بہت بڑا مندر ہے۔ مندر کے سامنے روڈ ہے اور پچھواڑے دریا ہے۔ مندر روڈ سے بہت اونچائی پر بنا ہوا ہے اور بہت قدیم ہے۔ پورے ہندوستان سے لوگ بنارس آتے ہیں یہ ان کا بہت معتبر ک مقام ہے مگر پنڈت یاترا کے لئے نہیں آیا تھا۔

وہ شیو بھگوان کے درشن کو بھی نہیں گیا۔ اس کا رخ بڑے پجاری کے کمرے کی طرف تھا دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو چند منٹ کے بعد ایک بڑی حسین پجارن نے دروازہ کھولا.....

پنڈت نے بڑے غور سے اس کو دیکھا وہ واقعی بہت حسین عورت تھی گورا رنگ سیاہ گھٹاؤں جیسے بال جن کا اس نے جوڑا بنا لیا تھا۔ وہ پنڈت کو دیکھ کر دروازے کے ایک طرف ہو گئی اور پنڈت کو اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ کمرہ بہت بڑا اور روشن تھا۔ درمیان میں ایک بہت بڑا تخت پڑا تھا اور اس پر بہت بھاری بھرکم آدمی صرف دھوتی باندھے لیٹا تھا اس کا بڑا سا سر بہت موٹے تکیے پر تھا اور نگاہیں دروازے کی طرف تھیں۔

وہ پنڈت کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''او ہو! پروفیسر پنڈت رام سنکھ پتھارے ہیں آؤ

میرے پاس آ جاؤ۔"

"ملنے کو دل کرا گرو تو آ گیا۔" پنڈت نے کہا۔

"اب کے بہت دن بعد آئے بنارس، ٹھیک تو ہو۔" پجاری نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوتا تو گاجے باجے سے نہ آتا۔" پنڈت نے جواب دیا۔

"تم نے تو بڑی اچھی تیاری کر لی تھی پھر کیا ہوا۔" پجاری بولا۔

"سب دھری کی رہ گئی اور وہ پھر بھاگ گیا۔" پنڈت نے کہا۔

"بھاگ گیا ارے تو کیسا شکاری ہے شکار سامنے کھڑا ہے بندوق تیرے ہاتھ میں اور پھر شکار بھاگ گیا تو نے تو بنارسیوں کا نام ڈبو دیا۔"

"گرو پوری بات تو سنو۔ میری تو تیاری پوری تھی قانون کا پیٹ بھرنے کو کاغذ بھی تیار تھے۔ اس کا بیٹا آ گیا اور وہ بغیر کسی کو بتائے لندن اس کے ساتھ چلا گیا۔"

"ارے یہ تیری کمزوری ہے بڑا پڑھا لکھا پروفیسر بنا پھرتا ہے مجھ سے سیکھا بھی بھول گیا۔ اپنی پروفیسری چلانے لگا ہوگا ارے دشمن کو دشمن کی طرح برتا جاتا ہے۔"

"گرو میں مانتا ہوں مجھ سے اس کو سمجھنے کی غلطی ہوئی ہے۔" پنڈت نے کہا۔

"سارا پھیر ہی سمجھ کا ہے بے وقوف تجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ ڈرامہ کر رہا ہے اس کو اپنا پچھلا جنم کیا واقعی یاد آ گیا تھا۔" پجاری بولا۔

"مجھے پتہ تھا کہ وہ حیدر ہے پچھلے جنم کا ڈرامہ کر رہا ہے دولت انسان کو مجبور کرتی ہے وہ اس کی خاطر سب کچھ کرتا ہے میرا خیال تھا اس کے دل میں بھی اس کا لالچ آ گیا ہے۔ جب انسان کے دل میں دولت کا لالچ آ جائے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں اسی دھوکے میں اس سے غافل ہو گیا تھا۔"

"وہ کبھی راجن نہیں تھا تجھ سا بے وقوف کون ہوگا تیری ساری ودیا اور شکتی کو وہ لات مار کر چلا گیا اور تو فریاد لے کر میرے پاس دوڑا آیا ہے تو میرے چیلوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا چیلا تھا۔ مگر تو ہی سب سے زیادہ ناکارہ بھی ہے نہ تو نے شکتی کو استعمال کرنا سیکھا نہ اپنی ڈگریوں سے کچھ کام لیا تو صرف کسی اسکول میں بچوں کو پڑھا سکتا ہے تو کس چکر میں پڑا ہے گردھاری ٹرسٹ کی دولت تیرے نصیب میں نہیں ہے۔" پجاری غصے سے بولا.....

پنڈت اٹھ کر اس کے قدموں میں بیٹھ گیا اور بولا....."گرو میں واقعی ایسا ہوں جیسا تم نے کہا ہے تمہاری سکھشا اور میرے درمیان میری ڈگریوں نے آ کر ہمیشہ میرا کام خراب کیا ہے مصلحت اور رحم ان ڈگریوں میں بھرا ہوا ہے میں ان ڈگریوں کی ودیا کو ختم کر دوں گا ان کو جلا کر راکھ گنگا میں

بہا دوں گا مجھے ان کی ضرورت نہیں مجھے صرف تمہاری سہائتا کی ضرورت ہے میں قسم کھاتا ہوں اب میں بدل جاؤں گا۔" پنڈت نے گڑگڑا کر کہا۔

"تو نے کئی غلطیاں کیں ہیں دو دفعہ تو نے چوٹ کھائی ہے۔" پجاری نے کہا۔

"میرے اور اس کے درمیان شکلہ جو آ گیا تھا۔" پنڈت نے کہا۔

"شکلہ کو چکر دینا کون سا مشکل تھا۔" پجاری نے کہا۔

"میں نے کوشش کی تھی گرو مگر اس کے قریب میرے بیر نہیں جا پائے۔" پنڈت نے کہا۔

"ارے وہ پولیس آفیسر تھا کوئی جادوگر تھا کیا۔" پجاری نے پوچھا۔

"کچھ ضرور تھا یا پھر کوئی اس کی سہائتا کر رہا تھا۔" پنڈت نے جواب دیا۔

"ایسا تھا تو تجھے میرے پاس آنا تھا مگر تو کیوں آتا تو تو شکتی کے نشے میں گرو کو بھول ہی گیا تھا۔" پجاری نے غصے سے کہا۔

"بھول تو مجھ سے بہت ہوئی ہے میں مانتا ہوں مہاراج معاف کر دو گرو۔ اب پروفیسر کو میں اپنے شریر سے نکال دوں گا صرف تمہارا چیلا بن جاؤں گا۔" پنڈت نے کہا۔

"تجھے بھولا سبق دوبارہ یاد کرنا ہوگا۔ نئے سرے سے تیاری کرنا ہوگی۔" پجاری نے کہا۔

"جو کہو گے کرنے کو تیار ہوں۔" پنڈت نے کہا۔

"ٹھیک ہے آشرم میں آ جا۔" اور پروفیسر صرف رام سنگھ رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

نیلا سرجن ہو گئی۔ روشن نے اس خوشی کے موقعہ پر بہت بڑی پارٹی کا انتظام کیا۔ اکبر اور اس کی بیوی بھی رضیہ کے ساتھ لندن آ گئے۔ میرا پورا گھرانا موجود تھا۔ لندن کے بہت سارے مسلمان اور ہندو دوستوں نے پارٹی میں شرکت کی۔ ہماری کسی دعوت میں کبھی کسی مہمان کو شراب پیش نہیں کی جاتی یہ بات لندن کے دوستوں کو معلوم تھا۔ اس لئے اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا پاکستانی اور ہندوستانی کھانے ان کے سامنے تھے۔

نہ شور شرابہ تھا نہ شراب میں مست شرابی تھے۔ نہایت سنجیدہ محفل تھی علم و ہنر کی باتیں تھیں ادب شاعری کے قصے تھے ایسی محفلیں لندن میں بہت کم ہوا کرتیں تھیں اس لئے سب نے اس تبدیلی کو پسند کیا رات بارہ بجے تک سب چلے گئے حالانکہ لندن کی دعوتوں میں تو لوگ بارہ بجے آتے تھے۔ سب کے جانے کے بعد اکبر نے کہا۔

"بھائی مجھے تو ایسا لگتا تھا جیسے میں کراچی کے کسی دعوت ولیمہ میں شریک ہوں۔"

نبیلا نے جواب دیا۔ ''روشن بھائی کی ہر بات نرالی ہوتی ہے بھابھی کو دیکھو فر فر اردو بولنے لگی ہیں اور بڑی اچھی چپاتی پکاتی ہیں۔''

سب زور سے ہنس پڑے۔

''تم سناؤ اتنے دن لندن میں رہ کر چپاتی پکانی بھول گئی ہو۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''نہیں امی میں نے کبھی اپنے سر پر لندن کو سوار نہیں کیا۔'' نبیلا نے جواب دیا۔

''اچھا تو پھر کل صبح تم سب کو اپنے ہاتھ سے پراٹھے کا ناشتہ کراؤ گی۔'' روشن نے کہا۔

''بھائی جان آپ میرا امتحان لے رہے ہیں۔'' نبیلا نے پوچھا۔

''نہیں بہت دن ہو گئے پاکستانی پراٹھے نہیں کھائے۔'' روشن نے کہا۔

اکبر نے کہا۔ ''بھول گئی ہے پکانا۔''

''میں نہیں بھولی پکا دوں گی۔'' نبیلا نے کہا۔

''امی آ گئی ہیں اس لئے کہہ رہی ہے ان کی مدد حاصل کرے گی ضرور۔'' اور اکبر نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں خود پراٹھے پکاؤں گی کیا سرجن پراٹھے نہیں پکاتے۔'' وہ بولی۔

روشن نے ہنس کر کہا۔ ''میں نے کسی سرجن کو پراٹھے پکاتے نہیں دیکھا آپریشن کرتے تو دیکھا ہے میں کل جلدی اٹھ کر دیکھوں گا ضرور۔''

''ہاں بھائی جان میں نے بھی نہیں دیکھا میں بھی دیکھوں گا۔'' اکبر نے کہا۔

''اچھا اب جاؤ آرام کرو بہت دیر ہو گئی ہے۔''

اور یہ محفل ختم ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

اکبر اس کی بیوی اور نبیلا کراچی چلے گئے، میں نے رضیہ کو روک لیا۔ ''آپ خود نہیں گئے اور مجھے بھی روک لیا۔'' رضیہ نے کہا۔

''چلیں گے ضرور چلیں گے۔'' میں نے کہا۔

''اب نبیلا کے بارے میں کچھ غور کرو۔'' رضیہ نے کہا۔

''مجھ سے بہتر تم غور کرو گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''کنول بہن کے انتقال کا صدمہ سب کو ہے اکبر تو سن کر گم صم ہو گیا تھا۔'' رضیہ نے کہا۔

''کنول اکبر کو روشن کی طرح چاہتی تھی۔'' میں نے کہا۔

''کنول حیرت انگیز عورت تھی اس کے دل میں سوتن کے لئے ذرا نفرت نہیں تھی میرے بچوں کو

بھی وہ اپنے بچے خیال کرتی تھی۔'' رضیہ نے کہا۔

''جہاں محبت کی کھیتی کاشت کی جاتی ہے وہاں پر نفرت کی کوئی جڑی بوٹی نہیں اگتی اور اگر اگ جائے تو اس کو اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کم از کم ایک سال تو میں نبیلا کے بارے میں کچھ نہیں سوچوں گی۔'' رضیہ نے کہا۔

''میں جانتا ہوں تم کیوں نہیں سوچو گی؟'' میں نے کہا۔

''اچھا آپ کے بمبئی والے کاروبار کا کیا ہوا؟'' رضیہ نے پوچھا۔

''وہ تو راجیش کے ہاتھ میں ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ چلے کہاں گئے تھے؟'' رضیہ نے پوچھا۔

''ریگستان میں تھا۔'' میں نے کہا۔

''ریگستان میں وہاں تو کھانا پانی کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ بولی۔

''یہ بڑی لمبی داستان ہے پھر کبھی سناؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں سوچتی ہوں آپ کی زندگی کیا اوروں سے الگ انوکھی سی نہیں ہے کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔'' وہ بولی۔

''یہ زندگی کی خوبصورتی ہے کبھی بہت حسین کبھی بہت بدصورت مگر زندگی کی بدصورتی بھی اچھی لگتی ہے۔ کیونکہ موت کا تصور ہی ڈراؤنا ہے انسان کسی بھی حالت میں زندہ رہنا چاہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے ٹھیک کہا۔'' رضیہ نے کہا اور بولی۔ ''اچھا اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔''

میں ایک ماہ کے بعد کراچی آ گیا۔

اکبر اور نبیلا دونوں اپنی اپنی لائن میں بہت کامیاب تھے۔ رضیہ نے نبیلا کی شادی کی بات ایک سال کے لئے ملتوی کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اچھے لڑکوں پر اس کی نظر تھی۔

نبیلا ایک کامیاب سرجن تھی میں نے ایک دن ناشتہ پر اس سے پوچھا۔

''اب پڑھنے کا پروگرام ختم ہوا تم عملی زندگی میں قدم رکھ چکی ہو میں چاہتا ہوں اپنی زندگی میں تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔''

نبیلا نے شرما کر نظریں نیچی کر لیں جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر کہا۔

''بیٹا تم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی ہو مانا کہ مشرقی لڑکی ہو مگر والدین کا فرض ہے کہ بچوں کی مرضی ضرور پتہ کریں اس لئے میں تم سے پوچھ رہا ہوں تم مجھے نہ بتانا چاہو تو نہ بتاؤ اپنی ماں کو بتا دینا۔''

اس نے جواب نہیں دیا اور اسپتال چلی گئی۔

رضیہ نے دوسرے دن بتایا۔ ''کوئی لڑکا ہے لندن میں رہتا ہے وہ بھی سرجن ہے۔''

''لندن میں رہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں اس نے یہی بتایا ہے۔'' رضیہ بولی۔

''اس کا نام پتہ تو کچھ ہوگا میں اس کے بارے میں روشن کو بتادوں گا وہ سب پتہ کر کے بتادے گا۔''

میں نے کہا۔ رضیہ نے جواب دیا۔ ''ہاں اس نے اس کا نام جمشید بتایا ہے۔''

''ریڈوارڈ اسپتال میں سرجن ہے۔'' رضیہ بولی۔

''کچھ اس کے بارے میں پتہ کریں گے پھر فیصلہ ہوگا'' میں نے کہا۔

''رات کو ہی میں نے روشن کو سب تفصیل بتادی۔''

دو دن کے بعد روشن نے بتایا۔ ''جمشید ہے اور سرجن ہی ہے میں نے اس سے نبیلا کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جمشید، نبیلا کی ہر شرط ماننے پر راضی ہے اور پاکستان آنا چاہتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اس کو کہو وہ پاکستان آجائے اور اگر اس کا کوئی بڑا ہے تو اس کو بھی ساتھ لے آئے۔ ہم لوگ بڑوں سے بات کرتے ہیں۔''

تین دن کے بعد پھر روشن نے فون پر بتایا۔

15 تاریخ کو وہ آرہا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ اب وہ دنیا میں اکیلا ہے۔ دو ماہ ہوئے والدین کا کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا۔

15 تاریخ کو برٹش ایئرویز سے جمشید آگیا۔ ایئرپورٹ پر نبیلا نے اور میں نے اس کو ریسیو کیا۔

''میں اب پاکستان میں رہوں گا۔'' جمشید نے کہا۔

''آج کتنا اچھا دن ہے تم نے کتنی بڑی خوشخبری مجھے دی ہے۔'' میں نے کہا۔

میں نے رضیہ اور اکبر کو بلا کر جمشید کا فیصلہ سنایا۔ سب بہت خوش ہوئے۔ کوئی رکاوٹ نہیں تھی نبیلا اور جمشید کی شادی ہوگئی۔ دونوں پاکستان میں کام کرنے لگے.....

وقت کو تو پر لگے ہوئے تھے دو سال گزر گئے۔ میں کراچی کے کاموں میں ایسا الجھا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ ناشتہ پر اکبر نے کہا۔ ''پاپا آپ نے آج کا اخبار پڑھا۔''

''نہیں ناشتے کے بعد اخبار دیکھتا ہوں اب دیکھوں گا۔'' میں نے کہا۔

''ایک حیرت انگیز خبر چھپی ہے۔'' اکبر بولا۔

''کیا خبر ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بنارس میں ایک بیس سالہ لڑکے کو اپنا پچھلا جنم یاد آگیا ہے۔'' اکبر نے کہا۔

''تفصیل میں پڑھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اخبار لے کر اپنے کمرے میں آگیا۔

''بنارس میں چنکار بیس سالہ کمہار کو اپنا پچھلا جنم یاد آگیا۔ پچھلے جنم کا نام راجن بتاتا ہے اور کراچی جو اب پاکستان میں ہے کی پیدائش بتاتا ہے اپنی دھرم پتنی کا نام چاندنی بتاتا ہے۔ ان دونوں کا دیہانت کسی حادثے میں ہوا تھا وہ کراچی کے بارے میں پوری معلومات دیتا ہے اور اپنے بارے میں اور چاندنی کے بارے میں ستر سال پرانی باتیں بتاتا ہے۔ بنارس کے ہندو دھرم کے پنڈت پجاری اس بات کو بڑی اہمیت دے رہے ہیں۔ اس کے درشن کو لوگ دور دور سے آرہے ہیں۔ کیونکہ ایسے واقعات ہزاروں سال کے بعد ہوتے ہیں۔ بنارس میں آج کل جیون کمہار کا مکان تیرتھ یاترا بنا ہوا ہے۔ پنڈت رام سنگھ اور بہت سے دھرم کے کاج کرنے والوں نے کہا ہے کہ کرن نے جو کچھ کہا ہے وہ چنکار ہے اور یہ چنکار بنارس میں ہوا اس پر بنارس والوں کو خوش ہونا چاہئے۔'' آگے اور بھی بہت کچھ لکھا تھا مگر میرا ذہن ایک نام پر اٹک گیا تھا اور وہ نام تھا پنڈت رام سنگھ۔

آخر پنڈت نے اپنی آرزو پوری کرنے کو ایک نیا ڈرامہ شروع کر دیا۔ گردھاری ٹرسٹ کی دولت کو پانے کا کیا طریقہ نکالا۔ پرانے جال ناکارہ ہوگئے۔ تو نئے جال بنا بنالئے۔ ہندوؤں کی کمزوری کا خوب فائدہ اٹھا رہا ہے۔ مذہب کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ کچھ عیاری اور مکاری سے اور کچھ ماورائی طاقتوں سے وہ لوگوں کو متاثر کر لیتا ہے۔

میں جان گیا تھا کہ ماورائی طاقتوں کی عملداری بھی حدود سے بے بنیاد نہیں ہوتی۔ اگر پنڈت کے بس میں ہوتا تو وہ مجھے کہیں نہ رہنے دیتا۔

میں نے روشن کو فون کیا اور پوچھا۔ ''تم نے وہ پنڈت والی خبر پڑھی۔''

''وہ دوسرے جنم والی۔'' روشن نے پھر پوچھا۔

''ہاں وہی۔'' میں نے کہا۔ ''وہ تو روز آرہی ہے۔'' روشن نے جواب دیا۔

''یہ پنڈت کا نیا شوشہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ لوگوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''تم کو پتہ ہے یہ ڈرامہ پہلے بھی کھیلا جا چکا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے ساری تفصیل پتہ ہے اس نے آپ کو آگے رکھا تھا۔'' روشن نے کہا۔

"اور کنول کو چاندنی بنایا تھا۔" میں نے کہا۔

"ڈیڈی یہاں تک تو بات سمجھ میں آئی ہے۔ پنڈت نے اس ڈرامے کی ڈائرکشن کی۔ مگر جب پنڈت کا کوئی کردار نہ تھا۔ لاڑکانہ شہر میں چاندنی کا ظہور اور چاندنی کراچی میں اکیلی رہ جاتی ہے اور پھر وہ آپ کو تلاش کرتی ہے آپ کو اپنا پتی مانتی ہے اور آپ کو بمبئی لاتی ہے یہاں پر پنڈت کی انٹری ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ ہوا۔ اس کو کس خانے میں فٹ کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مما کو اپنا پچھلا جنم یاد آ گیا تھا تو وہ کراچی سے بمبئی کیوں آئیں؟" روشن نے کہا۔

"صرف کچھ عرصہ وہ چاندنی رہی پھر کنول یعنی اپنے اصلی روپ میں آ گئی تھی۔" میں نے کہا۔

"اور وہ آپ کو بمبئی لے آئیں اور یہاں پر آپ کو راجن بنا دیا گیا۔" روشن نے کہا۔

"اس پورے ڈرامے میں کنول مجھے نظر نہیں آئی میں اس کے ساتھ آیا ضرور تھا مگر اس کو بھی بے خبر رکھا گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"کنول کا چاندنی بن جانا اور پھر کنول بن جانا۔ آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے۔"

"میں کسی کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی کرنا نہیں چاہتا۔" میں نے کہا۔

"ڈیڈی میں بمبئی جا رہا ہوں پنڈت کے اس نئے ڈرامے کو وہیں پر اسٹیڈی کروں گا اور پھر آپ کو بتاؤں گا آپ کراچی میں ہی رہنا۔"

روشن نے کچھ سوالات بڑی بے دردی سے اٹھائے ہیں۔ میں کنول پر شبہ نہیں کر سکتا۔

کیا کنول صرف میرے قریب آنے اور مجھے بمبئی لے جانے کو قریب آئی تھی۔ کیا وہ بھگوان داس اور موہن لال کے راجن والے ڈرامہ میں شامل تھی کیا واقعی وہ چاندنی بن گئی تھی؟

روشن کے ذہن میں اپنی ماں کے بارے میں یہ سوالات آئے تھے میں نے پوچھا نہیں اور اس نے وضاحت نہیں کی۔ بات میں بھی سمجھ گیا تھا مگر حجاب کا باریک پردہ جو میں رکھا تھا اس نے بھی اس کو سرکانے کی کوشش نہیں کی۔

کنول کی بابت نہ میں شک شبہ کر سکتا نہ روشن اپنی زبان کھول سکتا تھا۔

مگر کچھ سوالات ضرور تھے ان کے جواب نہ میرے پاس تھے نا روشن کے پاس تھے۔

بھگوان داس اور موہن لال بنیادی کردار تھے دونوں نہیں تھے اب صرف ایک راجیش ایسا آدمی تھا جس کو شاید کچھ پتہ ہوگا۔

چاندنی واقعی کوئی تھی یا صرف یہ ایک فرضی کردار راجن کے ساتھ نتھی کیا گیا تھا۔ میں جتنا اس پر سوچ رہا تھا اتنا ہی دھنستا جا رہا تھا۔ خیالات میرے ذہن میں بگولوں کی طرح چکرا رہے تھے مگر اس

کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سا غرور تکبر بھی میرے وجود میں پھیلتا جا رہا تھا مجھ میں ایک ایسی توانائی پیدا ہوتی جا رہی تھی جس کی کونپل روح کی گہرائی سے پھوٹتی ہے میں اس پر نادان تھا کہ میرا بیٹا میرا دست بازو میرے ساتھ کھڑا تھا وہ مجھ کو سمجھتا تھا وہ میرا رفیق اور میرا ہمدم و ہمراز ہے۔

یہ خوشی اتنی بڑی تھی کہ اس نے مجھے ہلکا پھلکا کر دیا۔ میرے سارے تفکرات سارے ڈر مجھ سے دور چلے گئے۔

آگاہی اور بے خبری کے درمیان بہت تھوڑا سا فاصلہ ہوتا ہے۔ مگر کبھی کبھی یہی فاصلہ پوری طے نہیں کر پاتی اور کبھی لمحے کے ہزارویں حصے میں طے ہو جاتا ہے پوری رات گزر گئی مجھے پتہ نہ چلا رات کی سیاہی دن کی سفیدی سے مغلوب ہو گئی میں نے روشن دان سے آتی دھوپ کو دیکھا۔

سورج کی کرنیں رضیہ کے پلکوں پر جب مچلنے لگیں تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور بولی۔ "کیا ابھی اٹھے ہو۔" اس کا سوال بڑا سیدھا سادا تھا مگر میں جواب دینے سے لڑکھڑا ہو گیا۔

"اگر کہوں کہ میں سویا ہی نہیں تو پھر اور سوال اٹھیں گے اگر کہوں ہاں ابھی اٹھا ہوں تو پھر بھی سوال ہوگا کہ اتنی دیر سے کہوں؟" اس لئے میں خاموش رہا تو وہ پھر بولی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے آنکھیں کچھ سرخ نظر آ رہی ہیں۔" عورت اپنے شوہر پر کتنی دور تک نظر رکھتی ہے ایک نظر میں میری حالت کا اس نے ٹھیک ٹھیک اندازہ کر لیا تھا۔

میں نے کہا۔ "ہاں ٹھیک ہوں بس ذرا نیند کم آئی ہے تم فکر نہ کرو۔ ناشتہ کرواؤ۔" میں نے کہا۔

"بستر چھوڑو تو ناشتہ ہوگا۔" وہ بولی۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

ٹھنڈے پانی کے غسل نے مجھے تر و تازہ کر دیا۔ ساری کسلمندی ٹھنڈے پانی میں بہہ گئی۔ ناشتے کے دوران وہ بولی۔ "اب بتاؤ نیند کیوں نہیں آئی؟"

"تم تو کسی بات کو بھولتی ہی نہیں ہو۔" میں نے کہا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں بھولوں گی کیسے؟" وہ بولی۔

"روشن سے رات کو بات ہوئی تھی۔" میں نے کہا۔

"کیا کوئی فکر والی بات ہے۔" وہ بولی۔

"نہیں کوئی زیادہ فکر والی بھی نہیں ہندوستان میں ایک لڑکے نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ راجن ہے یعنی پچھلا جنم اس کو یاد آ گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"وہی راجن جو آپ کو بنایا جا رہا تھا۔" وہ بولی۔

''ہاں وہی راجن.....'' میں نے کہا۔

''یہ تو پھر اس کا تیسرا جنم ہوا'' رضیہ نے کہا۔

''ہاں تمہارے حساب سے تو یہ ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرے خیال میں تو یہ کرتوت کسی نادیدہ قوت کے کرشمے ہیں۔ پہلے آپ کو آلہ کار بنانا چاہا اور جب آپ سے ناامیدی ہوگئی تو ایک اور راجن پیدا کر دیا۔'' وہ بولی۔

''یہ کام صرف پنڈت کر سکتا ہے وہ بہت ہوشیار اور چالاک آدمی ہے دنیاداری میں وہ ایک پڑھا لکھا پروفیسر ہے اور پراسرار قوتوں کے استعمال کو بھی جانتا ہے وہ وقت اور موقع کے اعتبار سے اپنا چولہ بدل سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب تم کو میں بمبئی نہیں جانے دوں گی۔'' رضیہ نے کہا۔

''میں خود بھی نہیں جانا چاہوں گا مگر آگے کے حالات کے بارے میں ابھی سے کچھ اندازے قائم نہیں ہو سکتے۔ روشن بمبئی جا رہا ہے اس کے ذہن کے گوشوں میں کچھ سوالات ہیں ان کے جواب وہ چاہتا ہے اگر میرے پاس اس کے سوالات کے جواب ہوتے تو میں بتا دیتا پنڈت ایک کمینہ خصلت عیار اور خطرناک آدمی ہے۔ وہ بظاہر بڑا خوش اخلاق اور نیک پڑھا لکھا نظر آتا ہے مگر اس کی آنکھیں صرف گردھاری ٹرسٹ کی دولت پر لگی ہوئی ہیں مجھے ڈر ہے روشن جوان ہے اس سے نہ بھڑ جائے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر اس کو مت جانے دو۔'' رضیہ نے کہا۔

''اس کو روکا نہیں جا سکتا کنول کے بارے میں کچھ سوالات کا وہ جواب چاہتا ہے اور وہ جوابات اس کو صرف بمبئی میں راجیش سے مل سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تو تم نے بڑی فکر میں ڈال دیا۔'' رضیہ نے کہا۔

''اسی فکر نے مجھے رات بھر نہیں سونے دیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''بات تو فکر والی ہی ہے۔'' وہ بولی۔

''اللہ پر بھروسہ ہے وہی بیڑہ پار کرے گا۔'' میں نے کہا۔

''انشاءاللہ.....'' رضیہ نے کہا۔

☆.....☆.....☆

پنڈت رام سنگھ کی اپنی فطرت میں دولت کا لالچ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اس پر اس کے گرو پجاری پربھودیال نے اس کی فطرت پر خوب پالش کر دی تھی۔ رام سکھ نے گرو پربھودیال کی خوب سیوا کی تھی

ان کے رنگ میں خود کو ڈھال لیا تھا اس نے پورا سر منڈوا لیا تھا صرف ایک چوٹی نشانی کے طور پر چھوڑ دی تھی۔ سارے سوٹ اس نے جلا دیئے تھے صرف ایک لنگوٹی اس کے بدن پر تھی۔ سارے بدن پر پیلی مٹی پوتی ہوئی تھی ماتھے پر تین لکیریں عمودی ڈالی ہوئی تھیں۔

اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی پروفیسر پنڈت رام سنگھ ہے جو کبھی بنارس میں کالج کے لڑکوں کو ہندی تاریخ پڑھاتا تھا۔ مہکتے نوٹوں کی نیلی پیلی گڈیوں نے اس کا حلیہ بدل دیا تھا۔

پھر پربھودیال کے مشورے پر اس نے ایک کمہار کے سیدھے سادے لڑکے کو اپنا نشانہ بنایا وہ لڑکا تو نہایت سادا سا لڑکا تھا بڑے بڑے ہوشیار لوگ بھی تاریکی کی طاقت کو بند دروازوں یا آہنی سلاخوں سے روک نہیں سکتے۔ پربھودیال ٹیلی پیتھی کا ماہر تھا یہ ایک بہت مشکل کام ہے اس کی ابتدا عامل شمع بینی سے کرتا ہے اور پھر مدارج طے کرتا ہوا وہ انسانی ذہن تک رسائی حاصل کر لیتا ہے وہ اپنے معمول کے ذہن کو کنٹرول کرتا ہے اور اپنے مطلب کے نتائج حاصل کر لیتا ہے وہ لڑکا پربھودیال کا معمول بنا ہوا تھا اور وہ جو کچھ اس سے کہلوا رہا تھا وہ لڑکا کہہ رہا تھا۔ پربھودیا کو ساری معلومات پنڈت فراہم کر رہا تھا۔ پر بھودیال اپنی جگہ پر ساکت تھا اور پنڈت متحرک تھا۔ لوگوں کو بتا رہا تھا کہ یہ چمتکار ہے ہزاروں سال سے ایسا ہوتا آ رہا ہے۔ یہ ہمارے دھرم کی فتح ہے آواگون کے جو لوگ خلاف ہیں ان کے منہ پر یہ تماچہ ہے۔ انسانی ذہن میں چھپے ہوئے علوم کو وہ چمتکار کا رنگ دے رہا تھا۔ یہ علم واقعی حیرت انگیز تو ہے انسان اس سے ایسے عوامل حاصل کر لیتا ہے جو دوسروں کے لئے ممکن نہیں ہوتے اگر انسان اس طاقت کو مثبت طریقہ پر استعمال کرے تو اس سے انسانیت کی خدمت کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے کام وہ کر سکتا ہے مگر پربھودیال اور پنڈت اس فن کو منفی انداز میں استعمال کر رہے تھے دولت کی چمک نے ان کے چہرے بگاڑ دیئے تھے ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ تہہ نشین ہو گئے تھے۔

روشن اچانک بمبئی پہنچ گیا۔ راجیش اس کو دیکھ کر حیران ہو کر بولا۔

''بیٹا آنا تھا تو فون کر دیا ہوتا یہ اچانک آمد خیریت تو ہے۔''

''ماما آپ کو چونکانے کو دل کر رہا تھا'' روشن نے کہا۔

''لو بھئی میں چونک گیا۔ اب آگے اصل بات بتاؤ۔'' راجیش نے کہا۔

''بتا دوں گا وقت آنے پر جلدی کیا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''اچھا تیرے دھندے کا کیا حال ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''اچھا ہے آپ پرنٹ ذرا جلدی بھیج دیا کریں پرانی فلموں کا وہاں پر کام نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''چلو ٹھیک ہے اور کچھ.....'' راجیش نے پوچھا۔

''ماما حساب کتاب میں بھی آپ بہت دیر کرتے ہیں۔ میرے چیک واپس آ جاتے ہیں آپ وصول نہیں کرتے بینک والوں کو آپ سے ہمیشہ شکایت رہتی ہے۔'' وہ بولا۔

''جو پرنٹ تم کو جاتے ہیں وہ تمہارے ہوتے ہیں ان کی آمدنی پر RP کا کوئی دعویٰ نہیں ہے کیونکہ جیجا جی کا یہاں بھی شیئر ہے اور لندن آفس تو ان ہی کا ہے۔ دوبئی آفس ان کا ہے مگر تم ڈرافٹ روانہ کرتے ہی رہتے ہو تم کو کتنی بار بتاؤں تم یہ نالائقی ہمیشہ کرتے ہو۔''

راجیش نے روشن کا کان پکڑ کر کہا۔ ''کان تو چھوڑیں اب نہیں کروں گا ایسا.....'' روشن نے کہا۔

''اچھا اب بتا اصل بات کیا ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''میں بنارس جانا چاہتا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''کیوں بنارس کیوں جانا ہے؟'' راجیش نے پوچھا۔

''وہاں پر سنا ہے کوئی چمتکار ہوا ہے کسی کو اپنا پچھلا جنم یاد آ گیا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''آنے دے، تیرا میرا کیا جاتا ہے۔'' راجیش بولا۔

''کچھ تعلق تو بنتا ہے ماما.....'' روشن نے کہا۔

''مجھے پتہ ہے یہ بہت لمبا چکر ہے۔ گردھاری ٹرسٹ کی دولت نے پنڈت کو دیوانہ بنا رکھا ہے تم اس چکر سے دور رہو۔'' راجیش نے کہا۔

''ڈیڈی نے کتنی پریشانیاں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ مما کو بھی اس میں گھسیٹا گیا۔ اچھا ماما ایک بات بتائیں یہ چاندنی کیا صرف ایک ہوائی کردار تھا یا اس کا وجود تھا۔''

روشن نے پوچھا۔

''یار تم آتے ہی کس چکر میں پھنس گئے آرام کرو کھاؤ، پیو اور ہاں بنارس تم ہرگز نہیں جاؤ گے اس پنڈت کو تم نہیں جانتے۔'' راجیش نے کہا۔

''ماما میں حیدر کا بیٹا ہوں۔ اگر پنڈت ضدی ہے ظالم ہے جادوگر ہے تو اس نے ڈیڈی کا کیا بگاڑ لیا۔ وہ میرا بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔ میں بنارس ضرور جاؤں گا کیونکہ میں آیا ہی وہاں جانے کو ہوں مگر تم سے پوچھ کر جاؤں گا یہ میرا وعدہ ہے۔''

''مجھے یہ ڈر ہے کہ تیری ضد تجھے کسی مصیبت میں نہ ڈال دے اور میں کنول سے اور حیدر سے شرمندہ ہو جاؤں تو مجھے کیوں ذلیل کرنا چاہتا ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''ارے ماما تم انشاء اللہ کبھی ذلیل نہیں ہو گے۔'' روشن نے کہا۔

''میں سمجھ گیا ہوں تو نہیں مانے گا۔ مگر اکیلا نہیں جائے گا میں تیرے ساتھ کسی کو ضرور رکھوں گا''

راجیش نے کہا۔

''ضرورت تو نہیں ہے مگر آپ کی خوشی کی خاطر مانے لیتا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''تیرا پروگرام وہاں کتنے دن رہنے کا ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''یہ تو حالات پر ہے۔'' روشن نے کہا۔

''میرا وہاں پر ایک آفس ہے وہ وہاں کے سرکٹ میں فلمیں چلاتا ہے۔ کہو تو اس میں رہنے کا انتظام کر دوں کہو تو کسی ہوٹل میں کر دوں۔'' راجیش نے پوچھا۔

''میرے لئے اس سے کیا فرق پڑے گا۔'' روشن نے کہا۔

''دفتر میں تیری حفاظت کا انتظام اچھا ہو گا۔'' راجیش نے کہا۔

''آپ اپنے اطمینان کی خاطر دفتر میں انتظام کر لیں۔'' روشن نے کہا۔

☆.....☆.....☆

بنارس میں میلا لگا ہوا تھا۔ دریا کے دونوں کناروں پر سادھو سنتوں کے پرے کے پرے پوری ہندوستان سے امڈ آئے تھے۔ دریا کے دونوں کناروں پر مندروں سے باہر رنگ برنگی چھتریاں لگی ہوئی تھیں دریا میں لوگ اشنان کر رہے تھے دریا کے مقدس پانی میں ہر ہندو اشنان کرنا چاہتا ہے۔ بنارس ہندوؤں کا شہر ہے اور مندروں کا شہر کہلاتا ہے سادھوؤں کا دھندہ زوروں پر ہے ان کا گیندے اور رتن جوکہ پھول خوب بک رہے ہیں۔ ہندو عورتیں سادھوؤں کو مٹھائی اور روپے دیتی ہیں۔ سادھو ان کے ماتھے پر صندل کا ٹیکا لگا دیتے ہیں اور کچھ پرشاد دیکر آگے کر دیتے ہیں سادھوؤں کے پاس مٹھائیوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔ سادھو اپنا حلیہ عجیب وغریب بنائے رکھتے ہیں پورے جسم پر راکھ مل لیتے ہیں چہرے پر بھی راکھ ملی ہوتی ہے اس سے ان کے چہرے پہچانے نہیں جاتے چہرے پر بھی سرخ اور پیلے رنگ کی آڑی ترچھی لکیریں ڈال کر چہرے کو چھپا لیا جاتا ہے۔ جو سادھو بالکل برہنہ پڑے ہوتے ہیں ان کے پاس وہ عورتیں جاتی ہیں جن کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے خواہش مند عورت ان سادھوؤں کے آگے اپنا ماتھا ٹیکتی ہی ہے اور اپنی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔

دریا نیچے بہتا ہے اور شہر بلندی پر ہے۔ دریا تک جانے کو سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ دریا کتنا ہی چڑھ جائے شہر محفوظ رہتا ہے یہاں پر مرگھٹ بھی ہیں مگر اس طرف صرف وہی لوگ جاتے ہیں جو مردے لے کر آتے ہیں۔

روشن پہلی بار بنارس آیا تھا۔ اس کے ساتھ بمبئی سے ایک آدمی آیا تھا اس کا نام جمن خان تھا اس نے بھی بنارس نہیں دیکھا تھا دونوں کے لئے بنارس ایک عجیب جگہ تھی۔

انہوں نے کسی سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ خود ہی مندر مندر پھر رہے تھے۔

ہر طرف مندر کی گھنٹیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ سنکھ کی آوازیں دلوں کو گرما رہی تھیں مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ اشنان کر رہے تھے۔

وہ آگے بڑھتے گئے اور پھر ایک مندر کے سامنے جم غفیر عورتوں اور مردوں کا لگا ہوا تھا جے جے کار کے نعرے بھی سنائی دے رہے تھے۔

جمن نے کہا۔ ''روشن بابو یہی جگہ لگتی ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔'' روشن نے کہا۔

دونوں نے اپنے لباس پر نظر ڈالی دونوں کا لباس ہندوؤں والا نہیں تھا۔ وہ پینٹ اور شرٹ میں تھے۔ وہاں پر زیادہ تر لوگ دھوتی اور کرتے میں ملبوس تھے عورتیں ساڑیاں اور بلاؤز میں تھیں سب کے ماتھے پر کچھ نہ کچھ نشانات تھے کیوں کہ وہ لوگ سادھوؤں کے آشیر باد کے بعد یہاں پہنچے تھے۔

روشن نے کہا۔ ''جمن آج آگے نہیں جائیں گے۔ یہی مندر ہے۔ آج کا کام ختم ہوا کل دھوتی اور کرتے میں آنا ہوگا۔''

''مگر میرے لئے ذرا دشواری ہوگی۔'' جمن نے کہا۔

''کیوں کیا دھوتی باندھنا نہیں آتا تم کو۔'' روشن نے پوچھا۔

''آتا ہے، انڈیا میں رہتا ہوں دھوتی نہیں باندھ سکتا کیا۔'' جمن نے کہا۔

''پھر کیا دشواری ہے؟'' روشن نے پوچھا۔

''ہم لوگ اوزار کے بغیر ادھورے ہوتے ہیں دھوتی میں اس کا رکھنا بہت مشکل ہے۔'' جمن بولا.....

''تم فکر نہ کرو اس کی ضرورت نہیں پڑے گی میں کوئی لڑائی جھگڑے کو نہیں آیا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''اپن کا ڈیوٹی تو ہے نا۔'' جمن بولا۔

''دیکھو جمن میں تم کو کسی لڑائی بھڑائی کے لئے نہیں لایا ہوں اور تم میرے اشارے کے بغیر کچھ نہیں کرو گے تم مسلمان ہو اور میں بھی مسلمان ہوں جو جذبات میرے ہوں گے وہی تمہارے ہوں گے میں صرف یہاں کے ماحول کو دیکھنے آیا ہوں تم مانتے ہو نا کہ یہ ایک بہت بڑا ڈرامہ ہے میں اس ڈرامے کو کس طرح ختم کر سکتا ہوں یہ کام لڑائی جھگڑے سے نہیں ہوگا بلکہ ایک فساد بن جائے گا اور وہ پنڈت ہیرو بن جائے گا سارے ہندوؤں کی ہمدردیاں اس کے حصے میں آجائیں گی اور ہم اکیلے رہ

جائیں گے اس لئے تم خود کو باندھ کر رکھو گے میرے ساتھ اگر کچھ زیادتی بھی ہو رہی ہو تو بھی تم نہیں بولو گے۔''

روشن نے کہا تو جمن حیرت سے بولا۔ ''پھر تو بابو اپن کا ہونا بے کار ہی ہے۔''

''ہاں بے کار ہے تم میری بات پر عمل نہیں کر سکتے تو تم دفتر میں رہو میں اکیلا بہت ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''یہ بھی مشکل ہے ہم کو راجیش بابو کو جواب دینا ہے۔''

''تو پھر میرے کہنے پر چلنا ہوگا۔'' روشن نے کہا۔

''ٹھیک ہے روشن بابو اپن کو منظور ہے۔ تم کو اکیلا تو نہیں چھوڑے گا بہت پکا ٹپوری ہے۔ غنڈہ بدمعاش ہے مگر نمک حرام نہیں ہے راجیش بابو نے ہم لوگ کے ساتھ بہت کیا ہے ابھی ہم کو کچھ کرنے کا موقعہ ملا ہے پن ہاتھ، پیر کو باندھ دیا ہے ہم کیا کرے گا پتہ نہیں۔''

وہ اداسی سے بولا۔ روشن ہنس پڑا۔ ''تم اتنا اداس کیوں ہے تم میرا کہنا مانو گے کیا یہ کم کرو گے تم خود پر کنٹرول کرو گے خود سے جنگ کرو گے یہ کم ہے انسان سب سے لڑ سکتا ہے بہادر وہ ہوتا ہے جو خود سے لڑتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ میری بات پر ذرا دھیان دو سمجھ میں آجائے گی۔'' روشن نے کہا۔

جمن کچھ خاموش رہا پھر بولا۔ ''کچھ کچھ سمجھ میں آتا ہے۔''

''اور غور کرو گے تو اور سمجھ آجائے گی۔'' روشن نے کہا۔

وہ دونوں وہیں سے پلٹ آئے۔ دفتر آکر جمن نے کہا۔ ''ہم پڑھا ہوتا تو جلدی سمجھ جاتا آپ بروبر بولا تھا۔ ابھی ہم خود سے لڑائی کرتا ہوں بے پڑھا لکھا ہونا کسی بھی وجہ سے ہو سکتا ہے موقعہ نہیں ملا حالات نہیں تھے وغیرہ وغیرہ۔'' جمن نے ہا۔

''مگر انسان کو جاہل نہیں ہونا چاہئے جہالت اس کو لے ڈوبتی ہے تم چاہے پڑھے لکھے نہیں ہو مگر مجھے یقین ہے کہ تم جاہل نہیں ہو تم نے میری بات پر غور کیا اور سمجھ لیا۔'' روشن نے کہا۔

دوسرے دن دونوں دھوتی اور کرتے میں ملبوس تھے۔ دونوں نے ایک سادھو سے ماتھے پر دو روپے دان دے کر لال لکیریں بھی لگوالی تھیں۔ اب ان کو کوئی ڈر نہیں تھا۔ چار، گھنٹے کی محنت کے بعد وہ اس مندر کے دروازے پر پہنچے جس پر زیادہ بھیڑ تھی۔ سب لوگ اس زندہ چمتکار کی باتیں کر رہے تھے۔ سب لائن میں ایک ایک کر کے اندر جا رہے تھے دونوں ساتھ ساتھ تھے پہلے روشن اندر گیا۔ یہ ایک بہت بڑا سا کمرہ تھا اس میں لوبان کی خوشبو بھری ہوئی تھی ایک بہت بڑا تخت پڑا تھا اس پر ایک پیلا غلاف پڑا تھا۔ اس تخت کے اوپر ایک جوان لڑکا بیٹھا تھا جس کی ابھی پوری طرح ڈاڑھی مونچھ نہیں

آئے تھی۔

اس کے برابر ہی ایک بوڑھا پنڈت بیٹھا تھا یہی پنڈت رام سنگھ تھا۔ روشن نے اس کو بچپن میں صرف ایک بار دیکھا تھا مگر وہ اس وقت جوان تھا اور سوٹ میں تھا۔

اب تو اس کا حلیہ ہی بدل چکا تھا۔ جو بھی اس کے قریب جاتا تھا کچھ نہ کچھ دان کرتا تھا پنڈت سنسکرت کے بول پڑھ رہا تھا وہ روشن کی سمجھ میں نہیں آئے اور شاید کسی کے بھی سمجھ میں نہیں آرہے تھے پنڈت صرف اشارے کرتا تھا اور لوگ زمین پر پڑی چادر پر نوٹ ڈال دیتے تھے زمین پر نوٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

واہ پنڈت خوب رنگ جمایا ہے دونوں ہاتھوں میں لڈو کامیاب ہوا تو کروڑوں کی جائیداد نہ ہوا تو بھی کیا گھاٹا دھرم کے نام پر لاکھوں تو جمع ہو ہی جائیں گے۔ اس ملک کی کتنی بڑی بدنصیبی ہے یہ قوم اب تک دور جہالت کی اساسی باتوں کو فراموش نہیں کر سکی ہے۔ اس قوم نے جو رسومات کو دور جہالت میں اپنایا تھا۔ اس دور کو پیچھے چھوڑنے کے بعد بھی یہ لوگ ان ہی رسوم و عقائد پر قائم ہیں روشن نے پنڈت کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کو وہ بہت چالاک اور شاطر نظر آیا۔ روشن نے سو روپے پنڈت کے سامنے ڈال دیئے اور کہا۔ ''میں راجن مہاراج سے کچھ بات کر سکتا ہوں۔''

پنڈت نے اس کو غور سے دیکھا پھر نوٹ کی طرف نظر کی اور بولا۔ ''کر لے مگر جلدی۔''

روشن نے کہا۔ ''تم کو جنم مبارک ہو جو کرنا ہے جلدی کر لینا وقت زیادہ نہیں ملے گا۔''

لڑکا بولا۔ ''چنتا کی ضرورت تجھے نہیں ہے میں خوب جانتا ہوں۔'' لڑکے کی آواز اپنی تھی مگر لہجہ کسی اور کا تھا۔

''بس یہی کہنا تھا۔'' وہ آگے بڑھ گیا۔ اس کے بعد جمن بھی اس کو دیکھ آیا۔

دوسرے دن روشن بہت سویرے اکیلا مندر چلا گیا۔ زیادہ لوگ نہیں تھے اس کا نمبر جلدی آ گیا۔ اس نے پھر سو کا نوٹ بھینٹ کیا اور کہا۔ ''میری بات کا تم نے برا تو نہیں مانا۔''

''برا کہو گے تو برا لگے گا۔'' وہ بولا۔

اس نے پنڈت کی طرف منہ کر کے پنڈت سے سوال کیا۔ ''اور کتنے راجن اس دھرتی پر آئیں گے تم تو شکتی دان ہو ذرا حساب لگا کر بتاؤ تو.....''

''جب تک پربھو چاہے گا آتے رہیں گے تو کون ہے چنتا کرنے والا؟''

''میں پہلے والے کا بیٹا ہوں۔ تم مجھے نہیں جانتے مگر میں نے تم کو سوٹ میں دیکھا ہے۔'' روشن بولا۔

''مگر بہت غلط جگہ تم آ گئے۔ جیسا وہ بے وقوف اور لاپرواہ تھا تم بھی ویسے ہی ہو۔''

اس نے ایک طرف اشارہ کیا ایک طرف سے دو تین تگڑے تگڑے پجاریوں نے اس کو گھیر لیا اور ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی کوئی ہلچل نہیں ہوئی۔ لوگ اسی طرح درشن کو آتے رہے اور دان کی ڈھیری اونچی ہوتی گئی۔ شام ہو گئی پھر رات ہو گئی۔

اور پنڈت کوٹھری میں آیا اور بولا۔ ''اب بتا سو میں کتنے بیسی ہیں۔''

''تو نے نہایت گھٹیا حرکت کی ہے۔ پنڈت رام سنگھ۔'' روشن بولا۔

''دو چار دن بھوکا رہے گا تو پھر پوچھوں گا کیسی حرکت ہے۔'' پنڈت بولا۔

''تیرے ارادے کیا ہیں ذرا بتا تو.....'' روشن نے اطمینان سے پوچھا۔

''تو تو اخباری رپورٹروں کی طرح سوال کر رہا ہے ارے ذرا اپنی حالت پر غور کر تو میری قید میں ہے اور اکڑ اب بھی ویسی ہی ہے تیرا باپ بھی ایسا تھا خوب اداکاری کرتا تھا مگر اب میں ان باتوں میں آنے والا نہیں ہوں تجھے لڑا دوں گا تجھے بھی اسی صحرا میں پہنچاؤں گا۔ تیری چکنی چپڑی باتوں میں، میں نہیں آؤں گا ہر دفعہ دھوکا نہیں کھاؤں گا۔'' پنڈت بولا.....

''تم یہ بتاؤ یہ سب کیوں کر رہے ہو تم اپنی عمر دیکھو اور اپنے لالچ کو دیکھو کیا سب دولت ارتھی میں باندھ کر لے جاؤ گے ارے سب جل جائے گا۔ راکھ بن جائے گا۔'' روشن نے کہا۔

''اور اگر میں ارتھی سے دور رہوں گا تو پھر.....'' وہ بولا۔

''کوئی دور نہیں رہ سکتا۔'' روشن نے کہا۔

''تو ابھی بچہ ہے میں نے سب بندوبست کر لیا ہے۔''

''جب موت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے انسان چوکڑی بھول جاتا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''تجھے میرے بارے میں پتہ نہیں ہے میں نے جس وادیا میں قدم رکھا اس کے آخری چھور تک گیا ہوں یہ جو میں نے دھرم کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے یہ بھی ان سب اندھوں کو دکھانے کا ہے۔ اس دھرتی پر اصل طاقت فقط کالی شکتی ہے۔ منش کو دھرم نے لمبے چکر میں ڈال رکھا ہے کچھ نہیں ملتا منش اس کے چکر میں زندگی بھر چکراتا رہتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے اور کالی شکتی ہارڈ کیک ہے۔ ہیڑ چیک ہے ادھر لکھا ادھر رقم ہاتھ میں منش کی منوکامنا فوراً پوری ہوتی ہیں عقل مند کون ہے۔ میں یا تو.....'' پنڈت نے کہا۔

''یہی فریب ہے اگر یہ سچ ہوتا تو ہر آدمی تیرے ساتھ ہوتا مگر تو خود کو چھپائے ہوئے ہے۔ ڈرتا ہے کہیں تجھے کوئی پہچان نہ جائے۔'' روشن نے کہا۔

''تو نہیں مانتا نہ مان مگر ایک نا ایک دن مان جائے گا۔ دنیا کے ہر دھرم نے جادو کی حقیقت کو مانا

ہے اور گرو شیطان کی قوت کو کسی نہ کسی شکل میں تسلیم کیا ہے تو کہاں ہے آج کے جدید تعلیم یافتہ اور مغرب زدہ لوگ جادو بطور تفریح کرتے ہیں اور اس کو جدید روحانیت کا نام دیتے ہیں دھرم ٹھیکیداروں کا خیال ہے یہ جدید روحانیت دراصل اسی قدیم جادوگری کی ایک شکل ہے اس کے ذریعہ سے شیطانی کارندے اچھے بھلے آدمی کو بے وقوف بنا کر اپنے جال میں پھانس لیتے ہیں اور ان کو شیطان کا چیلا بنا دیتے ہیں اور وہ لوگ اس پر فخر کرتے ہیں اس سے ان کو فائدہ ہوتا ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''اس دنیا کے عارضی فائدے کی خاطر تیرے جیسے ہی شیطان کو مانتے ہیں سب نہیں مانتے۔ تم آج بھی اتنے ہی ہو جتنے شروع میں تھے اس پر تم نے غور کیا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے تو باؤلہ ہے تیرا باپ بھی ایسا ہی تھا۔'' پنڈت تحقیرانہ انداز میں ہنس رہا تھا پھر اس ہنسی کو اچانک بریک لگ گیا اور وہ بولا۔ ''میں نے تجھ سے اتنی باتیں کر لیں صرف اس لئے کہ تو حیدر کا بیٹا ہے۔'' پنڈت کی آنکھیں بدستور نفرت و عداوت کی آماجگاہ بنی ہوئی تھیں۔

''یہ رعایت کیوں دی تم نے میرے باپ میں کیا خاص بات تھی۔'' روشن نے پوچھا۔

''تجھے نہیں بتاؤں گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''نہ بتا پتہ تو چل ہی جائے گا۔'' روشن نے جواب دیا۔

''کھڑا ہو جا تجھے کہیں جانا ہے۔'' پنڈت بولا.....

روشن کھڑا ہوا تو اس کی سماعت پر پہاڑوں کی طرح کے دھماکے برسنے لگے کوندتی کڑکتی ہوئی بجلیاں روشن کی بصارت کو اندھیروں میں دھکیلنے لگیں۔

کچھ اندازہ نہیں کہ یہ کیفیت کتنی دیر رہی پھر آہستہ آہستہ یہ سب ختم ہوا اور روشن نے آنکھیں کھول دیں خوابیدگی کیفیت ابھی باقی تھی۔ آنکھیں دور تک نہیں دیکھ رہی تھیں۔ مگر کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہوا کے ساتھ ریت کے ذرات بھی چہرے پر لگ رہے تھے آسمان پر پورا چاند تھا اور چاندنی میں دور دور نظر آ رہا تھا۔

چند منٹ کے بعد اس کی حالت نارمل ہو گئی تو اس نے اس ویرانے پر نظر ڈالی تو اسے اندازہ ہو کہ وہ کسی صحرا میں ہے چاند کی روشنی نے صحرا کو روشن کر رکھا تھا۔ ہوا میں خنکی تھی دور دور ریت کے ٹیلے نظر آ رہے تھے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد اس کو اس دہشت ناک حقیقت کا یقین آ گیا کہ وہ کسی غیر آباد اور ویران صحرا میں ہے۔ مگر یہ چھولداری کس نے لگائی ہے یہ گڑھا کیسا ہے اور یہ کیاریاں کون بنا کر گیا ہے۔ گڑھا تو سوکھا پڑا ہے ضرور اس میں پانی رہا ہو گا تب ہی تو کسی نے یہ کیاریاں بنائی ہیں یہ

کھجور کا درخت تو اب تک ہرا بھرا ہے اس کو بھی لگایا گیا ہو گا۔ میں یہاں آنے والا پہلا آدمی نہیں ہوں روشن چھولداری کے اندر چلا گیا۔ ایک بہت بوسیدہ بستر پڑا تھا اور ایک لوہے کا پلنگ بھی موجود تھا اس نے بستر کو بہت آہستہ سے اٹھایا اس کو جھاڑا کئی ریگستانی چھپکلیاں بستر سے نکل کر چھولداری سے باہر چلی گئیں۔ ایک کمبل بھی پڑا تھا اس کو بھی جھاڑا کچھ برتن اور لوہے کا چولہا بھی پڑا تھا۔ روشن نے سوچا کون تھا جو اتنا سامان لے کر آیا تھا۔ رات کا کون سا پہر تھا اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا اس کی گھڑی ہاتھ میں نہیں تھی۔ جیب میں رقم پوری پڑی تھی وہ بستر پر لیٹ گیا ''کیا یہ میرا قید خانہ ہے؟'' اس نے پوچھا۔ اور پھر نیند نے اس کو اور نہ سوچنے دیا وہ بے خبر سو گیا۔

سورج کی تیز کرن نے اس کو اٹھا دیا۔ وہ اٹھ کر چھولداری سے باہر آ گیا۔ دھوپ ابھی زیادہ تیز نہ تھی دن کی روشنی میں اس نے پھر ریگستان کو دیکھا۔ دور دور کسی درخت یا جاندار کا پتہ نہ تھا آسمان پر کچھ گدھ اڑتے ضرور نظر آ رہے تھے۔

اب روشن کے چہرے کے تاثرات سے گہری فکر اور تجسس کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے پرچھائیں سے سمت کا اندازہ کیا اور نشان بنا دیا۔ پھر زمین پر بیٹھ کر تیمم کیا اور نشان زدہ جگہ پر بیٹھ کر فجر کی نماز ادا کرنے لگا نماز کے بعد اس نے اللہ سے دعا کی اور کھڑا ہو گیا نماز سے پہلے جو کیفیت اس کے قلب کی تھی اب ایسی نہ تھی اس کو سکون سا لگ رہا تھا۔ اس نے اس سے مدد مانگی تھی جو دونوں جہانوں کا مالک ہے۔

وہ سکون سے کھجور کی ذرا سی چھاؤں میں بیٹھ گیا۔ دوپہر ہو گئی دھوپ میں تیزی آ گئی اور گرم ہوا کے جھونکوں کے ساتھ گرم ریت چہرے پر لگنے لگی تو وہ اٹھ کر چھولداری میں آ گیا۔ پانی زندگی کی علامت ہے۔ اس کے گلے میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ بھوک سے پیٹ میں مروڑ ہو رہی تھی نہ وہ لیٹ سکتا تھا نہ کھڑا ہوا جاتا تھا۔ پورا دن گزر گیا۔ رات میں بھوک اور پیاس کی شدت نے ایک پل نہیں سونے دیا۔ سورج پھر سر پر آ گیا۔ غذا اور پانی کتنی ضروری چیز ہے کتنی قیمتی چیز ہے اس کا اندازہ ان کو ہوتا ہے جن کو یہ میسر نہیں ہے دنیا میں کوئی چیز اس سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ پانی کے چند قطرے انسان کی جان بچا سکتے ہیں۔ روشن نڈھال ہو کر لوہے کے پلنگ پر پڑا رہا اس کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں جسم اور ذہن ہر قسم کے احساسات سے عاری ہو گئے گرد و پیش کی ہر شے بالکل ساکت ہو گئی۔ روشن نے سوچا شاید میرا آخری وقت آ گیا ہے اس وقت خدا کو یاد کرنا چاہئے۔ اس نے با آواز بلند کلمہ پڑھنا چاہا مگر آواز نہ نکلی مگر کلمہ تو اس نے پڑھ لیا۔

موت کا تجربہ کیا ہوتا ہے کسی نے نہیں بتایا شاید مرنے والا ایسا ہی محسوس کرتا ہو گا روشن نے

سوچا۔ شاید یہ میری زندگی کا آخری تجربہ ہے اس کے بعد تو میں اس دنیا میں رہوں گا نہیں پھر اور تجربہ کیسا دماغ کام کر رہا تھا مگر اعضاء ناکارہ تھے۔ کسی مشین میں ایندھن ختم ہو جائے تو وہ ٹھپ ہو جاتی ہے انسان بھی ایک مشینی ہے اس کو بھی ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔

پھر ایسے لگا جیسے وہ واپس آ رہا ہو چہرے پر ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ حلق کے کانٹوں میں نرمی ہوئی اور پھر آب حیات کی طرح پانی اس کے جسم کے اندر جانے لگا۔ گرم ریت پر پانی ایک لمحے میں جذب ہو جاتا ہے وہی حالت روشن کی تھی۔ پھر اس پانی نے جسم کی ٹنکی میں ٹھکانا بنایا تو اس کی آنکھیں خود بخود کھل گئیں۔ اس نے دیکھا ایک سفید ریش بوڑھا آدمی اس کے قریب بیٹھا ہے اور لوٹے سے اس کو پانی پلا رہا ہے۔

روشن کو فوراً فرشتہ کا خیال آیا۔ یہ ضرور کوئی فرشتہ ہے وہی اس صحرا میں آ سکتا ہے۔ روشن اٹھنے لگا تو اس سفید ریش نے اس کو سہارا دے کر بٹھا دیا۔

روشن نے اس نورانی چہرے کو دیکھا تو اس دل کو بڑی ڈھارس ہوئی۔ بزرگ نے ایک پوٹلی نکالی اس میں دو روٹیاں باجرے کی اور اچار رکھا تھا۔ بزرگ نے وہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ روشن نے نگاہوں میں نگاہوں میں شکریہ ادا کیا اس شکریہ کا جواب بھی آنکھوں کے ذریعہ ملا اور روشن روٹی کھانے لگا۔ دنیا کی سب سے زیادہ لذیذ یہ روٹیاں تھیں۔ آج پہلی بار اس نے باجرے کی روٹی کھائی تھی اتنی لذیز چیز چھوڑ کر میں نہ جانے کیا کیا کھاتا رہا ہوں۔

اس کی بھوک جتنی تھی اتنی ہی یہ روٹیاں تھیں بزرگ خاموشی سے اس کو کھاتا دیکھتے رہے اور کھانے کے بعد انہوں نے لوٹا اس کے آگے کر دیا لوٹا پانی سے بھرا ہوا تھا۔ پانی ٹھنڈا تھا مشین میں ایندھن پڑا تو مشین اسٹارٹ ہو گئی۔ روشن اٹھ کر بزرگ کے قدموں میں بیٹھ گیا بزرگ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

''تو نے اس سے مدد مانگی تھی جو اس کائنات کا مالک ہے میرے بارے میں سوال نہ کرنا مجھے جو کام دیا گیا تھا وہ میں نے کیا ہے تجھ پر میرا کوئی احسان نہیں ہے جس نے تجھ پر کرم کیا ہے اس کا شکر گزار ہونا اسی سے مدد مانگنا انشاء اللہ کبھی ناکام نہیں ہوگا۔ یہ لوٹا تیرے پاس ہے اس میں کبھی پانی کم نہ ہوگا اور یہ تھیلا تیرے پاس ہے کبھی تجھ کو یہ بھوکا نہیں رکھے گا شرط یہ ہے کہ رب کو یاد کرتے رہنا اس کو بھولا تو یہ سب ختم ہو جائے گا'' اور بزرگ چلے گئے۔

روشن حیرت سے اس مقام کو دیکھتا رہا جہاں پر وہ تھے۔ مگر اب وہاں صرف بھینی بھینی خوشبو تھی لوٹا پانی سے بھرا ہوا تھا۔ وہ چھولداری سے باہر آ گیا اور اس نے کھجور کی جڑ میں پانی ڈال دیا۔ ''تو بھی تو نہ

کب سے پیاسا ہوگا؟'' روشن نے درخت سے کہا۔ چھولداری میں لوٹا رکھ کر کھرپا اٹھایا اور کیاریوں کو از سر نو بنانے لگا۔ ''اس کام کو جہاں چھوڑا گیا ہے میں آگے بڑھاتا ہوں۔'' اور وہ زمین کو کریدنے لگا۔

☆.....☆.....☆

جمن سو کر اٹھا تو اس نے روشن کو نہیں پایا۔ سب سے پتہ کیا مگر روشن کب گیا کسی کو پتہ نہ تھا جمن دوڑا مندر کی طرف مندر میں اب بھی رش تھا۔ وہ کس سے پتہ کرے۔ اس کی ذمہ داری پر روشن کو راجیش نے بھیجا تھا۔ راجیش کا آزمایا ہوا آدمی تھا۔ بمبئی میں اس کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ بڑے بڑے بدمعاش اس کو استاد کا درجہ دیا کرتے تھے مگر بنارس میں یہ کیا تماشہ ہو گیا۔ اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ وہ لین توڑ کر اندر ہال میں داخل ہو گیا اور پنڈت کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بولا۔

''ابھی ہم کو بتاؤ وہ کدھر ہے۔''

''تیرے سامنے تو بیٹھا ہے کیا نظر نہیں آتا۔'' پنڈت نے کہا۔

''ارے میں اس کو نہیں پوچھتا ہوں اس کا ہم کیا کرے گا۔ تم اس کا بتاؤ جو تم کو سو روپیہ دیا تھا۔'' جمن زوردار آواز میں کہنے لگا۔

''آہستہ بات کر مورکھ یہ مندر ہے تجھے پتہ نہیں ہے۔'' پنڈت بولا۔

''پتہ ہے، سب پتہ ہے، تم کو جو بولا ہے وہ بتاؤ۔''

''روز نہ جانے کتنے لوگ سو روپے دیتے ہیں میں کس کا بتاؤں۔'' وہ بولا۔

''زیادہ بننے کا ضرورت نہیں ہم کو پتہ ہے وہ ادھر ہی آیا تھا۔'' جمن بولا۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' پنڈت سمجھ کر بھی جھوٹ بولا۔

جمن نے نیلے سے گراری دار چاقو نکال لیا اور بولا۔ ''قسم سے سب کو کاٹ ڈالے گا بتا۔''

مگر جمن کو آگے کچھ کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ کئی تگڑے تگڑے آدمی اس پر ٹوٹ پڑے اور باندھ کر لے گئے۔

''ارے مورکھ میرے پاس سب بندوبست ہے۔'' پنڈت بولا۔ اور اس دن کے بعد جمن کو کسی نے نہیں دیکھا۔ راجن مہاراج کے درشن کو لوگ آتے رہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔

یہ خبر بمبئی میں راجیش کو ملی تو وہ دوڑا دوڑا بنارس پہنچا یہاں آ کر اس نے روشن اور جمن کی گمشدگی کی رپورٹ تھانے میں کرائی اس نے بتایا کہ دونوں مہاراج راجن کے دوسرے جنم کا سن کر دیکھنے آئے تھے۔ پولیس نے حرکت کی ضرور مگر وہ کچھ بھی پتہ نہ کر سکے راجیش افسردہ واپس بمبئی چلا گیا۔

پنڈت نے دونوں کے مرنے کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ روشن کو صحرا میں پہنچانے کے بعد وہ پلٹ کر نہیں گیا وہ جانتا تھا وہاں سے واپس آنا روشن کے لئے ناممکن ہے۔ دو چار روز میں مرکھپ جائے گا جمن کو اس نے ایک مندر میں بنے اندھیرے کنویں میں ڈال دیا تھا اس میں اس کا مرنا بھی یقینی تھا۔ راجن کے روپ میں اس نے ٹکسال لگالی تھی لاکھوں روپیہ ان کو مل چکا تھا۔ اس کے برابر کا حصہ دار پجاری تھا۔ دونوں کے ہاتھ گھی میں تھے۔ آہستہ آہستہ بنارس کے اس راجن کی شہرت بڑھ رہی تھی اب لڑکا ہوشیاری سے جوابات دینے لگا تھا۔

کیونکہ اس کے گھریلو حالات بھی اچھے ہو گئے تھے۔

مگر پنڈت کا پلان تو بڑا تھا وہ اس کے ذہن میں راجن کی دولت بات ڈال رہا تھا۔ اب لڑکا خود کو برہمن کہتا تھا راجن کی زندگی کے حالات بتاتا تھا پنڈت نے اس کو بہت کچھ بتا دیا تھا۔ اب پجاری پر اتنا وزن نہیں تھا لڑکا خود بھی راجن سمجھنے لگا تھا۔

جب پنڈت کو یقین ہو گیا تو وہ آگے بڑھا اور پھر ان وکیلوں سے ملاقات کرنے چلا وہ اس کے بدلے ہوئے حلیے کو دیکھ کر حیران رہ گئے مگر پنڈت کی پیشکش کو دیکھ کر پھر وہی پینل بن گیا اور قانونی گتھیوں کو سلجھانے میں لگ گیا۔

ایک سال گزر گیا پنڈت نئے راجن کو بنارس سے باہر نہیں لے گیا۔ مگر راجن کے بارے میں اس کے ذہن کو پوری طرح تیار کر لیا۔ چاندنی کیسی تھی کہاں کی تھی ان کی شادی کس نے کرائی موہن لال کی تصویریں شادی کی تصویریں سب حاصل کی گئیں لڑکا کم عمر تھا اس لئے مشکل کا مسئلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ سارے ثبوت وکیلوں کو فراہم کر دیئے گئے۔ پروپیگنڈا ایسا کیا گیا کہ دھرم کے کرتا دھرتا بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

لوٹے میں پانی کبھی کم نہ ہوا اور تھیلے میں روٹیوں کی کبھی کمی نہیں ہوئی اور روشن کی عبادت میں کمی نہیں ہوئی۔ وہ اجاڑ صحرا اس کو سکون دینے لگا۔ اس کے عبادت میں اس کے تفکر میں کسی نے خلل نہیں ڈالا۔ پودے اگ آئے اور کھجور کے درخت میں پھل آ گیا۔ زمین نے اپنا قرض ادا کرنا شروع کر دیا۔ اب یہ تنہائی اس کی دوست بن گئی۔

اس کے چہرے پر بڑی پیاری نورانی داڑھی کا اضافہ ہو گیا۔ اس کے ارتکاز اور عبادت میں یکسوئی ہوئی وہ بزرگ ایک سال کے بعد پھر آ گئے۔

اور بولے۔ ''اب بتا یہ تنہائی کیسی رہی؟''

روشن ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور بولا۔ ''اس صحرا نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔''

''نہیں یہ غلط ہے اس صحرا کے بنانے والے نے احسان کیا ہے وہ اگر چاہے تو اس صحرا کو گل گزار کر دے یہاں پر دریا بہا دے وہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر وہ جو کرتا ہے وہ کیوں کرتا ہے وہ صرف وہی جانتا ہے کسی کو اس کے ارادوں کا علم نہیں ہوتا کیونکہ صرف وہی سدا رہنے والا ہے باقی سب کو فنا ہونا ہے اور سب کی بقا بھی اسی فنا میں ہے۔''

روشن گردن جھکا کر بزرگ کی بات سنتا رہا۔

بزرگ نے پھر کہا۔ ''دو کھیل ہو رہے ہیں ایک شیطان کھیل رہا ہے اور ایک رحمان کا کھیل ہے۔ تجھے مارنے والا پھر ایک کھیل جاری کئے ہوئے ہے۔ وہ کامیاب ہوگا کہ نہیں مجھے پتہ نہیں ہے میں صرف یہ جانتا ہوں کہ رحمان کے آگے شیطان ایک ہوا کے برابر ہے ایک تنکے کے برابر ہے تجھے ابھی کچھ نہیں سونپا گیا۔ سونپا جائے گا تو تجھے خود پتہ چل جائے گا۔ تیرے درخت میں پھل آنے لگے ہیں تو آگے کی سمجھ سکتا ہے۔''

درخت پر پھل آئے تو کھانے والے پرندے بھی آنے لگے۔ کوئی چیز بلاوجہ نہیں ہوتی اور پھر صحرا میں ابر رحمت کا نزول ہوا اور تیز بارش ہونے لگی۔ پیاسی زمین سیراب ہو گئی اور مٹی میں دبے پرانے بیجوں میں جان پڑ گئی اور سبزہ اور پودے اگ آئے۔ ویران جگہ پر بہار آنے لگی۔ ریت دب گئی اور درخت اوپر آ گئے۔ جگہ جگہ بارش کا پانی جمع ہو گیا اور پرندے آنے لگے۔

پھر ایک سال اور گزر گیا وہ بزرگ آ گئے۔ ''دیکھا تو نے تیری عبادت کی خیر و برکت کا اثر جہاں خدا کی ذات مضمر ہو وہاں پر خیر و برکت ہوتی ہے وہاں اندھیروں کا گزر نہیں ہوتا روشنی ہی روشنی ہوتی ہے وہاں پر نور کی بارش ہوتی ہے اور تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تنہائی کا احساس قریب نہیں پھٹکتا فرشتے اس کے پاس ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اندھیرے بھی روشن ہوتے ہیں تو کبھی اکیلا نہ تھا۔

اس صحرا میں تو بہار لایا ہے تیری عزت رب کے نزدیک بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ جو لوگ خود کو نفی کر کے صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں ان کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے۔ اب تجھے میری ضرورت نہیں ہے تو خود جو چاہے کر سکتا ہے میں تو صرف تیرا لوٹا پانی سے بھر سکتا تھا مگر تو چاہے تو دریا کو اپنی طرف بلا سکتا ہے۔ آج کے بعد شاید تیری میری ملاقات نہ ہو اب میرا اور تیرا راستہ الگ الگ ہو رہا ہے۔'' بزرگ نے روشن کو گلے لگایا اور چلے گئے۔

صحرا کی رونق بڑھ گئی۔ جہاں دھول اڑتی تھی وہاں پر ایک ہرا بھرا جنگل تھا اس میں بھانت بھانت کے جانور تھے پانی تھا سبزہ تھا پھل فروٹ تھے۔ کھجور کے پرانے درخت پر بارہ مہینے پھل آتا

تھا اس کی چھولداری اسی جگہ تھی اس کے چاروں طرف گھنے درخت تھے روشن کو اچانک خیال آیا۔ بڑی ضرورت شاید کسی اور کو ہو اب شاید یہاں میری ضرورت نہیں رہی۔ مجھے کہاں جانا چاہئے اس نے سوچا بنارس میں پنڈت کا حال دیکھنا ہوگا اس کے دل میں خیال آیا اور وہ نکل پڑا۔ نکلنے سے پہلے اس نے صحرا کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اسی طرح رہنا میں واپس آؤں گا۔'' اور چل دیا۔

چند قدم چلا تھا کہ وہ بنارس میں تھا بنارس میں صرف ایک مسجد تھی وہ ادھر چلا گیا۔ مسجد کے پیش امام نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور کہا۔ ''آپ کے آنے کی خبر آ گئی تھی۔''

روشن نے جواب نہیں دیا۔ عشاء کا وقت تھا امام نے اس سے نماز پڑھانے کی درخواست کی اور روشن نے نماز پڑھا دی۔ نماز کے بعد سب چلے گئے تو اس نے امام سے پوچھا۔ ''مندر میں دوسرے جنم والا رہتا ہے۔''

''نہیں سرکار وہ تو پنڈت کے ساتھ کولہاپور چلا گیا تھا اس کے ساتھ پجاری بھی چلا گیا۔''

روشن نے کچھ جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن روشن نے کولہاپور جانے کی تیاری کی اور نکل پڑا۔ دن کا وقت تھا وہ مندر کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ مندر کالی کا تھا اس کا بہت بڑا کالا بت سامنے برہنہ کھڑا تھا۔ اس نے ایک آدمی سے کہا۔ ''ارے اس بے غیرت کو کپڑے پہنا دے۔''

وہ آدمی دوڑ کر اندر گیا اندر کئی آدمیوں کے ساتھ آ گیا وہ سب روشن کے سامنے آ گئے ایک بہت موٹا آدمی آگے بڑھا اور بولا۔ ''تجھے شرم آتی ہے تو ہی پہنا دے۔''

روشن نے بت کی طرف دیکھا پھر درختوں کی طرف دیکھا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ درختوں کے پتے ٹوٹ کر اڑے اور اس ننگے بت کے پورے جسم پر لپٹ گئے۔

روشن نے پوچھا۔ ''وہ دوسرے جنم والا کہاں ہے۔''

پجاریوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''مہاراج وہ تو گوالیار چلا گیا۔''

اور روشن گوالیار روانہ ہو گیا۔ پنڈت کی تو لاٹری نکل آئی تھی ہر شہر میں اس پر اتنا دان دکھشنا چڑھتا تھا کہ وہ راجن کی جائیداد کو بھول گیا تھا۔ روشن آ کر وہ آ کر آگے نہیں گیا۔

رام باغ کے پہلو میں اس نے اپنا ٹھکانا بنا لیا آگے جانے کی اجازت نہ تھی۔ وہ گوشہ گمنامی میں رہنا چاہتا تھا۔ مگر خوشبو ہوتی ہے تو ہوا کے دوش پر سفر تو کرتی ہے عقیدت مند آنے لگے اپنی اپنی ضرورتوں کے سوالات کرنے لگے اور اس طرح روشن بابا مشہور ہونے لگے روشن کا مزاج صحرائی تھا وہ خود کو صحرائی کہلوانا زیادہ پسند کرتا تھا لوگ روشن کو بھول گئے اور وہ صحرائی مشہور ہو گئے۔ مگر انہوں نے خود کو نمود و نمائش سے دور رکھا وہ صرف عبادت اور نماز پر زور دیا کرتے تھے۔

پنڈت کے پاس اتنا سونا، چاندی جمع ہو گیا کہ اس کو ساتھ لئے پھرنا دشوار ہو گیا۔ اس نے گوالیار میں ایک بہت بڑی زمین خریدی اور ایک بڑی عالیشان حویلی کھڑی کر دی اور راجن کے ساتھ رہائش پذیر ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ساتھی پجاری بھی تھا۔ اب اس کو شہر شہر پھرنے کی ضرورت نہیں تھی وہ اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ دور دور سے لوگ خود چل کر گوالیار آتے تھے اور دان دیتے تھے۔ دولت جتنی بڑھتی ہے اس کی خواہش بھی اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے پنڈت گوالیار میں سیٹ ہوا تو پھر اس کو راجن کی دولت کا خیال ستانے لگا۔ اس کا تعلق وکیلوں سے ہمیشہ رہا کیونکہ وکیلوں کو ان کی فیس مل رہی تھی۔ ایک دفعہ پھر وہ زور و شور سے عدالت میں اپیل کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ اب کے اس نے صرف یہ تبدیلی کی کہ خود کو پیچھے رکھا اور نئے راجن کو آگے رکھا۔ پنڈت رام سنگھ کو لوگ بھول چکے تھے وہ دوبارہ یاد دلانا نہیں چاہتا۔ اس نے بندوق کے لئے دوسرا کاندھا استعمال کرنا چاہا۔

مگر یہ کیا ہوا کرن کمہار نے اعلان کر دیا کہ وہ راجن نہیں ہے وہ تو جیون کمہار کا لڑکا کرن ہے اور بنارس کے منوہر محلے کا رہنے والا ہے۔ وہ راجن نہیں ہے۔ پنڈت کا ڈرامہ ختم ہو گیا۔ مگر بڑا کائیاں تھا یہ کہہ کر جان بچا گیا کہ دوسرا جنم ہمیشہ یاد نہیں رہتا۔ اس کی معیاد ہوتی ہے مگر اس ڈرامے نے پنڈت کو لاکھوں روپیہ ضرور دیا تھا۔

گرو اور چیلا دونوں خاموش بیٹھے تھے۔

گرو پربھودیال اور چیلا پنڈت رام سنگھ۔ ''گرو یہ کیا ہوا یہ اچانک گرفت سے کیسے نکل گیا۔'' پنڈت نے کہا۔

''اسی بچار میں ہوں۔ اب میں اس کی طرف دھیان کرتا ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے۔ ایسی دیوار کھڑی ہے کہ کچھ سجھ نہیں آ رہا۔''

''کچھ تو کرنا پڑے گا گرو کرن کو کنٹرول تو کرنا ہوگا۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم کرن پر نظر رکھنا وہ زیادہ باتیں نہ کرے اس کے پاس ہماری بہت سی کمزوریاں ہیں۔'' پربھودیال نے کہا۔

''وہ تو میں اس پر ہاتھ رکھے ہوں تم چنتا مت کرو۔'' پنڈت نے کہا۔

''اور میں اس دیوار کی طرف دھیان دیتا ہوں۔'' پربھودیال بولا۔

پربھودیال کی یکسوئی ختم ہوتی جا رہی تھی وہ جب بھی کرن کی طرف دھیان کرتا اس کے اندر ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی سر چکرانے لگتا اور اس کو دھیان ہٹانا پڑتا۔ اس نے دوسرے طریقے بھی اپنانے کی کوشش کی مگر اندھیرا بڑھتا ہی گیا۔

وہ ایک ماہر آدمی تھا وہ شیطان اور جادو کے ٹھوس وجود کا قائل تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ میرا اور میرے بڑے گرو شیطان کا ایک بہت بڑا دشمن بھی اس جہان میں ہے وہ ہے نور اور روشنی وہ تو تاریکی کا مسافر تھا بیمار اور جہالت اور موت اس کے کھیل تھے عیش و عشرت اور دولت اس کے پسندیدہ چیزیں تھیں وہ کون ہے جو کاٹ کر رہا ہے۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے یہی سوچا کہ جو ہے وہ بہت ہے کبھی کمی زیادہ کے چکر میں اپنی جیب کی پونجی بھی کھو بیٹھتا ہے۔ گرگ جہاندیدہ تھا اپنی کمزوری اور موقع کی نزاکت کو بھانپ گیا۔ ''میں بنارس واپس جا رہا ہوں۔'' وہ پنڈت سے بولا۔

''ارے گرو بیچ منجدھار میں چھوڑ کر نہ جاؤ۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں اپنے ٹھکانے پر زیادہ مضبوط ہوں بڑوں نے کہا ہے عقل مند وہ ہے جو ہوا کا رخ دیکھ کر چلے اور ہوا ہمیشہ ایک رخ نہیں چلتی اب ہوا کا رخ بدل رہا ہے میں تم کو بھی کہوں گا کہ ہر قدم ذرا سوچ سمجھ کر اٹھانا تیرے اور میرے پاس بہت مایا ہے۔ کرن بھی زندگی آرام سے گزار سکتا ہے۔ اب دوسرے جنم کا کھیل آگے نہیں چلے گا۔ میری وہ شکتی جس کے بل پر میں سب سے زیادہ ناز کرتا تھا ختم ہوگئی ہے میں تیرے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا ہوں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جو یہ سب کر رہا ہے اس کی شکتی کتنی ہوگی میں کچھ اندازہ نہیں کر سکتا۔'' پربھودیال نے کہا۔

''ذرا دھیان تو دو وہ کون ہو سکتا ہے گرو.....'' پنڈت نے پوچھا۔

''میں نے بنارس جانے کا فیصلہ جو کیا ہے تو اس کا کارن تم کو پتہ ہے۔'' پربھودیال بولا۔

''آپ بتاؤ گے تو پتہ چلے گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں نے اپنی پوری شکتی لگا دی یہ پتہ کرنے پر کہ حملہ کس طرف سے ہو رہا ہے راستہ کدھر ہے۔ مگر مجھے ناکامی ہوئی ہر طرف ایک دیوار کھڑی ہے میرے سارے کرتب بے کار ہو گئے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے تیز روشنی ہے۔ اس روشنی میں آنکھیں نہیں کھل رہی ہیں۔ اس لئے میں بنارس جا رہا ہوں وہ میرا قلعہ ہے وہاں شاید میں کچھ سکوں کھلے میدان میں کھڑے ہو کر میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔'' پربھودیال نے کہا۔

''میرا کیا ہوگا گرو یہ تو دھیان دو.....'' پنڈت نے پوچھا۔

''تم کوئی شکتی بھی آزماؤ میرے خیال میں کسی کام نہیں آئے گی۔ جب روشنی پھیلتی ہے تو کالی شکتی اس روشنی میں کام نہیں کرتی اس وقت صرف عقل کام دیتی ہے میری عقل نے کہا ہے کہ میں میدان چھوڑ دوں اور خود کو بچاؤں اور پھر نئے سرے سے تیاری کروں اور ہوا کا رخ دیکھوں اور انتظار کروں گرم گرم کھانے سے منہ جل جاتا ہے۔'' پربھودیال بولا۔

''میں کہاں جاؤں تم تو بنارس چلے جاؤ گے۔'' پنڈت نے پوچھا۔

''تم اس حویلی کو محفوظ کرو اپنی ساری شکتی اس کی حفاظت پر لگا دو اور کرن کو آزاد کر دو اب وہ تمہارے کسی کام کا نہیں رہا۔'' پربھودیال بولا۔

''تم کچھ حویلی کی حفاظت کا پکا بندوبست کر دو۔'' پنڈت نے کہا۔

''یہ سب تم کو کرنا ہوگا اور متواتر کرنا ہوگا۔ تمہیں وہ سب جاپ دوبارہ کرنے ہوں گے جو تم کو پتہ ہیں۔ میں خود اپنی فکر میں ہوں۔'' پربھودیال نے صاف جواب دے دیا۔

''برے وقت میں ساتھ چھوڑ رہے ہو گرو۔'' پنڈت نے کہا۔

''میں تیرے ساتھ ہوں مگر تیرے ساتھ رہ کر بھی میں بے کار ہوں مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہے۔ مجھے جلد از جلد اپنے قلعہ میں جانا ہے۔'' اور پربھودیال بنارس بھاگ گیا۔

پنڈت گوالیار میں اکیلا رہ گیا۔ اس نے کرن کو کہا.....

''تیرے پاس اتنی رقم ہے کہ تو زندگی گزار سکتا ہے اب تیرا اور میرا ساتھ آگے نہیں چلے گا تو جا سکتا ہے میں نے تجھے راجن بنانا چاہا تھا مگر ایسا ہوا نہیں اس لئے تو کہیں بھی جا۔'' اور کرن خوشی خوشی چلا گیا۔

پنڈت نے کچھ دن حویلی کے اندر گزارے اور پھر اس نے اپنا چولا بدلنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ وہ پرانا پنڈت پروفیسر رام سنگھ بنتا گیا اور گوالیار کی حویلی فروخت ہوگئی اور پنڈت بمبئی پہنچ گیا ساری دولت اس نے بینک میں رکھ دی۔

ایک دن وہ اپنے پرانی حالت میں راجیش کے دفتر پہنچ گیا۔ راجیش نے حیرت سے اس کو دیکھا اور کہا۔

''تم شاید پنڈت رام سنگھ ہو۔''

''شاید نہیں سچ مچ ہوں۔'' وہ بولا۔

''کیا بات ہے بہت دن کے بعد درشن ہوئے کیا بھارت سے باہر چلے گئے تھے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''نہیں بھارت سے باہر کہاں جانا ہے۔'' پنڈت بولا۔

''پنڈت تم سے بہت کچھ پوچھنا ہے کہاں سے شروع کروں۔'' راجیش نے کہا۔

''جو پتہ ہوگا اس کا جواب دے دوں گا کہیں سے پوچھ لو۔'' وہ بولا۔

''روشن کا تم کو پتہ ہے وہ کہاں غائب ہے۔''

''روشن کون مجھے کچھ جانا پہچانا نام لگتا ہے۔'' پنڈت بولا۔

''تم زیادہ نہ بنو تم جانتے ہو کنول اور حیدر کا بیٹا۔'' راجیش نے کہا۔

''نہیں جی میرا تو اس سے کبھی کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔'' وہ بولا۔

''تمہارا اس سے تعلق بنتا بھی نہیں تھا وہ تمہارے پاس بنارس گیا تھا اس کے ساتھ ایک آدمی جمن بھی تھا، ان دونوں کا پتہ نہیں ہے تم کو ضرور پتہ ہوگا.....'' راجیش نے پوچھا۔

''مان نا مان میں تیرا مہمان خوب رہی، میں تو روشن کو جانتا ہی نہیں ہوں اس کی شکل تک سے میں واقف نہیں اور دوسرا وہ کیا نام جمن اس کا تو میں نام اب سن رہا ہوں تو بتاؤ پھر ان کے بارے میں کیا بتاؤں۔'' پنڈت نے جواب دیا۔

''دیکھو پنڈت رام سنگھ تم ہمیشہ کامیاب نہیں ہو گے کبھی نہ کبھی تم ضرور پھنس جاؤ گے۔'' راجیش نے کہا۔

''تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے تو ضرور کوشش کر لو۔'' پنڈت نے کہا۔

''یہی تو کمزوری ہے۔ تم دھرم کا آسرا لے کر اپنے روپ بدل لیتے ہو لوگ دھرم کے نام پر بے وقوف بن جاتے ہیں ہمارے دھرم میں جو کمزوریاں ہیں تم ان سے خوب واقف ہو عام آدمی ان کمزوریوں کو نہیں مانتا مگر تم جانتے ہو اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہو۔'' راجیش نے کہا۔

''میں نے دھرم بنایا ہے ہزاروں سال سے ایسا ہی چلا آ رہا ہے۔'' پنڈت نے بولا۔

''یہی تو خرابی ہے کہ ہزاروں سال سے ایسا ہی ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''ارے تو تم پری ورتن کر دو کر سکو تو۔'' پنڈت بولا۔

''یہ کام تو برہمن نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔'' راجیش بولا۔

''اور برہمن تمہاری مانے گا نہیں اب بولو۔'' پنڈت نے کہا۔

''اس لئے نہیں مانے گا کہ اس کی اہمیت اور طاقت میں کمی نہ ہو جائے۔'' راجیش بولا.....

''جب سب باتیں تم جانتے ہو تو دھرم کا رونا چھوڑ دو دھرم وہ ہے جو پنڈت کہتا ہے۔'' وہ بولا۔

''خیر کوئی بات نہیں یہ تو مجھے اندازہ ہے کہ روشن زندہ ہے جمن کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ ایک نا ایک دن وہ ضرور آئے گا پھر تمہاری اصل بات سامنے آئے گی۔'' راجیش بولا۔

پنڈت ذرا سا چونکا مگر فوراً اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔ ''ارے ہم کیا جانیں اچھا ہے زندہ ہے بچارہ۔''

''بمبئی کسی کام سے آئے ہو۔'' راجیش نے پوچھا۔

''بمبئی کیا بھارت کا شہر نہیں ہے ارے کیا ہمارے آنے جانے پر پابندی لگی ہے۔'' وہ بولا.....

''پابندی تو نہیں ہے وجہ تو کچھ ہوتی ہے۔'' راجیش بولا۔

''اچھا اب آ گیا دوبارہ اگر اجازت دو تو ملوں گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''تم اپنی مرضی سے آئے ہو آئندہ بھی تم کو آنا ہوگا تو آؤ گے۔'' راجیش نے جواب دیا۔

پنڈت یہ سن کر کہ روشن زندہ ہے حیران تو ہوا تھا مگر زیادہ کرید کرنا تو شک وشبہ کی زد میں آ جانا مگر روشن کا زندہ ہونا ممکن تو نہ تھا۔ اس نے ریگستان میں اس کو چھوڑا تھا جہاں نہ پانی تھا نا کسی کھانے کی چیز کا نام ونشان تھا۔ دھوپ اور دھول کے سوا وہاں کیا تھا۔ مجھے لگتا ہے یہ مجھے بے وقوف بنا رہا تھا کہ شاید میں کچھ اگلوں اور وہ پکڑ لے۔

ہر طرح اس نے اپنے من کو شانت کرنے کی کوشش کی مگر دل کا چور ہر دفعہ گردن نکال دیتا۔ اگر وہ زندہ ہے تو کہاں ہے اندر سے آواز آتی۔ مجھے کیا پتہ وہ کہتا۔ تو پھر اس کا پتہ کر اندر سے آواز آئی۔ ہاں یہ ٹھیک ہے پتہ تو کرنا ہوگا اس نے سوچا۔ کہاں سے تلاش شروع کرنا ہوگی۔ اسی چھور سے جہاں اس کو چھوڑا تھا اندر سے آواز آئی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' پنڈت راضی ہو گیا۔

دوسرے دن سے ہی اس نے خود کو ٹٹولا پرکھا اپنے ارادوں کو دیکھا بھالا نئی تیاری کی سب کچھ ٹھیک تھا اس کی پوری شکتی اس کے پاس محفوظ تھی گرو تو کچھ زیادہ ہی گھبرا گیا تھا۔ میرے ساتھ تو کچھ ہوا نہیں اس نے دل میں کہا۔

دوسرے دن وہ اسی صحرا کو چلا فاصلے تو اس کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے اس کی شکتی نے اسے کچھ ہی دیر میں اسی مقام پر پہنچا دیا۔ مگر یہ وہ مقام تو نہیں یہاں تو دھول اڑتی تھی، دھوپ تھی، گرمی تھی، یہ چاروں طرف درخت تو نہ تھے، پانی کے تالاب تو نہ تھے، یہ درخت یہ تو وہی لگتا ہے اس میں تو کھجور لگے ہیں، یہ کون سے موسم کے کھجور ہیں، مگر یہ چھولداری اس کے گرد کیاریاں جن میں رنگ برنگ کے پھول کھلے ہیں، وہی ہیں، یہ سارے اوزار یہ بھی میں ہی لایا تھا۔ یہ چولہا وہی ہے سب کچھ وہی ہے مگر یہاں پھل فروٹ کے درخت اور ہر درخت پر پرندے کہاں سے آ گئے یہ اتنا بڑا نخلستان، پانی کہاں سے آ گیا۔ وہ حیرت سے ہر طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ ضرور زندہ ہوگا اس جگہ کون مر سکتا ہے یہاں تو ہر طرف زندگی ہے۔ خوراک ہے پانی ہے پھر اس نے پورے نخلستان کی سیر کی ہر طرف زندگی تھی۔ رات کو بادل کا ایک ٹکڑا نخلستان پر آیا اور تیز بارش ہونے لگی وہ دوڑ کر چھولداری میں آ گیا۔ سارے تالاب پانی سے بھر گئے یہاں کی تو دنیا ہی بدل گئی

ہے اس نے سوچا یہاں وہ نہیں ہوگا چلا گیا ہوگا۔ مجھے کہیں اور تلاش کرنا ہوگا۔ وہ چھولداری میں بیٹھ کر اپنی شکتی کو طلب کرنے لگا واپس بھی تو جانا تھا۔ مگر دور دور کی شکتی کا پتہ نہ تھا۔ اس نے ہر بار جاپ پورا کیا مگر جواب نہیں آیا۔ وہ تھک گیا بھوک نے اس کا برا حال کر دیا، پیاس بھی ستانے لگی تھی۔ وہ اٹھ کر کھجور کے درخت کے پاس گیا اور کھجور توڑنے کو ہاتھ بڑھایا مگر یہ کیا ہوا؟ اس پر تو ایک بھی کھجور نہیں تھی دو تین دفعہ اس نے کوشش کی مگر اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا وہ پانی کے تالاب پر چلا گیا اور پیر پانی میں ڈالنے کو کنارے پر بیٹھ گیا مگر پانی اس سے دور ہو گیا۔ وہ اور قریب گیا مگر پانی اور دور ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پانی چلو میں لینا چاہا مگر پانی دور ہو گیا وہ پانی کو حاصل کرنے کو آگے بڑھتا گیا مگر تالاب خشک ہو گیا اور پانی کی ایک بوند اس کو نہ ملی۔ اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ وہ جس درخت پر پھل توڑنے گیا وہ درخت زمین سے غائب ہو گیا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا اور اپنی شکتی کو طلب کرنے لگا۔ ہر جاپ کے بعد اس کو جواب نہیں ملا۔ درخت زمین سے غائب ہوتے گئے پانی تالابوں سے سوکھتا گیا۔

اور صرف ایک کھجور کا درخت رہ گیا اور چھولداری رہ گئی۔ پنڈت کی حالت بھوک پیاس سے بری تھی درخت پر ایک پھل نہ تھا اور وہ اتنا اونچا تھا کہ پنڈت کے ہاتھ اس کے پتوں پر نہیں پہنچتے تھے۔ تین دن میں یہ پھر وہی صحرا تھا جس میں وہ روشن کو چھوڑ کر گیا تھا۔

گرم دھوپ اور لو نے اس کے جسم کو جلا ڈالا تھا۔ چھولداری کے اندر چوٹیوں نے گھر بنائے تھے اس کی سانس چل رہی تھی مگر وہ زمین پر پڑا تھا۔ اس کا وجود عبرت آمیز تھا۔ اس کا پورا جسم ریگستان کی بھوکی چیونٹیوں نے ادھیڑ دیا تھا۔ آنکھوں کی جگہ دو گہرے غار تھے۔ پنڈلیوں رانوں اور بازوؤں کا گوشت غائب ہو چکا تھا۔ ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ گالوں کا گوشت بھی غائب تھا اور جبڑوں کی خوفناک ہڈیاں جھانک رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے مرنے کے بعد صحرائی گدھ اور گوشت خور جانوروں نے اس کی لاش بری طرح نوچ ڈالی ہے۔

مگر وہ زندہ تھا اور اس کے احساسات ہوش میں تھے۔ جو کچھ اس پر گزر رہا تھا اس تکلیف کا اس کو احساس تھا جن حالات میں وہ نظر آتا تھا اس میں زندگی کے باقی رہنے کی امید نہیں ہو سکتی مگر اس کو زندہ رکھا گیا تھا۔ اس کی روح اس کے ٹوٹے پھوٹے بدن کے اندر تھی۔ جسمانی کرب کے ساتھ روحانی کرب بھی اس کو برداشت کرنا تھا۔

زندگی ان گنت الجھے ہوئے پے چیدہ راستوں میں گھری ہوتی ہے۔ ان تمام راستوں میں انسان کو اپنا راستہ منتخب کرنا ہوتا ہے غلط راستہ اس کو اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں پر پنڈت کھڑا تھا،

پانی تھا مگر اس کو نہیں ملا، کھانا تھا خوراک تھی اس کے لئے نہیں تھی درخت تھے سایہ تھا مگر اس کے لئے نہ تھا، اس نے صحرا کسی کے لئے پسند کیا تھا وہی اس کے لئے تھا اب واپسی کا اس کو پتہ نہ تھا۔ وہ موت مانگ رہا تھا مگر وہ بھی اس کے قریب نہیں آ رہی تھی۔ زندگی تو وہ کس منہ سے مانگتا۔ ایک لمحہ ایک، ایک سال بن رہا تھا پورے جسم پر زخم تھے ان زخموں میں کیڑے کلبلا رہے تھے اور چیونٹیاں ان کیڑوں کا شکار کر رہی تھیں۔ اس کا بدن شکار گاہ بنا ہوا تھا۔ اس کا دماغ حیرت انگیز طور پر ٹھیک کام کر رہا تھا۔ اس کے گوشت کو جانوروں نے کھایا لیکن اس کا دماغ کام کر رہا تھا اس کی آنکھیں چیونٹیاں کھا گئیں تو بھی وہ محسوس کر رہا تھا۔ سب کچھ اس کے ہوش میں ہو رہا تھا ہر پیش آنے والا واقعہ اس نے محسوس کیا اس کی تکلیف کو محسوس کیا وہ غافل کبھی نہ ہوا یہ حقیقت تھی ہر حقیقت اس کے سامنے رہی۔ ہر لرزہ خیز منظر کا وہ خود گواہ تھا۔ نہ معلوم کتنا وقت اسی کیاری کے کنارے پڑے پڑے گزر گیا اور پھر اس کے چہرے پر کسی نے پانی مارا۔ پہلی دفعہ تو اس کو لگا جیسے کسی نے تیزاب اس پر ڈال دیا ہے مگر پھر کچھ ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا اس نے منہ کھول دیا اور پانی منہ کے اندر جانے لگا۔ پانی کے اندر جاتے ہی مشین کے پرزوں میں جان پڑ گئی۔ پانی زندگی ہے اس نے سوچا ہاں زندگی ہے۔ پانی پڑتے ہی سارے کیڑے مکوڑے بھاگ گئے۔ آدھی تکلیف ختم ہوئی عذاب مسلسل ختم ہوا پھر ایک آواز اس کے کانوں میں آئی۔

''تو نے دیکھا پنڈت..... کچھ اندازہ ہوا کہ دکھ کیا چیز ہیں۔'' پنڈت اس آواز پر غور کرنے لگا یہ آواز کب اور کہاں سنی ہے اور چند منٹ میں ہی اس کو یاد آ گیا۔ یہ تو روشن کی آواز ہے۔

''تو نے جواب نہیں دیا۔'' آواز پھر آئی۔

پنڈت نے بولنے کی کوشش کی منہ کھلا ضرور مگر صرف کھرکھراہٹ ہی ہوئی۔ اس کے منہ میں پھر پانی بھر دیا گیا اور آواز آئی۔ ''اب بول۔''

پنڈت نے پھر منہ کھولا تو آواز نکلی۔ ''ہاں میں غلطی پر تھا۔''

''تو نے اپنی عارضی شکتی کے زد میں کتنے ڈرامے کئے تو نے اس صحرا کو اپنا قید خانہ بنایا مگر تو نے دیکھا قدرت نے اس صحرا کو گل گلزار کر دیا مگر تجھے ایک بوند نہیں ملی ایک کھجور نہیں ملی کیونکہ یہ سب تیرے لئے نہیں تھا تیری آنکھیں نہیں مگر تو پھر بھی دیکھ سکتا ہے کہ یہ جگہ اب بھی گل گلزار ہے درختوں پر پھل ہیں، تالابوں میں پانی ہے، پرندے ہیں، مچھلیاں ہیں، دے آواز اپنی شکتی کو بلا اپنے گرو پر بھروسہ کر لے میرے دماغ کو اپنے کنٹرول میں، وہ نہ کر سکے تو بڑے گرو شیطان کو بلا لے۔''

پنڈت اٹھ کر بیٹھ گیا اس پانی کی طاقت کا اندازہ اس کو خوب ہو رہا تھا۔ ''میں مر کیوں نہ گیا اتنی

اذیت میں انسان کا دماغ ہوش حواس ساتھ چھوڑ جاتے ہیں وہ بے حس ہو جاتا ہے میں کیوں ہوش میں یہ سب برداشت کرتا رہا۔'' وہ بولا۔

''تجھے احساس دلانا مقصود تھا۔ مارنا مقصود نہیں تھا۔'' آواز آئی۔

''میں نے تیرے مرنے کا بندوبست کیا تھا۔ تو مرا کیوں نہیں؟'' پنڈت نے پوچھا۔

''انسان کے جب سارے سہارے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں تب بھی مسلمان کے پاس ایک بہت بڑا سہارا باقی رہ جاتا ہے وہ سہارا اس کے خدا کا ہوتا ہے خدا ہر جگہ ہے ہر ایک پر اس کی نظر ہے وہ قادر مطلق ہے اس کو یاد کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا وہ ہر مقام پر مدد کرتا ہے۔ مجھے میرے خدا نے بچایا ہے اور تجھے تیرے گرو نے اس حال کو پہنچایا ہے اب وہ تیری مدد کو نہیں آئے گا کیونکہ وہ جانتا ہے جہاں نور خداوندی ہوتا ہے وہاں پر اس کی نہیں چلتی۔''

''میں اس حال میں زندہ رہنا نہیں چاہوں گا۔'' پنڈت نے کہا۔

''اور میں تجھے مارنا نہیں چاہوں گا۔'' آواز آئی۔

''زندہ رہنے کے کچھ لوازمات ہوں۔'' پنڈت بولا۔

''ہاں ہیں، تو بمبئی کی سڑکوں پر کٹورہ ہاتھ میں لے کر اپنی حالت دکھا کر روٹی کمائے گا..... رو کر زندہ رہے گا۔'' آواز آئی۔

''میرے پاس بینک میں کروڑوں روپے پڑے ہیں ان کا کیا ہوگا۔''

''وہ سب بھول جاؤ وہ سب مٹی ہو گئے۔'' روشن نے کہا۔

''مجھ پر رحم کرو۔'' پنڈت بولا۔

''تو اس کے قابل نہیں ہے۔'' روشن نے کہا۔

بمبئی کے بھکاریوں میں ایک کروڑ پتی بھکاری کا اضافہ ہو گیا۔ راجیش نے حیدر کو یہی بتایا تھا کہ روشن نے ایک نیا کاروبار شروع کیا ہے اور وہ پورے ہندوستان میں دوڑ دوڑا پھر رہا ہے مجھ سے بھی کم ملاقات ہوتی ہے۔ لندن میں اس کی بیوی بھی پریشان تھی اس کو بھی راجیش تسلی دے رہا تھا مگر وہ خود بہت پریشان تھا۔ مگر اچانک روشن کے غائب ہونے کے ایک ہفتہ بعد اس کو ایک خط ملا تھا وہ خط روشن کے ہاتھ کا لکھا تھا۔ اس میں اس نے صاف صاف لکھا تھا کہ وہ پنڈت کے پیچھے ہے اور ایک بہت بڑے مشن پر ہے میری فکر نہ کرنا میں زندہ ہوں مگر ابھی کسی کے سامنے نہیں آ سکتا ان دنوں کے بارے میں بھی کسی کو آپ نہ بتائیں۔ کچھ بہت الجھے کام ہیں۔ جن کی طرف سے ناامید ہو جائیں۔ میں خود آؤں گا یہ میرا راز ہے آپ کو تسلی کی خاطر یہ خط لکھ دیا ہے۔''

راجیش نے کبھی کسی سے اس خط کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ وہ درمیانی آدمی تھا سب کو تسلی دے رہا تھا اس قسم کے بہت مختصر خط راجیش کے پاس دو تین آ چکے تھے وہ دونوں بھی ہندوستان کے الگ الگ شہروں سے آئے تھے اور پتہ نہیں لکھا تھا۔ اس لئے وہ فکرمند بھی تھا اور بے فکر بھی تھا۔

☆.....☆.....☆

''مجھے تو روشن کی طرف سے فکر ہو رہی ہے۔ راجیش کہتا ہے وہ خیریت سے ہے۔'' میں نے رضیہ سے کہا۔

''راجیش کی بات جھوٹ تو نہیں ہوگی۔'' رضیہ نے جواب دیا۔

''کیوں کہ ایک چکر میں انڈیا کا لگا آؤں۔'' میں نے کہا۔

''ہرگز نہیں مجھے تو ہول آتا ہے جب بھی آپ آ گئے ہیں کچھ نہ کچھ آپ کے ساتھ ہوا ہے میں تو آپ کو نہیں جانے دوں گی۔'' رضیہ نے جواب دیا۔

''یہ ضروری تو نہیں کہ ہر دفعہ کچھ ہو۔'' میں نے کہا۔

''مگر آپ کو ضرورت نہیں ہے جانے کی۔'' رضیہ بولی۔

''ارے تم تو بلاوجہ ہی وہم میں مبتلا ہو گئی ہو۔'' میں نے کہا۔

''بلاوجہ تو نہیں۔'' رضیہ بولی۔

''اچھا تم بتاؤ کیا کروں؟'' میں نے پوچھا۔

''روشن ایک ذمہ دار بچہ ہے تم اس پر بھروسہ کرو وہ ضرور کسی کام میں لگا ہوگا۔'' رضیہ بولی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' میں نے کہا۔

''لندن کا کاروبار بھی اس کے نہ ہونے سے متاثر ہو رہا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''وہاں پر اس کا اسٹاف ہے فون کر کے حالات پتہ کر لو۔'' رضیہ بولی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے فون پر پتہ کر لیتا ہوں اور اگر ضرورت ہوئی تو چکر لگا آؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' رضیہ بولی۔

''اچھا فون کرنا چھوڑو، دونوں چلتے ہیں لندن سے واپسی میں دوبئی آفس بھی دیکھ لیں گے۔''

اور ایک ہفتہ کی تیاری کے بعد میں رضیہ کے ساتھ لندن چلا گیا۔

وہاں کے دفتر کا انچارج اور کرتا دھرتا مکرم تھا یہ علی گڑھ کا پڑھا ہوا لڑکا تھا اور نہایت ایمانداری سے کام کر رہا تھا۔ راجیش کی طرف سے برابر پرنٹ آ رہے تھے اور رقم بینک میں جمع ہو رہی تھی اکاؤنٹنٹ ایک گجراتی موتی لال چونا والا تھا اس نے بتایا سر جب سے روشن صاحب گئے ہیں کیش جمع

ہو رہا ہے۔ بینک میں میرے اور روشن کے دستخط چلتے تھے۔ اسٹاپ کی پے منٹ بمبئی آفس کر دیتا تھا۔ سارا اسٹاف انڈین تھا اس لئے مسئلہ نہیں تھا روشن کو گئے تین سال گزر گئے تھے تین سال سے کیش جمع ہو رہا تھا اور بہت بڑی رقم بینک میں تھی میں نے ایک بڑا ڈرافٹ کراچی روانہ کر دیا اور ایک ڈرافٹ بمبئی آفس کو روانہ کر دیا ڈرافٹ ملتے ہی راجیش کا فون آ گیا۔ وہ بولا۔ ''ڈرافٹ ملتے ہی سمجھ گیا تھا کہ جیجا جی لندن میں ہوں گے۔''

''تم بہت سمجھ دار ہو گئے ہو۔'' میں نے کہا۔

''اتنی رقم آپ نے کیوں یہاں روانہ کر دی۔'' وہ بولا۔

''آخر تم کو بھی رقم کی ضرورت ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''ضرورت تو ہے مگر آپ نے جو رقم بھیجی ہے وہ آپ کی ہے کیونکہ RP میں آپ کا شیئر ہے میں اس کو اس طرح ادا کرتا ہوں کہ لندن اور انٹرنیشنل سرکٹ کے حقوق آپ کے ہیں ان کی کل آمدنی بھی آپ کی ہوتی ہے آپ نے روشن کو دے دی یہ آپ کا مسئلہ ہے مگر آپ نے اتنی بڑی رقم واپس مجھے بھیج دی بتاؤ میں اس کا کیا کروں؟'' راجیش نے کہا۔

''ارے یار رکھو کام آئے گی۔ روشن کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کا کشمیر سے فون آیا تھا۔ ٹھیک ہے۔'' راجیش بولا۔

''لندن کب آئے گا کچھ پتہ کیا۔'' میں نے پوچھا۔

''بتایا نہیں اس نے.....'' راجیش بولا۔

''اب فون آئے تو کہنا مجھے لندن فون کر لے۔'' میں نے کہا۔

''کہہ دوں گا۔'' وہ بولا۔

''تمہارے گھر میں سب خیریت ہے۔''

''ہاں سب خیریت ہے آپ اکیلے آئے ہو یا باجی بھی ساتھ ہیں۔'' وہ بولا۔

''میرے ساتھ آئی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ان کو میرا اسلام کہنا اور سنو میں وہ رقم واپس روانہ کر رہا ہوں۔ جیجا جی.....'' وہ بولا۔

''تم رکھو روشن کو شاید ضرورت پڑ جائے۔'' میں نے کہا۔

''روشن کے لئے پوری RP موجود ہے اس کو رقم کی کیا کمی ہے۔'' وہ بولا۔

''اچھا جو تمہاری مرضی ہے کرو مانو گے تھوڑا ہی.....'' میں نے کہا۔

''میں دو چار روز میں فون کروں گا دفتر میں۔'' راجیش نے کہا۔

''میں روز دفتر آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

دو دن ہی گزرے تھے کہ روشن کا فون آ گیا۔

میں نے بے تابی سے پوچھا۔ ''تم کہاں ہو بیٹا میں تو سخت پریشان تھا۔''

''اس وقت تو میں بنارس کے ایک مکان میں ہوں۔'' وہ بولا۔

''بنارس میں وہاں کیا کر رہے ہو۔''

''یہاں پر ایک تناور درخت ہے اس کی کاٹ چھانٹ میں لگا ہوں۔''

''میں تمہارے اشاروں کی زبان پوری طرح تو نہیں سمجھ سکا ہوں مگر یہ سمجھ گیا کہ کسی کام میں لگے ہو۔''

''ہاں ڈیڈی بہت ضروری کام ہے۔''

''تو تم تین سال سے اسی کام میں لگے ہو۔''

''نہیں ڈھائی سال ایک صحرا میں پھول اگا رہا تھا تالاب بنا رہا تھا اور ایک کھجور کے درخت کو پانی دے رہا تھا۔'' روشن نے کہا۔

''کس حد تک تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔'' میں نے پوچھا۔

''انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ کامیاب ہو رہا ہے اس کی محنت رنگ لا رہی ہے مگر ایسا نہیں ہوتا سب کچھ قدرت کرتی ہے میں نے چاہا تھا قدرت نے میری مدد کی اور درخت پھل دینے لگے۔'' وہ بولا۔

''واہ کمال ہو گیا مجھے پورا یقین ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہ سچ ہے مگر میں جھوٹوں کی دنیا میں رہتا ہوں اچانک اگر کوئی سچ سامنے آتا ہے تو یقین نہیں آتا۔'' میں نے کہا۔

''ڈیڈی نیکی بڑی پائیدار چیز ہے۔ یہ اتنی پائیدار ہوتی ہے کہ کبھی کسی حالت میں ختم نہیں ہوتی آپ نے جو درخت لگایا تھا وہ تناور درخت بن چکا ہے۔ یہ نیکی کی پائیداری کی دلیل ہے۔ اب اس درخت کو صرف اور صرف ابر رحمت کی ضرورت ہے بڑی سے بڑی دنیاوی آندھی اس کا ایک پتا بھی نہیں توڑ سکتی۔ میں ''لم یزل'' کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہوں اس نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا آپ بھی میری طرف سے پریشان نہ ہوا کریں۔ میں نے آپ کے سارے کانٹے نکال دیئے ہیں۔ اگر آپ بمبئی جائیں تو دیکھ لیں دادر کے چوراہے پر ایک کروڑ پتی کھڑا بھیک مانگ رہا ہے یہ زندگی کا دوسرا روپ ہے۔ غرور اور گھمنڈ کا دوسرا روپ ہے۔''

اور فون کی لائٹ کٹ گئی۔

اور روشن کی رمز بھری باتوں سے اندازہ کر لیا کہ روشن کس مقام پر ہے۔ اب مجھے اس کی طرف

سے کوئی فکر نہیں تھی میرے اندر سے ایک اعتماد ابھر رہا تھا۔ توانائی سی آتی جارہی تھی میں اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کروں۔ میرا سینہ خود بخود پھیلتا جارہا تھا۔ چہرے پر خوشی کے اور رنج کے آثار دور سے نظر آجاتے ہیں۔ رضیہ نے میری حالت دیکھی تو بولی۔

''کیا بات ہے آج تو آپ کی آنکھیں ہنس رہی ہیں۔''

میں نے اٹھ کر جوش میں اس کو گود میں اٹھالیا۔

وہ بولی۔ ''کیا کررہے ہو اب تمہاری یہ عمر نہیں ہے سانس پھول جائے گا آرام سے بات کرو۔''

میں نے اس کو پکڑ کر قریب کرلیا اور کہا۔ ''آج مجھے زندگی کی بہت بڑی خوشی ملی ہے۔''

''اکیلے ہضم نہیں ہوگی۔ میرا حصہ مجھے دو۔'' وہ بولی۔

''روشن بہت بڑا آدمی بن گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ پہلے بھی کیا کم تھا۔'' رضیہ نے کہا۔

''دنیاوی بڑے آدمی اور دین کے بڑے آدمی میں بہت بڑا فرق ہے۔ دنیاوی بڑا آدمی نام پیدا کرتا ہے اقتدار اور دولت حاصل کرتا ہے اور دین کا بڑا آدمی اللہ کے نزدیک رتبہ پاتا ہے اللہ اس کو نوازتا ہے جس کو اللہ نوازتا ہے اس کو کون گرا سکتا ہے۔ میں تم کو سمجھانے کو صرف یہی بتا سکتا ہوں حالانکہ میں نے تعریف نہیں کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر میں سمجھ گئی ہوں۔ دینے والے کے ہزاروں ہاتھ میں لینے والے کے صرف دو ہاتھ ہیں۔ جو اس سے مانگتا ہے ہزاروں ہاتھ حرکت میں آجاتے ہیں اس کے حضور ہاتھ اٹھاؤ تو.....'' رضیہ بولی۔

''اب تم میں بھی کچھ کچھ عقل آتی جارہی ہے۔'' میں نے کہا۔

رضیہ زور سے ہنس پڑی۔ ''یہ آپ کی مہربانی ہے۔'' وہ بولی۔

میں نے راجیش کو فون کیا اور کہا۔ ''ابھی کچھ پہلے روشن کا فون آیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''اس نے کل مجھے فون کیا تھا تو میں نے آپ کا پیغام اس کو دے دیا تھا۔''

''وہ بنارس میں ہے پتہ نہیں بتایا۔'' میں نے کہا۔

''پتہ تو مجھے بھی نہیں بتایا۔'' وہ بولا۔

''کہتا تھا کسی ضروری کام میں لگا ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تو اس نے کچھ نہیں بتایا صرف یہ بتایا کہ میں ٹھیک ہوں۔ میں نے آپ کا پیغام دے دیا۔''

''دادر میں چوراہے پر ایک فقیر کھڑا ہے۔ بھیک مانگ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کو کس طرح پتہ چلا۔'' وہ بولا۔

''ارے یار روشن نے بتایا ہے کہتا تھا وہ کروڑ پتی ہے ذرا پتہ کرو وہ کون ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے کل فون کروں گا پھر بتاؤں گا۔'' روشن نے کہا۔

دوسرے دن راجیش کا فون آگیا۔ بولا۔

''وہ فقیر تو بڑا قابل رحم آدمی لگتا ہے۔ اس کی دونوں آنکھیں نہیں ہیں۔ ایک ٹانگ کا گوشت غائب ہے چہرہ آدھا دیمک زدہ سا لگتا ہے صرف ایک ہاتھ حرکت کرتا ہے زبان میں لکنت ہے اور سر پلپلا ہورہا ہے یہ سمجھ نہیں آتا کہ وہ زندہ کس طرح ہے۔ کسی کو پتہ نہیں کہ وہ اس چوراہے ہر کس طرح آیا ہے یا کون لایا ہے کیونکہ خود سے تو وہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔'' راجیش نے تفصیل بتائی۔

''کچھ اندازہ ہے کہ وہ کروڑ پتی کون ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔'' راجیش نے کہا۔

''چلو خیر پتہ چل جائے گا میں روشن سے پتہ کروں گا۔'' میں نے کہا۔

☆.....☆.....☆

وہ بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ وہ قلعہ بند ہوگیا تھا۔ انسان کو زندگی بڑی عزیز ہوتی ہے وہ ہر حال میں زندہ رہنا چاہتا ہے حالات کتنے ہی خراب ہوں وہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔ پنڈت رام سنگھ کا حشر اس کے سامنے تھا۔ اس کے بیر اس کو خطرے کے بابت بتا چکے تھے۔ مندر کے باہر وہ نہیں جاسکتا تھا۔

یہ بڑا صبر آزما کام تھا۔ روشن ایک بھٹیارے کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ مسلمان تھا اور اس مندر کے قریب ہی تھا۔ وہ بھٹیارہ سمجھ چکا تھا یہ کالی داڑھی والا جوان بلاوجہ ہی اس کے پاس نہیں پڑا ہے۔ رات کے کھانے کے بعد وہ بوڑھا بھٹیارہ اس کے قریب بیٹھ گیا اور بولا۔

''میں بڑا گناہ گار سا آدمی ہوں میرے کان میں عرصہ ہوا اذان کی آواز نہیں آئی۔ یہاں پر دور دور کوئی مسجد نہیں ہے خود ہی اذان دیتا ہوں اور نماز بھی پڑھ لیتا ہوں کیا غلط کررہا ہوں کیا ٹھیک کچھ پتہ نہیں ہے میں دیکھتا ہوں تم میں کچھ نئی بات ہے کچھ ایمان والوں جیسی بات ہے کچھ مجھے بھی بتاؤ میری بھی آخرت سنبھل جائے۔'' وہ خاموش ہوا تو روشن نے کہا۔

''انسان کو اللہ نے ساری مخلوق سے افضل بنا کر پیدا کیا ہے۔ مگر انسان افضل اس وقت ہے جب وہ اپنے نفس کو مارتا ہے۔ نفس کو مارنا یہ ہے کہ میرے پاس ایک روٹی ہے اور میں بھوکا بھی ہوں مجھے اس روٹی کی سخت ضرورت ہے مگر کوئی فقیر صدا لگاتا ہے کہ وہ بھوکا ہے تو میں وہ روٹی اس کو دے دیتا ہوں۔ دوسروں کے کام آنا اور نفس مارنا اس کے بغیر کچھ نہیں ملتا۔ انسان اپنی خواہشات کے جال میں پھنس گیا تو کچھ حاصل نہیں کرتا۔'' روشن نے کہا۔

''آپ اتنے دنوں سے اس کفرستان میں ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟'' وہ بولا۔

''میں ایک سانپ پکڑنے آیا ہوں وہ بل کے اندر چلا گیا ہے میں بل پر بیٹھا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''میں سمجھ گیا، آپ کو پجاری پر بھودیال کی تلاش ہے، وہی بہت بڑا جادوگر ہے۔'' وہ بولا.....

''ہاں وہ خود کو بہت بڑا جادوگر ضرور سمجھتا ہے یہ کالے پیلے جادو سے ناپاک قوتوں کو لوگ حاصل کرتے ہیں لیکن یہ کائنات اللہ کی تخلیق ہے اور اللہ کا کام سب سے بڑا ہے۔ شیطان کو طاقت دی گئی ہے اور شیطان اپنی اس طاقت کو آزماتا پھرتا ہے لیکن بس محدود ہے ایک حد بندی اس کے لئے ہے اس کے آگے وہ نہیں آئے گا۔'' روشن نے کہا۔

''اور آپ کی کوئی حد مقرر ہے۔'' وہ بولا۔

''ہاں انسان کی بھی حد ہوتی ہے میں بھی بشر ہی ہوں۔ بشر کی حد میں ہوں ہر بشر کے اندر ایک محاسب بھی موجود ہے وہ محاسب ہر انسان کی راہ نمائی کرتا ہے جو سوالات کرنے ہیں اس سے کرو وہ جواب ضرور دے گا شرط یہ ہے کہ تم اس کی طرف رجوع کرو باقی سب کچھ حالات پر چھوڑ دو اگر اندر سچائی کی روشنی باقی ہے تو چراغ ضرور جل اٹھے گا اور جب چراغ روشن ہو جائے گا تو دنیا میں پھول کھلیں گے بہار ہی بہار ہوگی اندر بھی بہار باہر بھی بہار اور گرم ہوا قریب نہیں آئے گی۔ زندگی بھر نمازیں پڑھنے سے جو نہیں ملتا وہ ایک سجدے میں مل جاتا ہے شرط وہی ہے کہ اندر رب کی محبت کا چراغ روشن ہو۔'' روشن نے بات ختم کی۔

''آج زندگی میں پہلی بار اتنے آسان اور سادہ الفاظ میں اتنی بھاری بات سنی ہے آج کتنا اچھا دن ہے آج میں آپ کو پلاؤ پکا کر کھلاؤں گا۔'' بھٹیارہ خوش ہو کر بولا۔

''تم کو یاد ہے میں نے تم کو آتے ہی بتا دیا تھا کہ کوئی چیز ایسی نہیں کھانا جو منہ میں بدبو پیدا کرتی ہو اور پلاؤ میں تو یہ سب ہوتا ہے میں صرف ابلی دال نمک ڈال کر کھاتا ہوں۔ مرغن غذا انسان میں بہت سی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ زندہ رہنے کو انسان کھاتا ہے جو لوگ کھانے کو زندہ ہیں ان کو کھانے دو میں صرف زندہ رہنے کو کھاتا ہوں۔''

''واہ صاحب کتنی اچھی بات آپ نے کر دی میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں کیا کروں۔'' بھٹیارہ بولا۔

''تم میری خدمت بہت طریقہ پر کر سکتے ہو۔ ایک خدمت تو تم یہ کر رہے ہو کہ میرے پاس بیٹھے میری باتیں سن رہے ہو میں تم کو بتانے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ کائنات حق تعالیٰ نے بنائی ہے۔

انسان اس کو دیکھ کر اس کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے اور اس کی قدرت کو تسلیم کرتا ہے۔ مذہب کے بغیر انسان اس کائنات کو نہیں پرکھ سکتا۔ وہ اگر کائنات کو نہیں سمجھ سکتا تو اس کے خالق کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ انسان کا مرکز اس کا مذہب ہے مرکز بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے مرکز سے بھٹکا ہوا ہمیشہ بھٹکتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ مرکز یعنی مذہب سے ہٹ کر کائنات کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں وہ بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہمارے علاوہ بھی لوگ اس کائنات کو جاننے کا شوق رکھتے ہیں مگر ان کے طریقے نہایت پے چیدہ اور مشکل ہیں اسی لئے بہت ہی کم دوسرے مذاہب میں ملتے ہیں جو اس کائنات کو پہچانتے ہوں اور حق تعالیٰ کے قریب ہوں اس کے برعکس اسلام میں بے شمار لوگ ہم کو نظر آتے ہیں ہم کو چاہئے کہ دوسرے مذاہب کے بارے میں نہ سوچیں پہلے اپنے مذہب کو دیکھیں اس کو جانچیں جب ہی ہم دوسروں کی اچھائیوں اور برائیوں کو بھی جانچ سکتے ہیں۔ دین اسلام نہایت ہی مقدس اور قوی دین ہے، اللہ کہتا ہے یہی دین قیامت تک قائم رہے گا۔ یہ دین اس لئے قیامت تک رہے گا کیونکہ اس کو مکمل کر دیا گیا ہے اور کسی دین کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا ہے۔'' روشن خاموش ہو گیا۔

بھٹیارہ گردن جھکا کر بڑے غور سے روشن کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے گردن اٹھائی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگی تھی۔ روشن نے کچھ نہیں کہا خاموشی سے اس کے بوڑھے چہرے کو دیکھتا رہا بوڑھا بڑی مشکل سے اٹک اٹک کر بولا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا ساری زندگی پیٹ کے تندور کی خاطر اس تندور کو جلاتا رہا اور پیٹ کے تندور کو بھرتا رہا میرے پاس کچھ نہیں ہے میں خالی ہاتھ ہوں اور شاید خالی ہاتھ ہی جاؤں گا۔''

بھٹیارے نے پھر گردن ڈال دی۔

روشن نے اس کے کاندھے پر ہاتھ دیا اور کہا۔ ''کسی کو پتہ نہیں کہ اس کی موت کب اور کیسے ہے؟ اگر پتہ ہوتا تو یہ دنیا اتنی حسین نہ ہوتی ایک ویرانہ ہوتی انسان کو قدرت ایک بہت بڑی نعمت عطا فرمائی ہے جانتے ہو وہ نعمت کیا ہے؟''

بوڑھا نے گردن اٹھائی اور نفی میں ہلا دی۔

''وہ ہے امید کی دولت یہ ہر انسان کے پاس ہوتی ہے اگر نہ ہو تو وہ زندہ ہی نہ رہے تم کہتے ہو تم خالی ہاتھ ہو رب تعالیٰ نے کسی کو خالی ہاتھ نہیں رکھا ہے تم نے بھی کچھ نہ کچھ ایسا ضرور کیا ہوگا جس کا صلہ تم کو ملا ہوگا تو پھر تم خالی ہاتھ کہاں ہوئے ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ ضرورت سے کم ہے۔ اس کی کمی کو تم اب بھی پورا کر سکتے ہو سب سے پہلے نیت شرط ہے اس کے لیے پہلے نیک نیت کرو نیک عمل کا آغاز ہو

جائے گا اور جب چل پڑو گے تو چلتے ہی جاؤ گے درمیان میں اگر بلاوہ آ بھی گیا تو بھی تم کو صلہ تو پورا ملے گا تمہاری جھولی خالی نہیں رہے گی۔"

بھٹیارے نے روشن کے ہاتھ کو پکڑ کر چوما اور بولا۔ "میں آپ کا غلام ہوں۔"

"تم اللہ کے بندے ہو اس کے غلام بنو میں نے تم کو راستہ بتا دیا ہے۔" روشن نے کہا۔

پربھودیال بھوک سے نڈھال تھا۔ اس کے چاروں طرف طرح طرح کے کھانوں کے تھال پڑے ہر قسم کی مٹھائیاں ان میں موجود تھیں مگر وہ ان کو دیکھتا تھا للچاتا تھا جس کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا جسے چھوتا تھا وہ کالی ہو جاتی تھی سڑ جاتی تھی اس میں سے لمحے بھر میں بدبو آنے لگتی تھی۔

اگر کوئی اور اٹھا کر اس کے منہ میں ڈالے تو اس کو بھی بدبو کا سخت ریلا بھاگنے پر مجبور کر دیتا تھا پربھودیال حیران تھا یہ سب کیا تھا۔ اس کی ساری تپسیا ساری محنت ایک طرف کھڑی تھی کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا بنارس تو گڑھ تھا ایک سے ایک بڑا آ رہا تھا مگر کیفیت میں ذرا فرق نہ تھا پربھودیال کی حالت گرتی جا رہی تھی۔ سارے پجاری ناامید ہو چکے تھے کچھ ہی دنوں میں پربھودیال سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا اس کی ساری چربی پگھل کر بہہ گئی تھی اس کے ساتھ اس کی شیطانی شکتی جس پر اس کو ناز تھا ساتھ چھوڑ چکی تھی کہ مندر کے دروازے پر ایک بوڑھا آیا اور بولا.....

"پربھودیال پجاری کی حالت خراب ہے بہت دنوں سے بھوکا ہے میں اس کے لئے روٹی لایا ہوں۔"

کسی نے کہا۔ "سب بے کار ہے روٹی اس سے چھو کر سڑ جائے گی بدبو مارے گی غلاظت میں بدل جائے گی۔"

بوڑھا بولا..... "نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

"ٹھیک ہے تم بھی اپنی سی کر لو آؤ میرے ساتھ۔"

ایک بہت اندرونی کمرے میں پجاری پڑا تھا اس کے کمرے میں کھانوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی اس کی نگاہیں ان کھانوں پر تھیں ان میں حسرت اور بھوک ناکامی کمزوری سبھی کچھ تھا۔ بوڑھا اس کے سرہانے جا کھڑا ہوا ایک اخباری کاغذ میں لپٹی تندور کی روٹی اس نے نکالی اور ایک نوالہ توڑ کر پجاری کے منہ میں ڈال دیا۔ پجاری کے منہ میں اناج کا دانہ گیا تو وہ آہستہ آہستہ اس کو چبانے لگا اور پھر نگل گیا کوئی بدبو نہ پیدا ہوئی۔ بوڑھے نے دوسرا نوالہ اس کے منہ میں ڈال دیا وہ بھی پجاری کھا گیا اس طرح پجاری پوری روٹی کھا گیا۔

سب نے حیرت سے بوڑھے کو دیکھا کسی نے پوچھا۔ "تو کون ہے بابا تو نے پجاری جی کی زندگی

بچالی۔"

بوڑھا بولا۔ "میں تمہارے سامنے کا آدمی ہوں۔ تم نے مجھے نہیں دیکھا۔ میں بھٹیارہ ہوں تندور پر روٹیاں لگاتا ہوں تم لوگ کیوں مجھے دیکھو گے۔ بہت معمولی سا آدمی جو ہوں۔"

ایک آگے بڑھ کر بولا۔ "تم وہی مسلمان ہو جو مندر کے تھوڑے فاصلے پر دوکان کرتے ہو۔"

"ہاں میں وہی ہوں۔"

دوسرا بھی جوش میں آ گیا۔ "تم نے پجاری کا دھرم بھرشٹ کر دیا۔ اپنی روٹی کھلا دی۔"

بوڑھا بولا۔ "وہ روٹی گندم کی تھی گندم نہ ہندو ہوتا ہے نا مسلمان، دھرم بھرشٹ کس طرح ہوا۔"

"تم ملیچھ ہو ہم برہمن ہیں تمہارے ہاتھ کا کس طرح کھا سکتے ہیں۔" ایک بولا۔

"تمہارا برہمن کھانا سب پڑا ہے کھلاؤ پجاری کو۔" بوڑھا بولا۔

"ارے تم کس چکر میں پڑ گئے۔ یہ دیکھو کتنے دن کے بعد اناج پجاری جی کے پیٹ میں گیا ہے۔ دیکھو وہ آنکھیں کھول رہے ہیں۔ دیکھو وہ اٹھ رہے ہیں۔"

"تم کون ہو میرے ہمدرد؟" پجاری نے کمزور آواز میں بوڑھے سے پوچھا۔

"میں ایک انسان ہوں۔" بوڑھا بولا.....

"تم نے میری زندگی بچالی ہے۔ یہ سب کھانے میرے لئے زہر ہیں تمہاری روٹی تریاق ہے۔"

"وہ ایک عام سی روٹی تھی مگر تیرے لئے خاص بن گئی یہ اس روٹی کی قسمت تھی۔" بوڑھا بولا۔

"تو نے کھلایا تو روٹی تریاق بن گئی میں خود کھاتا تھا تو غلاظت بن جاتی تھی۔ میں بہت کچھ جاننے والا اب تک اس بھید سے ناواقف ہوں۔" پجاری بولا۔

"تو اسی غلط فہمی میں مارا جائے گا کہ تو بہت کچھ جانتا ہے۔ تو نے اب تک کچھ نہیں جانا تیری راہ ہی غلط تھی اس راہ پر تو آدمی مانا ہوا بھی بھول جاتا ہے۔ اس راہ میں غرور تکبر ظلم جبر اور انسانیت سوز کھیتیاں کھڑی ہیں اس راہ میں محبت درگزر خدمت کا دور دور پتہ نہیں ہے تیرے جو قریب ہیں وہ بھی سب تیرے جیسے ہیں سارے سبق تو نے الٹے پڑھے ہیں مگر وہ سب تیرے ساتھی تیرے کسی کام نہ آئے۔ کسی نے تیرے اندر دانہ گندم نہ پہنچایا تجھے سب غلاظت کھلاتے رہے یہ سب غلاظت ہے میرے پاس صرف ایک روٹی تھی وہ تجھ کو کتنے دن زندہ رکھتی ہے، یہ خدا جانتا ہے تجھے اور اس کی ضرورت ہو تو میری دوکان پر آ جانا۔ مگر اندر کی دھول مٹی اور میل صاف کر کے آنا ورنہ روٹی نہیں ملے گی۔" اور بوڑھا واپس چل پڑا۔

پجاری اور دوسرے سب لوگ اس کو جاتے دیکھتے رہے کسی میں اس کو روکنے ٹوکنے کی ہمت نہیں تھی پجاری کے جسم میں جان آ گئی تھی اس نے سارے کھانے اٹھانے کا اشارہ کیا۔ ایک چیلا بولا۔ ''گرو جی..... یہ کھانے، کھانے کی کوشش تو کرو۔''

پجاری نے غصے سے اس کو دیکھا اور بولا۔ ''تو مجھے غلاظت کھانے کا کہہ رہا ہے۔''

''مگر گرو جی یہ تو بہت بڑھیا کھانے ہیں۔'' وہ بولا۔

''نہیں یہ کھانے نہیں ہیں، اس روٹی کے سواد کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔'' پجاری نے کہا۔

دوسرا بولا۔ ''مگر وہ تو مسلمان تھا اس کا کھا کے تو دھرم بھرشٹ ہو جائے گا یہی پوتیوں میں لکھا ہے۔''

''سب بکواس ہے جھوٹ ہے اپنے مطلب کو گڑھا گیا ہے۔'' پوتیاں کس نے لکھی ہیں کوئی میرا جیسا برہمن ہی ہوگا۔ سب اپنے فائدے کی بات ہے۔ روٹی ہندو مسلمان نہیں ہوتی۔''

''مگر گرو آپ کی شکشا تو یہی تھی۔''

''وہ سب جھوٹ تھا میں چھوٹا تھا میری شکشا جھوٹی تھی۔ مجھے آج پتہ چلا کہ سنسار کی سچائی کیا ہے۔ مجھے چند دن میں ہی پتہ چل گیا کہ سنسار میں تیاگ اور تپسیا کے سوا کچھ نہیں ہے اس کے علاوہ سب دھوکا ہے جھوٹ ہے۔ جو بات میں سالہال کی محنت کے بعد پتہ نہ کر سکا وہ بات چند دنوں میں مجھے پتہ چل گئی۔ میں بہت بڑا پاپی ہوں میں نے کچھ اچھا نہیں کیا۔ مگر وہ بوڑھا پھر میری مدد کو آن پہنچا۔ وہ میرے دھرم کا نہیں رشتہ دار نہیں کیا ضرورت تھی اس کو آنے کی اس نے تو میرے تن کا میل مٹی اس نے آ کر دھو دیا ہے اس نے بتا دیا کہ تن اجلا ہو من میں میل نہ ہو تو بول بھی سچے ہوتے ہیں اور منش کی منو کامنائیں پوری ہوتی ہیں۔''

''یہ باتیں سمجھ نہیں آ رہیں گرو دیو.....'' ایک بولا۔

''نئی ہیں میرے لئے بھی اور تم سب کے لئے یہ باتیں نئی ہیں ہماری گاڑی تو اب تک الٹی چلی ہے ڈبے آگے انجن پیچھے اب سیدھی ہو رہی ہے تو نئی لگے گی۔'' پجاری بولا۔

سب خاموش رہے تو وہ پھر بولا۔ ''تم لوگ کسی اور پجاری کا بندوبست کر لو میں اب یہ سب نہیں کر سکوں گا۔''

''کیا کہہ رہے ہو پجاری جی؟'' سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔

''ہاں میں اب اس مندر کا کھا نہیں سکتا تم دیکھ چکے ہو میں اس بوڑھے کے پاس جاؤں گا میری

روشن نے اس کو دیکھا تو پوچھا۔ ''کیا حکم ہے؟''

''بریلی چلا جا.....'' روشن نے سر جھکا کر حکم سنا سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے کوئی نہ تھا۔ روشن سیدھا اسٹیشن گیا اور بریلی کے لئے روانہ ہوا۔ رات ساڑھے بارہ بجے گاڑی بریلی پہنچی روشن اتر کر اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ ایک قلی اس کے قریب آیا اور بولا۔

''گول مسافر خانے جانا ہے۔''

روشن بولا۔ ''جا رہا ہوں۔''

اور ایک طرف چل دیا رات کا وقت سڑکوں پر سناٹا مگرہ چلا جا رہا تھا۔ چوراہا پار کرتے ہی دو آدمی نہ جانے کس طرف سے اس کے سامنے آ گئے۔ ایک بولا۔ ''ابے یہ وقت سڑک پر تفریح کرنے کا نہیں ہے۔'' روشن خاموش رہا۔

دوسرا بولا۔ ''اچھا کر لے تفریح ہمارا ٹیکس تو ادا کر دے۔''

روشن نے کہا۔ ''میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''غلط بات کرے گا تو زیادہ گھاٹے میں رہے گا پیارے۔ فٹافٹ نکال.....'' پہلا بولا۔

دوسرے نے بات آگے بڑھائی۔ ''ہم نکالیں گے تو تیرے پرزے ڈھیلے ہو جائیں گے۔''

''تم لوگ یہی کام کرتے ہو۔'' روشن نے اطمینان سے پوچھا۔

''ہم دن میں سوتے ہیں۔'' ایک بولا۔

''روز کرتے ہو۔'' روشن نے پھر پوچھا۔

''ہاں..... پھر.....'' دوسرے نے کہا۔

''اب نہ کرنا کرو گے تو اندر چلے جاؤ گے۔'' روشن نے کہا۔

''نہیں کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے ہمیں تو یہی کرنا ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''محنت کرو کام مل جائے گا۔''

''کہاں مل جائے گا۔ کہہ تو ایسے رہا ہے جیسے یہ ہمارے لئے کام رکھ کر آیا ہے۔'' پہلا بولا.....

''میری بات سنو! میرے پاس کچھ تمہارے مطلب کا نہیں تم کو رقم کی ضرورت ہے میں رقم رکھتا نہیں۔'' روشن نے کہا۔

''تم گاڑی سے اتر کر آ رہے ہو خالی ہاتھ منہ اٹھا کر تو سفر پر نہیں نکل پڑے ہو گے۔'' پہلا بولا۔

''تم میری تلاشی لے لو۔'' روشن نے کہا۔

دوسرا آگے بڑھا اور اس نے تلاشی لے لی۔ جب کچھ نہ ملا تو وہ بولا۔

روٹی اس کے ہی پاس ہے۔'' اور پھر وہ بے دھڑک بغیر کسی ڈر و خوف کے مندر سے باہر آ گیا اور بھٹیارے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بوڑھا روٹی تندور سے نکال رہا تھا۔ اس کو دیکھا تو مسکرایا اور بولا۔

''بھوک لگی ہے۔''

''ہاں جنم جنم کا بھوک پیاسا ہوں۔'' وہ بولا۔

''ملے گا خوب کھانا ملے گا۔ میل کچیل صاف کر کے آیا ہے۔'' بوڑھے نے پوچھا۔

''کوشش کی ہے۔'' وہ بولا۔

''تو پھر آ میرے ساتھ۔'' بوڑھا اس کو لے کر روشن کے سامنے پہنچ گیا۔

پجاری نے روشن کو دیکھا تو اس کے قدموں میں گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ ''تیرے اندر جو طوفان ہے وہ نظر آ رہا ہے۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے بول کیا چاہتا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''میں غلطی پر تھا۔'' وہ رو کر بولا۔

''انسان غلطیاں تو کرتا ہے تو نے بھی کیں ہیں مگر ان داغوں کو صاف کرنے کا صابن بھی تو ہے وہ صابن رب کائنات کی اطاعت اور فرمانبرداری اس کے امکانات پر زندگی گزارنا اور انسانی خدمت تو کر سکتا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''تو اس تندور پر روٹیاں پکائے گا۔'' روشن نے کہا۔

''میں جھاڑو بھی لگاؤں گا۔'' پجاری بولا۔

روشن نے بوڑھے کو اشارہ کر کے کہا۔ ''آج سے یہ روٹی پکائے گا۔''

''آج کے بعد اس کو پجاری نہ کہنا اس کا نام خدمت گار ہے بول منظور ہے۔'' روشن نے کہا۔

''مجھے دل سے منظور ہے۔'' پجاری بولا۔

''میرا کام ختم ہوا میں جاتا ہوں۔'' اور اسی دن روشن بنارس سے روانہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

بنارس سے روشن دلی آ گیا۔ اس کا حلیہ نہایت سادہ مگر باوقار تھا۔ سفید علی گڑھ کٹ پاجامے اور سادہ کلی دار کرتہ اس کا لباس تھا چہرے پر شرعی داڑھی اور نہایت نورانی چہرہ تھا۔ وہ روز ہی کسی نہ کسی بزرگان دین کے مزار پر حاضری دیا کرتا تھا۔ یہاں آ کر اس کو بہت سکون ملتا تھا ہمایوں کے مقبرے کے پاس نظام الدین اولیاء کے مزار کے باہر وہ کھڑا تھا کہ ایک قلندرانہ انداز کا شخص اس کے قریب آ گیا اور بولا۔ ''بہت سیر کر لی کچھ کام بھی کر.....''

''آج پہلی بار کسی مسافر کو دیکھا ہے خالی جیب۔''

''دیکھ لیا نا اب گھر جا تیری بیوی سخت پریشان ہے۔ اس کی تکلیف بڑھتی جا رہی ہے۔'' دوسرے سے کہا۔ ''جلدی تو بھی گھر چلا جا تیرے باپ پر پھر دورہ پڑا ہے اور سن اس کارخانے میں چلے جانا تیری نوکری لگ جائے گی کسی مسافر کو کبھی نہ روکنا۔''

دونوں نے حیرت سے روشن کو دیکھا اور ایک طرف تیزی سے چلے گئے روشن مسکرایا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ گول مسافر خانہ اس کے سامنے تھا۔ دروازے پر ایک آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ روشن نے اس اونگھتے آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''کون ہو تم؟''

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ یہ گول مسافر خانہ ہے۔'' روشن نے پوچھا۔

''ہاں یہی ہی ہے۔'' وہ بولا۔ ''کمرہ چاہئے کیا؟''

''ضرورت تو ہے۔ مل جائے گا۔'' وہ بولا.....

''اکیلے ہو۔'' وہ پھر بولا۔ ''ہاں اکیلا ہوں۔''

''آؤ میرے ساتھ وہ روشن کو لے کر برآمدے میں آ گیا ایک چارپائی پر ایک بڑے پیٹ کا آدمی خراٹے لے رہا تھا چوکیدار نے اس کی ٹانگ پکڑ کر اس کو اٹھا دیا اور بولا۔

''فقیرے! اٹھ، مسافر آیا ہے کمرہ دکھا دے۔''

فقیرے نے بڑے ناگوار انداز میں دونوں کو دیکھا اور بولا۔ ''یہی وقت رہ گیا تھا آنے کو۔''

''ابھی گاڑی آئی ہے۔'' روشن نے کہا۔

''پانچ روپے روز کا کمرہ ہے لو گے۔'' موٹے نے پوچھا۔

''لے لوں گا ضرورت جو ہے۔'' روشن نے جواب دیا۔

''آج کا کرایہ نکالو۔ ناشتہ کرو گے صبح اس کے الگ ہوں گے۔''

روشن نے روپے جیب سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ موٹے نے ایک کمرہ کھول دیا۔ روشن کمرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ ابھی وہ سویا نہیں تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

روشن نے دروازہ کھولا تو ایک نوجوان عورت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ روشن نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''بات کیا ہو گی؟ خدمت کو آئی ہوں۔'' وہ لہرا کر بولی۔

''مجھے کسی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔'' روشن نے جواب دیا۔

''عورت کی ضرورت ہر مرد کو ہوتی ہے تم بھی تو مرد ہو۔'' وہ بولی۔

''تم جس مقصد سے آئی ہو میں ایسا مرد نہیں ہوں جاؤ۔'' روشن نے کہا۔

''ڈاکٹر کی فیس ادا کرنی ہے آج کا دن بھی بے کار گیا ہے۔ آپ کو خوش کر دوں گی۔'' وہ بولی۔

''میری خوشی کس میں ہے تم اس کی فکر نہ کرو تم یہ بتاؤ ڈاکٹر کی فیس کتنی ہے۔'' روشن نے پوچھا۔

''فیس تو دس روپے ہے دوائیں وغیرہ ملا کر سو کا خرچ ہے۔'' وہ بولی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' روشن نے پوچھا۔

''تبسم میرا نام ہے محلہ رستم خان میں رہتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''کون بیمار ہے؟'' روشن نے پوچھا۔

''میرا گھر والا بیمار ہے اس کا علاج کرا رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''اچھا اب تم جاؤ سویرے آ جانا میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' روشن نے کہا۔

''آپ کو تکلیف ہو گی صاحب۔'' وہ بولی۔

''میں برداشت کر لوں گا تم آ جانا۔'' وہ بولا.....

عورت اداس چہرہ لئے واپس مڑ گئی۔

صبح وہ ناشتے سے فارغ ہوا تھا کہ وہ آ گئی۔ ''آؤ میرے ساتھ۔'' وہ عورت کے ساتھ باہر آ گیا۔

''کتنی دور ہے تمہارا گھر.....'' روشن نے پوچھا۔

''زیادہ دور نہیں ہے۔'' عورت بولی۔

دونوں پیدل چل پڑے راستہ بھر روشن خاموش رہا۔

وہ ایک مکان کے سامنے کھڑی ہو گئی اور بولی۔ ''یہی میرا گھر ہے۔''

روشن نے مکان پر نظر ڈالی نہایت خستہ حال مکان تھا غربت اور افلاس صاف نظر آتا تھا۔

''آ جاؤ اندر آ جاؤ۔'' وہ روشن کو لے کر ایک کمرے میں پہنچی ایک چارپائی پر ایک شخص لیٹا تھا بہت کمزور ہڈیوں کا پنجر اس کا چہرہ سوکھ کر بہت چھوٹا ہو گیا تھا۔ وہ زیادہ عمر کا نہیں تھا مگر بوڑھا نظر آتا تھا۔ روشن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا وہ جاگ رہا تھا آنکھیں کھول کر اس نے روشن کو دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ روشن نے اس کی چارپائی کے گرد تین چکر لگائے اور پھر بولا۔ ''لب ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ شام کو اس کو نرم غذا کھلا دینا۔ ضرورت پڑی تو میں پھر آ جاؤں گا۔'' اور روشن نے دو سو روپے عورت کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ ''یہ خیرات نہیں ہے قرض حسنہ ہے نہ دے سکو گی تو میں نے معاف کیا۔''

اس کے گھر سے نکل کر وہ سرائے نہیں گیا۔ اور آگے بڑھتا گیا۔ شہر کی حدود ختم ہو گئی مگر وہ رکا نہیں مین سڑک کو چھوڑ کر ایک عمارت بنی ہوئی تھی اس کا رخ ادھر ہی تھا۔ اس ایک منزل عمارت کا دروازہ بند تھا اور ایک آدمی اندر کی طرف بیٹھا تھا۔ روشن نے دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ دروازے کی کھڑکی پر آ گیا اور بولا۔ ''کیا بات ہے؟''

''دروازہ کھولو۔'' روشن نے کہا۔

''پرچی ہے کس اڈے کے ہو۔'' وہ بولا۔

''میں سب اڈوں کا ہوں تم دروازہ کھولتے ہو کہ نہیں۔'' روشن نے کہا۔

''اچھا سمجھ گیا جناب.....'' اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

''اس جگہ کا مالک کون ہے؟'' روشن نے پوچھا۔

''وہ سامنے نیلے رنگ کا دروازہ ہے۔ اس میں بیٹھا ہے۔'' وہ بولا۔

روشن اس طرف گیا دروازے کو دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ اندر ایک بڑی سی میز پر ایک آدمی بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ کمرے میں شراب کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ روشن اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ''کون ہو تم کس کام سے آئے ہو؟''

''مجھے تم سے کام ہے۔'' روشن نے کہا۔

''مال چاہئے تو میرے کسی آدمی کو کہہ دیتے۔'' وہ بولا۔

''مال کا میں کیا کروں گا میں کچھ پوچھنے آیا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''اچھا پوچھو میرے پاس وقت کم ہے۔'' وہ بولا۔

''باہر دروازے پر بورڈ لگا ہے گؤشالہ دھرم لال۔ مگر یہاں پر کوئی گؤ ماتا نہیں ہے اور دھرم لال کا بھی پتہ نہیں چلتا اور دھندہ شراب کا ہو رہا ہے یہ کیا ہے؟'' روشن نے کہا۔

''یہ وہ ہے جو تم نے دیکھا ہے۔ دھرم لال میں خود ہوں اور رہی گؤ ماتا تو وہ کسی قصائی کے کھونٹے پر ہو گی۔ تم کون ہو؟ مجھے یہ بتاؤ۔''

''میں اللہ کا بندہ ہوں، تم شراب پیو یا پلاؤ مجھے اس سے سروکار نہیں ہے۔ مگر تم نے ایک آدمی کو بیمار ڈال کے اچھا نہیں کیا۔'' روشن نے کہا۔

''تم کس کی بات کرتے ہو میرے مریض تو کئی ہیں۔'' وہ بولا۔

''میں تبسم کے آدمی کی بات کر رہا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''جو مجھ سے اڑی تڑی کرتا ہے اس کو میں گرو جی کے حوالے کر دیتا ہوں میرا کام نہیں کرتا تو نہ

کرے کسی اور کے قابل بھی نہیں چھوڑتا میرا نام دھرم لال ہے پورا بریلی جانتا ہے تو شاید نیا آیا ہے۔''
وہ بولا۔

''ہاں میں نیا ہوں تو جو کرتا ہے یہ اچھا کرتا ہے۔'' روشن نے پوچھا۔

''میرا آدمی لوٹ کر کسی اور کے پاس جائے گا میرے تو بہت سے راز لے جائے گا اور میری چھری میری ہی گردن پر نہیں چلے گی اس لئے میں اس کو ایسا رکھتا ہی نہیں۔'' وہ بولا۔

''تو نے کبھی سوچا کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی بچے ہیں۔ ماں، باپ ہیں وہ ان کا سہارا ہے اس کے بعد سب کا کیا ہوگا؟'' روشن نے پوچھا۔

''مجھے اتنی فرصت نہیں ہے میرے اپنے کام بہت ہیں۔'' دھرم لال نے کہا۔

''تجھے یہ سوچنا ہوگا، اگر نہیں سوچے گا تو یاد رکھو، ظالم زیادہ دن ظلم نہیں کر سکتا۔'' روشن نے کہا۔

''میں نے تیری بہت سن لی۔ اب پھوٹ لے اور سن پولیس کو رپورٹ کرا دے مگر میرا کچھ نہیں ہوگا۔ سب کے پیٹ بھر کر آخر میں کھاتا ہوں میں.....'' دھرم لال نے کہا۔

روشن پلٹ گیا۔ مگر رکا نہیں آگے ہی بڑھتا گیا۔ شہر دور رہ گیا تھا..... شام ہو رہی تھی۔ جنگل میں ایک مندر کے دھندلے نقوش واضح تھے۔ وہ سیدھا ادھر ہی جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دو، تین مکان بھی بنے ہوئے تھے۔ وہ سب سے بڑے اور زیادہ روشن مکان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دروازے پر دستک دی تو ایک دھوتی اور سلوکا میں ملبوس شخص نے دروازہ کھولا اور پوچھا۔ ''کیا بات کس سے ملنا ہے۔''

روشن نے کہا۔ ''تیرے گرو سے ملنا ہے۔''

''وہ نہیں ملیں گے جاپ پر بیٹھ گئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''تو ان کو بتا دے روشن آیا ہے۔'' روشن نے کہا۔

''میں اس کمرے میں نہیں جا سکتا جاپ بھنگ ہو جائے گا اور گرو تو مجھے کھا جائیں گے۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا.....

''میری ایک بات سن میں ابھی اور اسی وقت اس سے ملوں گا تو روکے گا تو بھی نہ رکوں گا اس لئے مجھے بتا کہ وہ کس کمرے میں ہے۔ میں ڈھونڈ تو لوں گا مگر پھر تیری خیریت نہیں ہوگی۔''

روشن نے اتنے رعب سے کہا کہ وہ ڈر گیا بولا۔ ''دور سے بتا دوں گا قریب نہیں جاؤں نہیں تو میرا نام لگے گا۔'' وہ بولا۔

''چل آگے۔'' روشن نے کہا۔

وہ گھر جتنا بڑا نظر آ رہا تھا اس سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ کئی کمروں کے بعد وہ ایک دروازے کے پاس رک گیا اور اشارے سے دروازہ دکھا دیا اور فوراً ہی پلٹ کر چلا گیا۔

روشن چند منٹ دروازے پر کھڑا کچھ پڑھتا رہا اور اس نے دروازے کو دھکا دیا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا ایک چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔

کمرہ بہت بڑا تھا مگر اس میں کسی قسم کا سامان نہیں تھا۔ درمیان میں ایک آدمی آسن جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے چاروں طرف صندل کا گول دائرہ تھا۔ سامنے ایک برتن میں کٹوری رکھی تھی وہ خون سے بھری ہوئی تھی۔ لوبان کی خوشبو کمرے میں بھری تھی اور دھواں بھی نظر آتا تھا اس ننگ دھڑنگ آدمی کے سامنے ایک بغیر جلی بڑی سی موم بتی تھی اس موم بتی کے چاروں طرف گیندے کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔

روشن اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تو اس کی نظر روشن پر پڑی تو اس کو ذرا سا تعجب ہوا اس کی آنکھیں سانپ کی آنکھوں سے مشابہت رکھتی تھیں روشن کو یوں لگا جیسے تاریکی میں بھی وہ دن کی روشنی کے مانند دیکھ رہا ہے روشن کو بھی ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ حالانکہ کمرے میں چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا پھر اس نے ہاتھ اٹھایا جیسے کہہ رہا ہو یہاں سے چلا جا، وہ اشارے سے نفرت بھرے انداز میں روشن کو بھاگ جانے کو کہہ رہا تھا۔ مگر وہ کھڑا تھا اس کا دھیان جاپ پر کم ہو رہا تھا روشن خاموش نظر آتا تھا مگر وہ بھی کچھ پڑھ رہا تھا۔ پھر روشن نے اپنے ہاتھوں پر پھونکا اور اپنا ہاتھ کنڈل کے اندر ڈال دیا ایک بہت زور کا ٹراخہ ہوا ایسا لگا جیسے کوئی بہت موٹی زنجیر ٹوٹ گئی ہو۔ سب کنڈل کے اندر رکھا سامان بکھر گیا اور ایک بھیانک آواز کمرے میں۔ ''گونجی کون ہے تو، تو نے میرا کنڈل توڑ ڈالا۔ میرا جاپ بھنگ کر ڈالا۔ تو نے تو مجھے کہیں کا نہیں رکھا مورکھ.....''

''مورکھ تو ہے انسان کو تکلیف دینے کو بیروں کا سہارا لیتا ہے کہیں لونا چماری کو بھیجتا ہے کہیں بربادی کرتا ہے کہیں بیماری کرتا ہے تجھے کس نے کہا تھا کہ تو بھیروں کا جاپ کر یہ سب جاپ بے کار ہیں تو کالی کو بلا لے پدما کو قابو کر لے یہ کالے کرتوت کا سلسلہ ہے تو کس کس کو پکڑے گا یہ سب لالچ ہے ایک کے بعد دوسرا لالچ، تو دوڑتا جائے گا اور شیطان تجھے جکڑتا جائے گا۔'' روشن نے کہا۔

''تو نے میری ساری محنت اور بھینٹ برباد کر دی ہے، تو جو بھی ہے اب اس کمرے سے باہر نہیں جائے گا۔''

وہ غصے بولا۔ ''تیری طاقت تو نے دیکھ لی۔ تیرا کنڈل تجھے نہیں بچا سکا اب بھی اونچا بول رہا ہے ذرا اپنا وزن کر لے میں تو ایک فقیر ہوں میرے پاس تو صرف ایک طاقت ہے میرے خدا کی.....''

روشن نے کہا۔

''میں دیکھتا ہوں تو کیسے جائے گا۔'' اور اس نے کچھ بدبدانا شروع کر دیا۔ مگر اس کو احساس نہیں ہوا کہ وہ خود زمین میں دھنستا جا رہا ہے اس نے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ چھت میں روشنی کا ایک شعلہ سا چمکا اور وہ شعلہ ایک کڑاکے کے ساتھ اس پر گرا جس طرح درخت پر بجلی گرتی ہے اس کے جسم میں آگ لگ گئی اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر وہ کمر تک زمین میں دھنس چکا تھا وہ آگ میں جل رہا تھا بھسم ہو رہا تھا چلا رہا تھا چیخ رہا تھا اپنے بدن کو زور زور سے پیٹ رہا تھا اور زمین میں کھونٹے کی طرح گڑا ہوا تھا۔ اس کا جسم جل کر کوئلہ ہو گیا پھر کوئلہ راکھ میں بدل گیا اور ایک تیز ہوا کا جھونکا اس راکھ کو اڑا کر لے گیا۔ اس کا جسم ہوا میں تحلیل ہوا۔ اس کی مدد اس کا کوئی بیر نہ کر سکا نور جیت گیا تاریکی کو ہارنا تھا وہ ہار گئی۔ دھرم لال جس پر پھولتا تھا وہ نہ رہا۔ روشن پلٹ کر واپس دھرم لال کے پاس آ گیا اور بولا۔ ''تیرا گرو تو گیا اب تو بول.....''

''ارے وہ جہاں بھی جائے میری سہائتا کرتا ہے۔'' وہ بولا۔

''پرلوک سے تو آنے سے رہا۔'' روشن نے کہا۔

''تو نے اسے مار دیا۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''اس کو اس کے غرور نے مارا ہے اس کی شکتی کے زعم نے مارا ہے۔ تو بتا اب اپنا دھندہ بند کرے گا یا چلائے گا۔'' روشن نے پوچھا۔

''اور کیا کروں گا۔ مجھے تو یہی دھندہ آتا ہے۔'' وہ بولا۔

''تو نے گوشالہ کا بورڈ لگایا ہے تو وہ کرے گا۔'' روشن نے کہا۔

''ارے اس میں کیا رکھا ہے۔'' وہ بولا۔

''تو انسانوں کی خدمت کر، بڑی شانتی ملے گی۔'' روشن نے کہا۔

''میں کیوں کروں کیا ضرورت پڑی ہے مجھے۔'' وہ بولا۔

''دھرم لال میں تجھے رعایت دے رہا تھا مگر لگتا ہے تیرا من شراب پی پی کر اور بیچ کر کالا ہو گیا ہے دیکھ تیرے بدن پر چیونٹیاں چڑھ رہی ہیں۔'' روشن نے کہا۔

اور پھر وہ زمین پر پڑا تھا۔ شراب اس کے چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔ اور پھر نہ جانے کس طرح ایک چنگاری اڑتی ہوئی آئی اور پھر وہاں کچھ نہ تھا۔ بریلی کا مشہور آدمی نہ جانے کہاں چلا گیا اور روشن سرائے آ گیا۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ اپنا سپاہی بناتا ہے ان کی کڑی آزمائش ہوتی ہے پھر یہ مقام ملتا

ہے برائی کو ختم کرنے والوں کا بہت اعلیٰ مقام ہوتا ہے بدی کو ختم کرنے والے ہر زمانے میں ہوتے ہیں وہ معرفت والے ہوتے ہیں خود کو پوشیدہ رکھ کر وہ کام کرتے ہیں۔ اس کائنات کو چلانے کا جو سسٹم رب کائنات نے بنایا ہے وہ بڑا جامع ہے بڑا ایبلنس ہے اس میں جہاں برائی بڑھتی ہے وہیں پر کچھ آفت آتی ہے برائی خود بخود مر جاتی ہے۔ ہزاروں لوگ سمندری طوفان اور پہاڑی طوفانوں کی نذر ہو جاتے ہیں ذرا غور کریں اس میں خدا کی کیا مصلحت تھی۔ کیوں ایسا ہوا۔ انسان میں بھولنے کی بیماری بڑی قدیم ہے وہ بہت جلد بھول جاتا ہے عبرت نہیں پکڑتا۔ جب سر پر چھت گرتی ہے تو بھاگتا ہے اور پھر بھول جاتا ہے یہ ہے انسان۔

☆.....☆.....☆

روشن بمبئی روانہ ہو گیا۔ اس کا حلیہ وہی تھا۔ راجیش اس کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کچھ دیر اس کو دیکھتا رہا پھر بولا..... ''روشن تم، یہ تم روشن ہی ہو نا۔''

''ہاں ماما میں آپ کا روشن ہی ہوں۔'' روشن نے جواب دیا۔

''تم کتنے بدل گئے، تم کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ تم انگلینڈ میں پڑھے پلے ہو۔'' راجیش بولا۔

''ماما یہ خوبی ہو گی کہ خامی کہلائے گی یہ تو بتا دو۔'' روشن نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے لگتا ہے تیرا لندن جانے کا اب پروگرام نہیں ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''اگر میں پینٹ کوٹ پہن کر نہ جاؤں، اپنے اسی ہندوستانی لباس میں جاؤں تو کیا مجھے وہ لوگ واپس کر دیں گے۔'' روشن نے پوچھا۔

''واپس کون کر سکتا ہے تم چاہے لنگوٹی پہن کر جاؤ۔'' راجیش بولا۔

''خیر اس طرح تو میں نہیں جاؤں گا۔'' روشن ہنسنے لگا۔

''آؤ دفتر چلو RP چلتے ہیں جیجا جی کو فون بھی کرنا ہے وہ تمہاری وجہ سے بڑے فکر میں تھے۔'' راجیش نے کہا۔

''میں نے ان کو فون کر دیا تھا اب فکر میں نہیں ہیں۔'' روشن نے کہا۔

''آپ نے وہ فقیر دیکھا جو دادر کے چوراہے پر پڑا ہے۔'' روشن نے پوچھا۔

''ہاں وہ کون ہے بڑا قابل رحم لگتا ہے۔'' راجیش بولا۔

''وہ پنڈت پروفیسر رام سنگھ ہے۔'' روشن نے کہا۔

''ارے کیا واقعی! اس کا یہ حشر کس طرح ہو گیا۔'' راجیش بولا.....

''اس کے کرتوت ایسے تھے کہ اس سے کم اس کو کیا سزا ہوتی۔'' روشن نے کہا۔

''ارے وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کس نے اس کو اس حال میں پہنچایا۔'' راجیش بولا۔

''جس نے اس کائنات کو بنایا ہے وہ ایک حد تک رسی ڈھیلی کرتا ہے انسان بہت کودتا ہے۔ بہت اپنی مرضی کرتا ہے پھر وہ انسان کو انسان بھی نہیں سمجھتا ہے پھر بھی قدرت اس کو موقعہ دیتی ہے قدرت کسی کو اذیت میں مبتلا نہیں کرتی انسانی خود اپنی لائی ہوئی مصیبت میں پھنس جاتا ہے اور اس کا وہی حال ہوتا ہے جو پنڈت کا ہوا۔''

''تم بہت بدل گئے ہو روشن، تمہاری باتیں بڑی نپی تلی ہیں۔'' راجیش نے کہا۔

''ماما ایک بات کہوں پہلے آپ وعدہ کریں برا نہیں مانیں گے۔'' روشن نے کہا۔

''آپ، آپ تم نے کیا لگائی ہے تو میرا بیٹا ہے تو کنول کا پیارا ہے میں برا کس طرح مانوں گا۔''

''ماما میں پرہیزی کھانا کھاتا ہوں آپ کے پاس رہوں گا تو بھی پرہیزی کھاؤں گا۔'' روشن نے کہا۔

''کیوں کیا تم بیمار ہو جو پرہیزی کھاتے ہو؟'' راجیش بولا۔

''آپ یہی سمجھ لیں۔'' روشن نے کہا۔

''سمجھ لیں کیا مطلب نظر تو ٹھیک آتے ہو۔'' راجیش بولا۔

''ماما کچھ بیماریاں نظر نہیں آتیں۔'' روشن نے کہا۔

''میں بڑے سے بڑے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا فکر کیوں کرتا ہے؟'' راجیش بولا۔

''ماما میں ایسا بیمار نہیں ہوں کہ ڈاکٹروں سے علاج کرواؤں میرا علاج صرف پرہیز ہے۔'' روشن بولا۔

''چلو ٹھیک ہے، کچن میں کہہ دیتا ہوں اور کچھ.....'' راجیش بولا۔

''ہاں اور کچھ ہے، کھانا پکانے والا میں رکھوں گا۔'' روشن بولا۔

''اور آگے بول الگ سے بیٹھ کر کھاؤ گے۔'' راجیش نے کہا۔

''نہیں بیٹھ کر تو ساتھ کھاؤں گا۔'' روشن بولا۔

''میں تیری خوشی میں خوش ہوں۔'' راجیش بولا۔

''آپ ناراض تو نہیں ہیں۔'' روشن نے پوچھا۔

''تو اپنے باپ کی طرح بولنے لگا ہے۔ اس کے کردار نے مجھے کردار کی اہمیت کا اندازہ کرایا تھا تو اب پتہ نہیں کون سا سبق مجھے پڑھائے گا۔'' راجیش ہنس کر بولا۔

''آیئے دفتر چلتے ہیں ڈیوٹی سے ہیلو ہیلو کریں گے۔'' روشن بولا۔

''آؤ پھر چلتے ہیں۔'' اور دونوں روانہ ہو گئے۔

دوسرے دن روشن پونا چلا گیا۔ اس کا لباس وہی تھا۔ موہن لال لوہے کا کاروبار کرتے تھے ان کے بعد ان کا لڑکا دینا لال سب کاروبار کر رہا تھا۔ روشن نے اس کے دفتر میں دینا لال سے ملاقات کی۔ ''آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' دینا لال بولا۔

''میں اور آپ زندگی میں پہلی دفعہ مل رہے ہیں۔'' روشن نے کہا۔

''تو پھر اپنا تعارف تو کرا دیں۔'' دینا بولا۔

''میرا نام روشن ہے میں کنول اور حیدر کی اولاد ہوں۔ زیادہ تر لندن میں رہا ہوں اس لئے یہاں پر لوگ کم جانتے ہیں۔'' روشن نے کہا۔

''حیدر وہی ناجس کو راجن بنانے کا بیڑا میرے پتا اور بھگوان داس نے اٹھایا تھا اور کروڑوں روپیہ برباد کر دیا تھا۔'' دینا بولا۔

''ہاں میں اسی حیدر کا بیٹا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''بات بہت پرانی ہو گئی تمہاری ماتا کا کیا حال ہے۔'' دینا نے پوچھا۔

''وہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔'' روشن بولا۔

''بہت افسوس ہوا اور پتا جی تو ٹھیک ہیں۔'' وہ بولا۔

''ہاں وہ لندن میں ہیں ٹھیک ہیں۔'' روشن بولا۔

''میں آپ سے اگر پوچھوں کہ آج آپ کو میرا خیال کس طرح آ گیا تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔'' دینا بولا۔

''آپ نے یہ سوال دیر سے کیا میرا تو خیال تھا آپ پہلا سوال یہی کریں گے۔'' روشن نے کہا۔

''چلئے دیر سے خیال آیا لیکن آیا تو۔'' دینا لال بولا۔

''میرے ذہن میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کی وضاحت نہیں ہوئی شاید آپ کچھ مدد کر سکیں اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''میں مدد کر سکا تو مجھے خوشی ہو گی۔'' دینا نے کہا۔

''میرے والد کو راجن بنانے یا ثابت کرنے میں موہن لال جی کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ ان کے پاس سارے ثبوت تھے فوٹو تھے اور شاید کچھ بچپن کی باتیں تھیں۔ کیا واقعی میرا باپ راجن جیسا ہی تھا کیا دونوں کی شکلیں ایک جیسی تھیں۔'' روشن نے پوچھا۔

''روشن جی میرا خیال ہے اب اس پرانی بات کو دفن ہی رہنے دیں تو اچھا ہے۔'' دینا بولا۔

''میں کسی کو بتانے نہیں جارہا ہوں۔ یہ صرف میں اپنی تسلی کو کررہا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''اصل بات یہ ہے کہ حیدر کو راجن بنایا گیا تھا راجن کی کوئی تصویر پتا جی کے پاس نہیں تھی۔ بھگوان داس ان کے پرانے متر تھے وہ جب کراچی سے آئے تو انہوں نے چاندنی والی کتھا سنائی اور دونوں نے پلان بنالیا۔ کنول حیدر کو کراچی سے لائے گی اور وہ بمبئی میں بھگوان داس کے پاس رہے گا اور اس کے فوٹو بنائے جائیں گے اور پھر ان کو ضرورت کے مطابق استعمال کیا جائے گا ان کو پرانا ظاہر کرنے کو ایک کیمیکل استعمال کیا گیا تھا زیادہ تر فوٹو جوڑ کر بنائے گئے تھے مگر کام اتنی مہارت اور صفائی سے کیا گیا تھا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔''

''یہ کام کس نے کیا تھا۔'' روشن نے پوچھا۔

''فلم اسٹوڈیو میں ایک فوٹو گرافر تھا اس کا نام رام سنگھ تھا پتہ نہیں زندہ ہے کہ مر گیا۔ اگر وہ مر گیا ہے تو شاید میری بات کی صداقت ثابت نہ ہو سکے۔'' دینا بولا۔

''اللہ مالک ہے تم نے بتا دیا یہی مہربانی کیا کم ہے۔'' روشن نے کہا۔

''روشن جی میں تو پتا جی کے اس پلان کے ہی خلاف تھا مگر کیا کرتا ان کے آگے کچھ کر نہیں سکتا تھا مگر میں نے کبھی اس معاملے میں دلچسپی نہیں لی اور نہ حصہ لیا۔'' دینا بولا۔

''تم نے کیا اندازہ لگایا میری ماں کیا اس پروگرام میں شامل تھی۔''

''بھگوان داس اور راجیش یہ دونوں تو راجن بنانے کے چکر میں تھے مگر میں بغیر کسی ثبوت کے تمہاری ماتا کو ملوث کرنا نہیں چاہتا۔'' دینا نے کہا۔

''آپ نے تو اس وقت کے حالات کو دیکھا ہے آپ کے اندازے کیا ہیں۔'' روشن نے کہا۔

''میرا اندازہ ہے کنول کو سب پتہ تھا فلم کمپنی کے بنانے کے بعد حیدر نے جو کچھ کیا وہ ایک محبت کرنے والی عورت برداشت نہیں کر سکتی تھی مگر چونکہ وہ اس پلان سے واقف تھی اس کو پتہ تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسکرپٹ کے مطابق ہے تو وہ خاموش تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہیرو آخری ریل میں میرا ہی ہوگا کہانی ہی اس طرح بنائی گئی تھی۔''

''اور راجیش کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔'' روشن نے کہا۔

''راجیش تو شروع دن سے اس پروگرام میں شامل تھا۔ مگر جیسے جیسے بات آگے چلتی گئی وہ حیدر کے کردار سے متاثر ہوتا گیا بمبئی میں حیدر نے جو کیا وہ پنڈت نے اس سے کروایا تھا اس نے حیدر کے دماغ کو باندھ دیا تھا حیدر کی سوچ اپنی نہیں تھی جو وہ کرتا تھا اس میں اس کی مرضی شامل نہیں تھی راجیش کو بھی یہ بات پتہ تھی اور کنول بھی جانتی تھی شاید اسی لئے دونوں نے درگزر کیا تھا۔''

''راجیش حیدر کی کس بات سے متاثر تھا۔'' روشن نے پوچھا۔

''حیدر کی ایمان داری اور کردار کی پختگی نے اس کو متاثر کیا تھا اس نے کئی دفعہ مجھ سے اس کا ذکر کیا تھا۔''

''اور پھر بھی وہ پروگرام میں شامل رہا۔'' روشن نے پوچھا۔

''اس کی پہلی وجہ بھگوان داس دوسری وجہ پنڈت تھے۔ وہ اگر بھگوان داس کو اس پلان سے الگ بھی کر لیتا تو بھی پنڈت کے پاس کچھ ایسا تھا کہ وہ دونوں کو پھانس لیتا اور اس کی لپیٹ میں میرے پتا بھی آجاتے۔ اب صرف ایک راستہ تھا کہ راجن کے ڈرامے کو پورا کیا جائے۔ مگر ایک کام اسکرپٹ سے ہٹ کر ہو گیا حیدر دلی چلا گیا اور اس نے کنول سے شادی کر لی۔ اب بھگوان داس اور راجیش سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ مگر راجیش نے کنول کی مخالفت نہیں کی کیوں کہ وہ دونوں کے کردار سے بہت متاثر تھا۔'' دینا بولا۔

''مگر پلان تو پھر بھی آگے نہیں بڑھا۔'' روشن نے پوچھا۔

''اس لئے کہ حیدر کو ایک پولیس آفیسر نے کراچی پہنچا دیا تھا۔'' اس نے کہا۔

''اچھا دینا لال جی آپ نے میری معلومات میں بہت اضافہ کیا ہے میں آپ کا شکر گزار ہوں زندگی رہی تو شاید پھر ملاقات کروں۔'' روشن نے کہا۔

''میں نے آپ کے ہر سوال کا جواب ایمانداری سے جو کچھ تھا دیا ہے اپنی طرف سے زیب داستان نہیں سنائی یا دداشت میں جو کچھ تھا بتایا ہے مگر آپ کے متعلق میرے من میں بھی کچھ سوالات ہیں اگر اجازت ہو تو پوچھوں۔''

''ضرور پوچھیں۔'' روشن نے کہا۔

''میری معلومات کے مطابق R.P کا لندن اور دبئی میں بہت بڑا کاروبار ہے اور اس کے مالک آپ ہیں اس کے علاوہ بمبئی میں R.P میں بھی شیئرز ہیں۔ آپ کی زندگی لندن میں گزری ہے مگر میں آپ کو دیکھ کر حیران ہوں کہ صرف ایک کرتہ اور پاجامہ اتنا بڑا آدمی کروڑوں کا مالک اور اتنا سادہ حیرت ہے۔ کون آپ کو دیکھ کر یقین کرے گا؟'' دینا نے کہا۔

روشن کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ بولا۔ ''دینا لال جی، زندہ رہنے کو صرف دو روٹی اور پانی کی ضرورت ہے انسان، سونا، چاندی جمع کرتا ہے مگر کھا نہیں سکتا۔ محل بناتا ہے مگر ساتھ نہیں لے جاتا۔ وہ چیزیں جو دنیا میں رہ جانی ہیں ان کو جمع کرنے کا شوق کیوں ہم کو ان کی طرف توجہ دینی چاہئے جو ہمارے ساتھ جائیں گی۔ بات صرف اتنی ہی ہے انسان کی سمجھ کی ہے۔ میں نے آپ کا بہت وقت

لیا ہے۔ آپ کا شکریہ۔"

اور دینا لال کو حیران چھوڑ کر روشن واپس روانہ ہو گیا اور بمبئی آ گیا۔ دوسرے دن وہ فلم اسٹوڈیو کے دروازے پر تھا۔ "میرا نام روشن ہے مجھے رام سنگھ فوٹو گرافر سے ملنا ہے۔" اس نے گیٹ پر پوچھا۔

"رام سنگھ فوٹو گرافر اس نام کا تو کوئی فوٹو گرافر یہاں نہیں ہے۔" جواب ملا۔

"ہو سکتا ہے وہ ریٹائر ہو گیا ہو۔ بہت عرصہ کے بعد میں آیا ہوں آپ ذرا سی تکلیف کریں کوئی پرانا آدمی ہو تو اس سے پتہ کریں رام سنگھ فوٹو گرافر ہوا کرتا تھا۔" روشن نے کہا۔

"آپ انتظار کریں میں ایک بہت پرانے آدمی کو بلاتا ہوں۔" اور پھر اس نے کسی کو کہا لیبارٹری میں ایرانی ہو گا اس کو بلا کر لے آ۔ وہ آدمی چلا گیا تو وہ بولا۔ "یہ سب سے پرانا آدمی ہے اس کو ضرور پتا ہو گا۔" کچھ ہی دیر میں اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی آ گیا۔

"آؤ ایرانی بابا....." کاؤنٹر والے نے کہا۔

"کیا کام ہے بولو نا؟" ایرانی نے پوچھا۔

"بابا کسی زمانے میں ایک فوٹو گرافر ہوا کرتا تھا اس کا نام رام سنگھ تھا یہ صاحب اس کی تلاش میں آئے ہیں تم کو تو اس کے بارے میں ضرور پتہ ہو گا۔"

ایرانی بابا نے کچھ دیر سر پر ہاتھ رکھ کر سوچا اور پھر بولا۔ "ہاں اس نام کا ہوا کرتا تھا پرانا ہنر مند تھا اسٹیل کام کا ماہر تھا۔"

"میں اس سے ملاقات کر سکتا ہوں۔" روشن نے پوچھا۔

"ملاقات کر و بر و بر کر وہ ورلی میں رہتا ہے ادھر جانا پڑیں گا۔" بابا ایرانی بولا۔

"مجھے اس کا پتہ بتاؤ میں جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"ابھی ہم کو اس کا کھولی نمبر یاد نہیں ہے کیا بتائے۔" وہ بولا.....

"آپ نے اس کا گھر دیکھا ہے۔" روشن نے پوچھا۔

"دیکھا ہے بر و بر دیکھا ہے۔" وہ بولا۔

"آپ میرے ساتھ چلو، گاڑی میں لے جاؤں گا اور واپس بھی چھوڑ جاؤں گا۔" روشن بولا۔

"ایسا ہے تو ٹھیک ہے ہم چلتا ہے۔"

روشن نے کاؤنٹر والے کا شکریہ ادا کیا اور بابا ایرانی کے ساتھ ورلی روانہ ہو گیا۔ ورلی میں بابا ایرانی نے ایک بہت پرانی بلڈنگ کے سامنے گاڑی رکوائی اور بولا۔ "دوسرے مالے پر الٹے ہاتھ مڑو گے تو تیسرا کھولی اس کا ہے۔"

"آپ گاڑی میں آرام کرو میں جلدی آتا ہوں۔"

اور روشن دوسری منزل کے تیسری کھولی کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اندر کسی کے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی روشن نے دروازے پر دستک دی تو کسی نے پوچھا۔ "کون ہے؟" روشن نے کہا۔ "ضروری کام ہے دروازہ کھولو۔"

دروازہ کھل گیا اس کے سامنے ایک بہت بوڑھا آدمی کھڑا تھا اس کے سارے بال سفید تھے ہاتھوں میں ریشہ تھا اور چشمہ آنکھوں پر لگا ہوا تھا۔ "مجھے رام سنگھ سے ملنا ہے۔" روشن نے کہا۔

بوڑھے نے حیرت سے اس کو دیکھا اور کہا۔ "مل لو میں ہی ہوں۔"

"دو چار منٹ بات کرنی ہے۔" روشن نے کہا۔

"تو پھر اندر آ جاؤ۔" رام سنگھ بولا۔

"میرا نام روشن ہے آپ مجھے نہیں جانتے کچھ معلومات کرنی ہیں اجازت ہو تو پوچھ لوں۔" روشن نے کہا۔

"خوب پوچھو۔" وہ بولا.....

"آپ نے کسی وقت کسی کے فوٹو جوڑے تھے ان کو اصلی بنایا تھا شادی کے فوٹو بنائے تھے بمبئی میں فوٹو کھینچے گئے تھے اور ان کو پرانے بھی بنایا گیا تھا یہ کام تم نے کیا تھا۔" روشن بولا۔

"بہت پرانی بات ہے میں نے ہی وہ کام کیا تھا۔ ابھی اس آخری دور میں ہم جھوٹ نہیں بولے گا اس کا ہم کو اتنا پیسہ ملا تھا جتنا پورا فلم کا ملتا تھا۔" رام سنگھ بولا۔

"وہ سب جھوٹ تھا۔" روشن بولا۔

"ہاں بابا جھوٹ تھا ایک آدمی ہمارا پاس آیا تھا بولا ایک ڈرامہ کرنا ہے اگر چل گیا تو اور بھی ملے گا فوٹو ایسا جوڑو کہ اصلی کے مافق ہو جائے اور پرانا بھی لگے۔ یہ کام تو ہمارا تھا ہی ہم نے کر دیا بس....." رام سنگھ بولا۔

"بس بابا آپ کی بڑی مہربانی....." اور روشن واپس آ گیا۔

☆.....☆.....☆

"ماما جی آپ نے بڑی اچھی اچھی کہانیوں پر فلمیں بنائی ہیں۔ آپ تو بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہر کہانی کی کچھ نہ کچھ بنیاد ہوتی ہے پھر اس میں رنگ آمیزی کے لیے محبت، خوف، پریشانی، خوشی ڈالی جاتی ہے مگر سب کا ایک پس منظر دکھانا ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کی الجھنیں مختلف صورتیں رکھتی ہے۔ مگر کہانی میں ربط ہونا ضروری ہے بلاوجہ کسی کردار کو کم یا زیادہ نہیں کر سکتے اور اگر کر دیا تو فلم

فیل ہو جائے گی اور سرمایہ ڈوب جائے گا۔'' روشن نے کہا۔

''کیا ارادہ ہے کوئی کہانی ذہن میں آئی ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''ایک کہانی آپ نے اور سورگباشی آپ کے پتا نے شروع کی تھی وہ ادھوری پڑی ہے۔'' روشن نے سنجیدگی سے کہا۔

راجیش نے روشن کا بے حد سنجیدہ لہجہ اور چہرہ دیکھا اور بولا۔ ''روشن اتنا زیادہ پریشر میں بات نہ کرو مجھے تمہاری سنجیدگی سے ڈر لگتا ہے۔''

''نہ میں پریشر میں بات کر رہا ہوں نا آپ سے جواب طلبی کر رہا ہوں۔ میں نے جو معلومات کرنی تھی وہ میں کر چکا ہوں۔ دینا لال موہن لال کے لڑکے اور فوٹو گرافر رام سنگھ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے میں اپنے باپ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ میں اس راز کو جاننا چاہتا تھا یہ میری ضد اور میری فطرت کا ایک حصہ تھا۔ میری فطرت بہتر طور مجھے تمام احساسات پر حاوی کرتی ہے۔'' روشن نے کہا۔

''اب باقی کیا بچا ہے؟'' راجیش نے پوچھا۔

''راجن کا کردار ذہن کی پیداوار تھا یا کوئی راجن تھا۔'' روشن نے کہا۔

''راجن کراچی کا رہنے والا تھا اور بہت بڑا اوڈیرہ تھا۔ اس کا باپ بہت ہوشیار آدمی تھا کراچی میں رہتا تھا اس نے بہت پہلے بھانپ لیا تھا کہ پاکستان بنے گا کوئی سوچ نہیں سکتا تھا وہ اس وقت بھی جانتا تھا اس نے اپنا سرمایہ بمبئی اور دلی منتقل کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ اس کا اندازہ تھا یہ دو شہر ضرور ہندوستان میں رہیں گے۔ کراچی پاکستان میں ہوگا وہ یہ بھی جانتا تھا اس نے بڑی ہوشیاری سے انڈیا کے علاقے میں کاروبار کو پھیلایا اس کا ایک ہی لڑکا تھا، اس کی شادی چاندنی نام کی لڑکی سے کر دی۔ مگر یہ دونوں ایک حادثے میں مر گئے۔ پتا جی کو پوری کہانی پتہ تھی پہلے انہوں نے کنول کو چاندنی کا روپ دیا اور پھر حیدر کی طرف اس کا جھکاؤ دیکھا تو حیدر کو راجن بنانے کا پروگرام بنایا گیا۔'' راجیش نے کہا تو روشن نے سوال کیا۔

''آخر اس کی کیا وجہ تھی کہ حیدر کو ہی راجن بنانے کو چنا گیا دوسرا سوال یہ کہ کنول تو چاندنی کے روپ میں ہی کراچی آئی تھی۔''

''کنول چاندنی کے روپ میں کراچی نہیں آئی تھی وہ کنول ہی تھی یہ صرف ایک ڈرامہ تھا پتا جی نے حقیقت کا رنگ بھرنے کو اس کو چاندنی بنایا تھا۔ وہ کراچی میں ایک پلاننگ کے تحت لائی گئی تھی اس کو اور پتا جی کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو ان کے مطلب کا ہو، یعنی غریب ہو، لاوارث ہو اور سیدھا سادا ہو۔ حیدر سے کنول نے پورے پروگرام کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ اس وقت پتا جی کراچی میں ہی

تھے وہ بمبئی نہیں آئے۔ حیدر کے بارے میں وہ پوری چھان بین کر چکے تھے۔ حیدر ان کے ڈرامے میں ہیرو بننے کی پوری قابلیت رکھتا تھا۔ پتا جی کا اشارہ ملتے ہی کنول نے اپنا کام شروع کر دیا اور وہ حیدر سے ملاقات کرنے لگی اور جب حیدر کنول کے فلیٹ میں آ گیا تو پتا جی بمبئی آ گئے اور یہاں پر تیاری شروع کر دی مگر یہ کام بڑا تھا اس میں کسی کو شریک کرنا ضروری تھا۔ اور موہن لال کو شامل کیا گیا۔ حیدر مذہبی طور پر بہت مضبوط ثابت ہوا دوسرے اس کے کردار کی مضبوطی پتا جی کے آڑے آ رہی تھی کنول نے اور پتا جی نے بڑی کوشش کی اس کو ہر طرح کی آزادی دی مگر وہ اپنی جگہ چٹان کی مانند تھا اس نے کبھی کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں کی۔

پتا جی اور کنول کے پاس اس کا بدل نہیں تھا موہن لال بھی کچھ نہ کر سکے تو پھر پنڈت پروفیسر رام سنگھ کی خدمات حاصل کیں گئیں۔ اس کو بنارس سے بلایا گیا وہ ایک پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس کے ساتھ وہ ٹیلی پیتھی کا بھی ماہر تھا اس نے حیدر کے دماغ کو کنٹرول کیا اور وہ فلمی دنیا کی رنگینی میں پھنس گیا۔ پتا جی کو اس کی ہی ضرورت تھی اور پھر اس کو راجن کے روپ میں ڈھالا جانے لگا اور راجن سیٹھ کے طور پر اس کی مشہوری کی گئی اس کے بارے میں پورے پورے اور بڑے بڑے اشتہارات دیئے گئے لاکھوں روپیہ اس کام پر لگایا گیا دوسری طرف قانونی کارروائی بھی کرنے کی تیاری کی گئی۔ گردھاری ٹرسٹ کے لوگ بھی راجن کے پاس آنے لگے اور ہماری پارٹی کی منزل قریب آنے لگی حیدر بمبئی سے دلی چلا گیا اور کنول کو بھی لے گیا۔ پنڈت کی گرفت کمزور پڑ گئی اور اس نے کنول سے دلی کورٹ میں سول میرج کر لی۔

کنول یہ ڈرامہ کرتے کرتے حیدر کی شخصیت سے متاثر ہو گئی تھی۔ شادی کرنا ڈرامہ میں شامل نہ تھا مگر پتا جی اور میں حیدر کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اب ڈراپ سین ہونے والا تھا۔ دوسرے کنول نے کہہ دیا تھا کہ میں حیدر کی بیوی ہوں میں اس کا ساتھ دوں گی۔ ہم جلد از جلد کھیل ختم کرنا چاہتے تھے کیونکہ پنڈت کے مطالبات بڑھتے جا رہے تھے اس سے بگاڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ میں بڑی بڑی باتیں بتا رہا ہوں اور وہی بتا رہا ہوں جو کچھ حقیقت ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں اور نہ کسی کی وکالت کر رہا ہوں۔ مگر یہ سارا کھیل ختم ہو گیا اور حیدر پاکستان چلا گیا۔ تم اس وقت بہت چھوٹے تھے پتا جی اور موہن لال کا سرمایہ ڈوب گیا۔ پنڈت تو اپنا معاوضہ لے چکا تھا۔'' راجیش نے بات پوری کی۔ ''اس کے بعد کے حالات ماتا جی نے مجھے بتائے ہیں۔ انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کیا ہے مگر میرے باپ کے کردار پر انگلی نہیں رکھی۔'' روشن نے کہا۔

''میں نے کب کہا کہ حیدر کا کردار کمزور تھا۔ وہ ایک بہت اعلیٰ درجے کا انسان تھا، سب اس کو استعمال کر رہے تھے وہ جانتا تھا ہماری ضرورت اور کمزوریوں سے بھی واقف تھا مگر اس نے اس سے

فائدہ اٹھانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ R.P بھی میں نے بنائی نام اس کا استعمال کیا۔

اس کے نام پر کمپنی کی بنیاد رکھی گئی اس کے نام کے ذریعہ کمپنی کو فنانسر ملے اور بڑی پروڈکشن ہوئی مگر اس نے کبھی ایک روپیہ اس کمپنی سے نہیں لیا سب کچھ میرے حوالے کر دیا، ایسا آدمی اس زمانے میں حیرت کی بات ہے۔'' راجیش نے کہا۔

''ماما آپ کے لئے تو واقعی بہت زیادہ حیرت کی بات ہے کیونکہ آپ کے معاشرے میں ہر چیز کو پرکھنے کی صرف ایک ہی کسوٹی ہے اور وہ ہے دولت.....'' روشن نے کہا۔

''تم ہمارے معاشرے کو ہی الزام نہ دو یہ زمانہ بڑی تیزی سے رنگ بدل رہا ہے اس کے ساتھ وہی لوگ چل سکتے ہیں جو شارپ مائنڈ اور دولت رکھتے ہوں بھاگ دوڑ کا دور ہے۔ ہر آدمی بھاگ رہا ہے وہ کہنیاں مار تا دھکے دیتا بھاگ رہا ہے اس بھاگ دوڑ میں جو گر گیا وہ پھر اٹھ نہیں سکتا۔'' راجیش نے کہا۔

''تو پھر یہ بتائیں وہ پولیس آفیسر کون تھا جس نے ڈیڈی کو بمبئی سے صاف نکال دیا۔''

''یہ میں کیا بتاؤں شکلہ جیسا پولیس آفیسر اس راز کو نہیں کھول سکا۔'' راجیش نے کہا۔

''آپ شاید میری بات کو نہ سمجھ سکیں مگر یہ حقیقت ہے کہ روشنی اور تاریکی، نیکی اور بدی کی ترجمان ہیں دنیا کے تمام مذاہب میں یہ بنیادی عقیدہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے کہ نیکی اور بدی کی کشمکش ہمیشہ سے ہے اور رہے گی۔''

''میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہاری بات سمجھ سکوں۔'' راجیش نے کہا۔

''انسان کیا چاہتا ہے۔ محبت، دولت شہرت اور طاقت، انسان کے دل میں یہی خواہشیں ہوتی ہیں..... یہ خواہشیں دراصل ان چیزوں کا عکس ہوتی ہیں جو اس میں ودیعت ہوتی ہے۔ یہ تمام پوری ہو سکتی ہیں بشرطیکہ یہ اتنی متبرک و مقدس ہو کہ نجس انسان کے چھو جانے سے ناپاک نہ ہو جائے انسان کا کردار بہت اہم ہے با کردار آگے چاہے تو بہت کچھ پا سکتا ہے مگر وہ کبھی نہیں چاہتا یہی اس کے کردار کی بلندی ہے قدرت اس کو بے آسرا نہیں رکھتی نظر نہ آنے والے سہارے اس کے آس پاس ہوتے ہیں اور ضرورت پر کام کرتے ہیں۔ میں اپنے باپ کے مقابلے میں بہت کمزور ہوں۔'' روشن نے کہا۔

راجیش بولا۔ ''نہیں تم کمزور تو نہیں لگتے ہر چیز تمہاری دسترس میں ہے۔''

''نہیں ماما میں کمزور ہوں ابھی میری منزل دور ہے ایک چھوٹا سا پڑاؤ یہاں پر تھا اب آگے جانا ہے بہت کچھ کرنا باقی ہے آگے کے بارے میں، میں کچھ خبر نہیں رکھتا جس طرح اچانک آیا تھا اسی طرح چلا جاؤں تو پریشان نہ ہوتا۔''

☆.....☆.....☆

میں دفتر آیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی ریسیور اٹھا کر میں نے پوچھا۔ ''کون ہے؟''

جواب ملا۔ ''میں روشن ہوں ڈیڈی.....''

''کہاں ہو بیٹا؟ کیسے ہو؟ بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''ابھی تو بمبئی سے بول رہا ہوں۔'' روشن نے کہا۔

''کیا کہیں جا رہے ہو۔'' حیدر نے پوچھا۔

''مسافر ہوں کہیں بھی جا سکتا ہوں حکم کی پابندی کرنا ہے۔ آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔'' روشن نے کہا۔

''تو کروا جازت کی کیا ضرورت ہے.....'' حیدر نے کہا۔

''ڈیڈی جی کاروبار میرے نام سے لندن اور دوبئی میں ہو رہا ہے وہ حرام ہے۔ میرا نام اس میں سے الگ کر دیں، ماما کو میں نے کہنا چاہا مگر نہیں کہہ سکا کیونکہ شاید وہ میری بات سمجھ نہ پاتے۔ دوسرے ان کے خلوص نے میری زبان بند کر دی یہ کام آپ کریں گے۔'' روشن نے کہا۔

''میں تم کو کچھ کچھ سمجھ گیا ہوں، میں یہ کام کر لوں گا، مجھ سے ملاقات کب کرو گے۔'' حیدر نے پوچھا۔

''آپ جب لندن سے ہو کر کراچی پہنچ جائیں گے تو میں کراچی آپ کے پاس آ جاؤں گا۔''

میں نے راجیش کو فوراً لندن بلایا اور کہا۔ ''راجیش تم نے یہ کاروبار اپنے بھانجے کے لئے شروع کیا تھا مگر وہ اب کبھی لندن نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس کو اب کسی کاروبار سے دلچسپی نہیں رہی۔ میں بھی زیادہ عرصہ کراچی سے باہر نہیں رہ سکتا واپس جانا چاہتا ہوں اکبر اور رضیہ کا اصرار بڑھ رہا ہے۔ تم اس کاروبار کو جاری رکھنا چاہتے ہو تو ضرور رکھو مگر روشن کا نام اس سے خارج کر دو اور اپنا نام شامل کر لو۔ یہ روشن کی خواہش ہے۔'' حیدر نے کہا۔

''روشن کے نام پر چلتا رہے تو روشن کا کیا نقصان ہے۔'' راجیش بولا۔

''ہم سے بہتر روشن جانتا ہے میں کیا جواب دوں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں اس کی خواہش کا احترام کرتا ہوں مگر میری سمجھ میں بات آئی نہیں ہے۔'' راجیش بولا۔

''میرا خیال ہے فلم کا کاروبار میرے اور روشن کے نقطۂ نظر سے حرام کاروبار ہے۔ روشن تو غذا تک کھانے میں پرہیز کرتا ہے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اصلیت کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

''ہزاروں مسلمان اس میں ملوث ہیں وہ تو نہیں کہتے۔'' راجیش نے کہا۔

''وہ نہیں کہتے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ حرام حلال ہو گیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، روشن کی اور آپ کی مرضی یہ ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں مگر اس کا پورا حساب الگ ہے یہ امانت ہے وہ جب طلب کرے گا اس کو مل جائے گا۔ تم دونوں باپ بیٹوں کو میں نے دنیا سے نرالا پایا ہے۔'' راجیش بولا۔

میں نے روشن کی بیوی جمیلہ کو تمام باتیں اور روشن کی خواہش بتائی تو وہ بولی۔

''میں روشن کے ساتھ ہوں وہ میرا شوہر ہے لندن میں اب ہمارا رہنا دشوار بھی ہے کیونکہ ہم لوگ خود کو لندن والوں سے الگ خیال کرتے ہیں۔ ان کے ماحول میں مکس نہیں ہو سکتے شادی کے بعد مجھ میں جو تبدیلی آئی ہے وہ روشن کی دین ہے میں خود کو بہت بہتر اور پہلے سے اچھا خیال کرتی ہوں اتنا سادہ اور اتنا اچھا مذہب اسلام ہے مجھے بہت بعد میں پتہ چلا ہے میں آپ کے ساتھ پاکستان چلوں گی۔''

اور ہم لوگ پاکستان آ گئے۔ ہمارے پاکستان آنے کے ایک سال کے بعد روشن بھی پاکستان آ گیا..... اور ایک کپڑے کی دوکان کر لی۔ کسی کو پتہ نہیں تھا کہ یہ کون ہے؟ نہایت سادہ زندگی وہ اور اس کی بیوی گزارنے لگے۔ اکبر نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنی قابلیت اور ڈگری سے فائدہ اٹھائیں مگر دونوں میاں، بیوی نے رضامندی ظاہر نہ کی۔

میری کہانی ختم ہو گئی۔ روشن کی کایا پلٹ تو سمجھ میں آتی ہے مگر جمیلہ بیگم کی بات سمجھ نہیں آئی، یہ شاید محبت کی کرشمہ سازی ہے، محبت کے کئی روپ ہیں، کس روپ نے ان پر قبضہ کیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا تھا۔ دین اور دنیا دونوں کو روشن نے ایسا بیلنس کیا کہ میں حیران تھا۔ اس کے رتبے کو بھی کچھ کچھ سمجھتا تھا اس لئے احترام بھی کرتا تھا۔ میں اپنی جگہ خاموش اور روشن اپنی دنیا میں مگن رہنے لگا۔

☆.....(ختم شد).....☆